اُردو زبان کا ارتقا

ڈاکٹر شوکت سبزواری

قیمت :- سات روپے پچاس پیسے

ناشر :- چمن بک ڈپو، اردو بازار دہلی

مطبوعہ :- محبوب المطابع برقی پریس دہلی

نذرِ عقیدت

بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق مدظلہ کی خدمت میں

جن کی

اردو سے متعلق بے لوث ادبی اور لسانی خدمات نے میرے دل میں اردو کی لو لگا کر اس بے کس زبان کی صحیح اور سچی خدمت کی ایک نئی اور روشن راہ دکھائی۔

شوکت سبزواری

کتابیات

۱- حسن قادری - اردو نثر کے نمونے — ۲۲- شیام سندر داس - ہندی بھاشا اور ساہتیہ

۲- سہیل کا دلو - مبادی پراکرت — ۲۳- حافظ محمود خاں - پنجاب میں اردو۔

۳- جعفر شاہ بکر - ولسن لسانی خطبات — ۲۴- صفیر بلگرامی - جلوۂ خضر

۴- بلاک جولس - مراٹھی گرامر — ۲۵- عبدالحق بابائے اردو - مقدمہ سب رس

۵- بیمز - ہندوستانی گرامر — ۲۶- " " - اردو گرامر۔

۶- " " - فارسی گرامر — ۲۷- کیلاگ - ہندی گرامر پر دو طبقے

۷- ڈی ڈی گنگے - مقدمہ تقابلی لسانیات — ۲۸- گریرسن - ہندوستانی زبانوں کا جائزہ۔

۸- " رمیبر - آرتی ترجمہ انگریزی — ۲۹- " - بہاری زبان کی ساخت گرامر

۹- " " - نیپالی ڈکشنری — ۳۰- میکس مولر - سائنس آف لینگویج۔

۱۰- " " - جدید ہند آریائی زبانوں کی تقابلی گرامر — ۳۱- " - مقالات۔

۱۱- " " - ہندوستانی لسانیات کا خاکہ - چاٹرجی — ۳۲- میکڈانل - تاریخ ادب سنسکرت

۱۲- جارج - قدیم قواعد سندھی تاریخی گرامر — ۳۳- پیسن - پالی گرامر (دکچھایک۔)

۱۳- جرجی زیدان - الفلسفۃ اللغویۃ — ۳۴- وحیدالدین سلیم۔ وضع اصطلاحات۔

۱۴- چٹرجی (سنیتی کمار) - بنگالی کا آغاز و ارتقا دو جلد۔ — ۳۵- ... - لسانی مطالعات

۱۵- " " - ہند آریائی اور ہندی۔ — ۳۶- " - [illegible]

۱۶- ... محمد - ... — ۳۷- " - سنسکرت گرامر

۱۷- دھیریندر ورما - ہندی بھاشا کا اتہاس — ۳۸- ویبر۔ تاریخ ادب ہند۔

۱۸- محی الدین قادری زور - ہندوستانی لسانیات۔ — ۳۹- ہری اودھ - ہندی اور اس کے ساہتیہ کا وکاس

۱۹- " " - اردو شہ پارے۔ — ۴۰- ہنری سویٹ - تاریخ لسان۔

۲۰- سکسینہ بابو رام - اودھی کا ارتقا۔ — ۴۱- ہورنلے۔ گوڑین زبانوں کی تقابلی گرامر۔

۲۱- شمس اللہ قادری - اردوئے قدیم۔

رسائل: ہندوستانی، جرنل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال، بلیٹن اسکول آف اورینٹل، انگلش گریمر، کلکتہ ریویو وغیرہ۔

فہرست مطالب

حصّۂ اوّل .. ..

تمہیدی

باب اوّل

زبانوں کے خاندان اور ان کے شجرے۔

(۱) زبانوں کی صورتی تقسیم

(۲) زبانوں کی نسلی تقسیم۔

باب دوم

" ہندوپاک کی قدیم و جدید زبانیں۔

باب سوم

" ہندوپاک کی زبانوں کے رشتے اور اردو زبان۔
کا ماخذ"

تحقیقی

باب اوّل

"صوتی تبدیلیاں"

(۱) حرکات و علل

(۲) حروف صحیح

(۳) حروف مخلوط

باب دوم

"اخذ و اشتقاق"

(الف) تالیف الفاظ

۱۔ سابقے

۲۔ لاحقے

۳۔ فارسی لاحقے

(ب) ترکیب الفاظ

باب سوم

"اسماء بالغہ"

(الف) جنس

(ب) عدد

(ج) اعرابی حالت

۱۔ فاعلی

۲۔ مفعولی

۳۔ اضافی

۴۔ آلی یا سببی

۵۔ مجروری

۶۔ ظرفی۔

(د) صلات

باب چہارم

"اسمائے مطلقہ"

(۱) ضمیریں

(۲) اسمائے اشارہ

۳۔ اسمائے موصولہ

۴۔ حروفِ استفہام

(۵) کنایات

(۶) ظروف

(۷) اسمائے اعداد

(۱) اعداد ترتیبی

(۲) اعداد توصیفی

(۳) عددِ مکسور

(۸) حروف۔

باب پنجم

"افعال و مشتقات"

(۱) اصلی یا اولی مادے

(۲) وضعی یا ثانوی مادے۔

(۳) مصدر اور حاصلِ مصدر

(۴) تخدید

(۵) فعلِ معاون

(۶) مشتقاتِ افعال

(۷) معروف و مجہول۔

(۸) افعال کا استعمال
(۹) صورتیں
(۱۰) افعال کی گردان ۔

حرفِ اوّل

اُردو کی ابتداء اور اس کے نشوونما کے متعلق خصوصیت کے ساتھ اُردو داں طبقے میں بہت سی غلط فہمیاں ہیں۔ مسلمانوں کی ساختہ و پرداختہ زبان سمجھ کر کوئی اسے عہد شاہجہانی کی پیداوار بتاتا ہے۔ کوئی اس کی قدامت کے پیش نظر محمود غزنوی کی فتوحات ہند سے اس کا رشتہ جوڑتا ہے اور کوئی اس سے پیچھے ہٹ کر محمد ابن قاسم کی فتح سندھ سے اس کی ولادت دکھاتا ہے پہلے گروہ نے اس کا مولد دلّی کو ٹھہرایا تھا۔ دوسرے گروہ نے پنجاب سے اس کا خمیر اٹھایا۔ تیسرے گروہ نے اس کی آنول نال سندھ میں گڑھی ہوئی بتائی ایک اور گروہ آیا جس نے دکن و گجرات میں پھلتا پھولتا دکھا کر اس کا پودا دکن کی سرزمین سے اُگایا۔

میرے خیال میں اردو کے آغاز سے متعلق اُردو والوں کی یہ قیاس آرائیاں چنداں معیوب نہ تھیں اگر ان کی بنیاد علمی نظریوں پر استوار ہوتی اُردو کی ساخت، نشوونما، تاریخی ارتقا سے اُردو کے حسب و نسب کا کھوج لگایا جاتا۔ اُردو کی قدیم و جدید ہم رشتہ بولیوں سے اُردو کا مقابلہ کر کے اور خود اُردو کی عہد بعہد تبدیلیوں کو سامنے رکھ کر طے کیا جاتا۔

کہ اُردو کا ان بولیوں سے کیا رشتہ ہے۔ اس کی ماں کون ہے۔ اور ماں جائی بہنیں کون سی ہیں۔ وہ کس کی نواسی ہے اور کس کی بھانجی ہے۔ لیکن مولانا محمود شیرانی مرحوم کے سوا کسی نے کبھی اُردو کے گہرے مطالعے کی ضرورت نہ سمجھی۔ اُردو سے اُردو داں طبقے کی دلچسپی اس کے الفاظ (اور وہ بھی تہذیبی اور ادبی) تک محدود رہی۔ اُردو کے لباس، حسن وزیبائش، بناؤ سنگھار سے نظریں ہٹا کر اس کے گوشت پوست، وضع قطع یا خط و خال کا مطالعہ انھیں گوارا نہ ہوا اور اُردو میں فارسی و عربی الفاظ سے فریب کھا کر انھوں نے یہ عاجلانہ فیصلہ کر لیا کہ اُردو مسلمانوں کے عہد میں فارسی کی کوکھ سے پیدا ہوئی۔ میرے خیال میں اُردو کے سلسلے میں یہ پہلی اینٹ تھی جو کج رکھ دی گئی۔ اس پہ جو عمارت بلند ہوئی وہ آج تک کج چلی آ رہی ہے۔

اُردو کا مسلمانوں سے بہت گہرا رشتہ ہے۔ وہ مسلمانوں کی "ساختہ" نہ سہی پرداختہ ضرور ہے۔ عہد شاہجہانی تو اس کے شباب کا زمانہ تھا، شہاب الدین غوری جب فاتحانہ شان سے دہلی میں داخل ہوا تو اُردو مولانا آزاد مرحوم کے لفظوں میں دلی کی گلیوں میں گھٹنیوں چلتی تھی۔ مسلمانوں نے اُٹھا کر اسے سینے سے لگایا۔ پال پوس کر چونچال بنایا۔ دل فریب ادائیں سکھائیں۔ مسلمانوں سے پہلے غوں غاں کرتا یا زیادہ سے زیادہ تتلا تتلا کر باتیں کرتا بچہ مسلمانوں کی آغوش تربیت میں پہنچ کر زبان کے جوہر دکھانے لگا۔ یہ مسلمانوں کی نگہداشت اور پرداخت کا اثر تھا۔ لیکن یہ سمجھنا کہ

مسلمانوں کی برصغیر ہند میں آمد سے پہلے اردو کا وجود ہی نہ تھا۔ ہند و اور مسلمانوں کے میل جول نے اسے جنم دیا، کسی طرح بھی صحیح نہیں۔ اردو مسلمانوں کی اسی طرح پرداختہ ہے جس طرح فارسی، ترکی یا پنجابی اور سندھی وغیرہ زبانیں مسلمانوں کی پرداختہ ہیں۔ (اس حد تک نہ سہی جس حد تک اردو ہے) اردو کی طرح ان زبانوں کے تہذیبی اور ادبی الفاظ کا ایک بہت بڑا سرمایہ مسلمانوں کا عطا کردہ ہے جو مسلم قوم کے اثر اور تربیت کی غمازی کرتا ہے۔ اگر یہ زبانیں اس اثر، تربیت یا پرداخت کے باوجود مسلمانوں کی "ساختہ" نہیں سمجھی گئیں تو اردو کس طرح مسلمانوں کی "ساختہ" سمجھی جاتی ہے یہ کم سے کم میری فہم ناقص سے باہر ہے۔

مولانا شیرانی مرحوم کا اردو داں طبقہ کو شکر گزار ہونا چاہیے کہ انھوں نے غالباً اردو میں سب سے پہلے اردو کے چہرے سے نقاب اٹھا کر اس کے خط و خال کا گہرا حکیمانہ مطالعہ کیا۔ اور پنجابی شیرانی، برج بھاشا سے اس کا مقابلہ کر کے اردو داں طبقے کو تقابلی لسانیات کی ہلکی سی جھلک دکھائی، ملکی، انھیں کہ اردو جس خاندان سے ہے وہ بڑا پرانا، بکھیر اور ہمہ گیر گھرانا ہے۔ اس میں آریائی نسل کی تمام چھوٹی بڑی زبانیں شامل ہیں جو اپنا تاریخ رکھتی ہیں، ان کا ارتقا اور تسلسل ہے۔ اردو کے پہلو بہ پہلو زمانے کے دریا میں بہتی ہوئی وہ ہم تک پہنچی ہیں، اردو کا صحیح مقام، مولد، اور منشا متعین کرنے کے لیے صرف اتنا کافی نہ تھا کہ اس کی موجودہ شکل و صورت کا مقابلہ اس کی ہم بولیوں کے آج کے رنگ

روپ سے کر دیا جائے اور بس۔ اس کے لئے یہ بحث کر کے دیکھنا بھی ہے کہ اُردو کا قدیم رنگ کیا تھا۔ اس میں زمانے کی اُلٹ پھیر کے ساتھ عہد بہ عہد کیا کیا تبدیلیاں ہوئیں۔ اس کے انتقالی مدارج کیا ہیں اور اس کی معاصر بولیوں کے ارتقائی منازل سے انہیں کیا نسبت ہے۔ لسانیات کی اصطلاح میں اسے تاریخی گرامر کہتے ہیں۔ جب تک اُردو کی تاریخی گرامر واضح نہ ہو اور جب تک اُردو کا مکمل لسانی تجزیہ کر کے اس کا عہد بہ عہد ارتقا نہ دکھایا جائے دوسری ہمسر زبانوں سے اس کا رشتہ ٹھیک ٹھیک دریافت نہیں ہو سکتا مولانا شیرانی مرحوم نے موجودہ اُردو کا مقابلہ موجودہ پنجابی سے کر کے یہ نتیجہ نکالنا چاہا تھا کہ اُردو نے پنجاب میں جنم لیا۔ اُردو پنجابی کی بیٹی ہے میرے خیال میں یہ صحیح نہیں تھا۔ اُردو اور پنجابی کی مشابہت تنہا اس امر کا ثبوت نہیں ہو سکتی کہ اُردو پنجابی کی بیٹی ہے۔ اس لئے کہ مشابہت ماں اور بیٹی ہی تک نہیں بلکہ دو ماں جائی بہنوں میں بھی ہوتی ہے۔ اس لئے یہ طے کرنا کہ مشابہت ماں بیٹی کی ہے یا بہن بہن کی اس وقت ممکن نہیں جب تک اُردو کے اوپر کے ارتقائی درجے ہمارے سامنے نہ ہوں اور ہم زبان کے قدیم و جدید صرفی، نحوی، اور صوتی سرمایہ کا پہلے اچھی طرح جائزہ نہ لے لیں۔

میں مدت سے اس فکر میں تھا کہ ہر قسم کے تعصبات سے الگ ہو کر اُردو کے لسانی ارتقا کا ایک ہلکا سا لیکن روشن خاکہ اُردو میں پیش کر دوں تاکہ اس کی روشنی میں اُردو داں طبقے کو اُردو کے حسب نسب اور مولد و منشا کے متعلق صحیح فیصلہ کرنے کا موقع مل سکے۔ چنانچہ اس مقصد سے میں نے ضروری مواد ادھر اُدھر سے فراہم کرنا شروع کیا۔ لیکن جیسے جیسے

مواد فراہم ہوتا گیا۔ موضوع میں پھیلاؤ آتا چلا گیا اور آخر ایک طویل الذیل مقالہ "اردو کا ارتقا" تیار ہو گیا۔ مقالے کی وسعت اور موضوع کی اہمیت کے پیشِ نظر میں نے مناسب سمجھا کہ اسے طبع کرا کر ڈی۔ لٹ کے لئے پیش کر دوں۔ لیکن اتفاق سے اس کی طباعت کا فوری اور خاطر خواہ انتظام نہ ہو سکا۔ غیر مطبوعہ مقالہ ڈی لٹ کے لئے پیش نہیں ہو سکتا تھا اس لئے بہ مجبوری، پی ایچ ڈی کے لئے ۱۹۵۲ء میں اسے پیش کر دینا پڑا۔ یونیورسٹی نے ڈاکٹر مولوی عبدالحق، ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، ڈاکٹر محی الدین قادری زور کو جو ملک کے ممتاز ادیب، زبان داں اور ماہرینِ لسانیات ہیں، مقالہ کا ممتحن مقرر کیا۔ اس کے متعلق فیصلہ ہوتے ہوتے پورا ایک سال بیت گیا۔ اس کی طباعت کے لئے دو سال اور انتظار کرنا پڑا۔ اب یہ مقالہ کسی قدر ضروری ترمیم اور نظرِ ثانی کے بعد قارئین کے سامنے ہے اس کی افادیت کے بارے میں وہ خود فیصلہ کریں گے۔

مقالہ میں اردو زبان کا لسانی تجزیہ کر کے اس کا تاریخی ارتقا دکھایا گیا ہے اور قدیم زمانے سے لے کر آج تک کی عہد بہ عہد تبدیلیاں پیش کی گئی ہیں۔ بغرضِ افادہ اس کے ساتھ ایک مختصر مقدمہ بھی شامل ہے جس میں زبانوں کی تقسیم ان کے مختلف زمروں اور برصغیر کی قدیم و جدید بولیوں کے رشتوں پر کسی قدر تفصیل سے بحث کی گئی ہے تاکہ آئندہ مباحث کے لئے وہ ایک پس منظر کا کام دے اور ان کے سمجھنے میں اس سے مدد ملے۔ اردو کے آغاز اور اس کے مآخذ پر میں نے صرف چند سطروں پر اکتفا کیا ہے۔ جان بوجھ کر اس پر کوئی تفصیلی بحث نہیں کی اس لئے کہ میں نہیں چاہتا تھا کہ اس سلسلے میں قارئین کے آزاد فیصلہ کو

کسی نتیجہ میں بھی متاثر کروں۔ پورا مقالہ پڑھنے کے بعد انہیں خود کوئی فیصلہ کرنا چاہئے۔ مقالہ کی تیاری میں جن کتابوں، رسالوں اور مقالوں سے مدد لی گئی ہے۔ ان کی تفصیل ہر چند افادے سے خالی نہ تھی۔ لیکن بعض حضرات کے لئے شاید موجب تطویل ہوتی اس لئے آخر میں ضروری اور اہم ماخذ کی فہرست دینا میں نے مناسب سمجھا۔ موضوع کچھ ایسا سنجیدہ اور جدید میلانات کو دیکھتے ہوئے غیر دلچسپ تھا کہ ایک بزرگوں کے علاوہ کسی سے کوئی خاص مدد نہیں ملی۔ میں اپنے اُن بزرگوں کا شکر گزار ہوں۔

شوکت سبزواری

تمہیدی

باب اوّل

زبانوں کے خاندان اور اُن کے شعبے

زبانیں بے شمار ہیں جنھیں ماہر لسانیات نے بہت سے گروہوں، خاندانوں اور زمروں میں تقسیم کر دیا ہے۔ بے شمار اور نامحدود چیزوں کو اسی طرح شمار کیا جاتا ہے۔ عالم نباتات لاتعداد درختوں اور پودوں پر مشتمل تھا۔ جب ماہرین نباتات ان درختوں اور پودوں کا حصر و شمار نہ کر سکے تو اُنھوں نے یہی طریقہ اختیار کیا۔ نباتات کی کسی خصوصیات کو دیکھ کر انھیں چھوٹے بڑے گھرانوں اور گروہوں میں بانٹ دیا۔ یہ بٹوارا ظاہر ہے اس وقت تک ممکن نہ تھا جب تک نباتات کا گہرا حکیمانہ مطالعہ نہ کیا جاتا۔ "ڈال ڈال" پتے پتے کا تجزیہ کر کے عمل نشو و نما کا کھوج نہ لگایا جاتا۔ تقسیم کا دار و مدار تقابل اور تماثل پر ہے یہ عمل دونوں ساتھ ساتھ ہوتے ہیں۔ تقابل کی صورت میں ان تمام صفات اور خصوصیات کو پیش نظر رکھا جاتا ہے جو ایک چیز کو دوسری سے ممتاز بناتی ہیں۔ تماثل میں مشترک صفات پہ نظر رہتی ہے جن چیزوں میں یہ صفات پائی جاتی ہیں ان کو ایک قسم قرار دے دیا۔

جاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں دوسری قسم ہوتی ہے جس میں کچھ اور صفات پائی جاتی ہیں۔ یہ دونوں قسمیں ایک دوسرے سے الگ ہوتی ہیں۔ اس لئے کہ ان میں پائی جانے والی صفات جدا جدا ہیں۔ اس قسم کی صفات کو ممیزات کہتے ہیں۔ یہ ایک نوع کو دوسری سے ممتاز بناتی ہیں۔

دنیا کی زبانوں کو تقسیم کرنے کی صرف دو صورتیں تھیں۔ ایک صوری (MOROHOLOGICAL) دوسری نسلی (GENEALOGICAL) پہلی صورت میں زبانوں کی عام ترکیبیں یا تشکیلی صفات کے پیش نظر زبانوں کے جدا جدا زمرے یا گروہ بنائے گئے۔ دوسری صورت میں پہلے زبان کی بناوٹ لفظوں کے اخذ و اشتقاق، صرفی و نحوی تغیرات کو دیکھا گیا۔ اس کے بعد ان زبانوں کو ایک خاندان میں رکھ دیا گیا۔ جن میں اشتقاق کے قاعدے، صرفی تغیرات، صوتی تبدیلیاں ایک جیسی تھیں اور جن کے لفظوں اور مادوں میں ایک بڑی حد تک مماثلت پائی جاتی تھی۔ تقسیم کی یہ صورت بہت جامع ہے۔ مگر ساتھ ہی دشوار بھی ہے اس سے ہم رشتہ زبانوں کا ایک خاندان تو بن جاتا ہے مگر ان میں صحیح رشتہ کا کھوج نہیں لگتا۔ اس کے لئے مزید جستجو کرنی پڑتی ہے۔ لفظوں کی بناوٹ اور اشتقاق کے اصولوں کو نئے سرے سے جانچنا اور زبان کے سرمایہ کو کھنگالنا پڑتا ہے۔ ہر تغیر کی پوری تاریخ کے سامنے رکھنی ہوتی ہے تب کہیں جاکر دو زبانوں کے باہمی تعلق کا ٹھیک ٹھیک سراغ ملتا ہے۔

(۱) جن زبانوں کا ایک بڑا ذخیرہ ملتا جلتا نظر آتا ہو ان کو ایک خاندان یا قبیلہ قرار دیا جا سکتا ہے لیکن اس خاندان کی زبانوں میں سے۔

---

(۱) سائنس آف لینگویج جلد ۱ صفحہ ۳۰۲۔

ذرا دشوار ہے جب تک ہمارے پاس واضح لسانی شہادتیں اس امر کی نہ ہوں کہ ان میں سے کوئی ایک عمر میں بڑی ہے اور اس نے اس خاندان کی دوسری کم عمر زبانوں کو جنم دیا ہے۔ اس پر آگے چل کر ہم کسی قدر تفصیل سے بحث کریں گے۔ فی الحال یہ پیش نظر رہے کہ نسلی تقسیم ہمیں یہ بتاتی ہے کہ فلاں فلاں زبانیں ہم رشتہ ہیں۔ ان کا ایک خاندان ہے۔ انھیں ایک عرصہ تک ساتھ ساتھ ترقی کرنے، پھلنے پھولنے، ایک دوسرے پر اثر ڈالنے کا موقع ملا ہے۔

زبان ایک نامی اور ذی حیات چیز ہے، وہ دوسری نامی چیزوں کی طرح بڑھتی اور ترقی کرتی ہے۔ اس کی ترقی کا راستہ متعین ہے۔ دنیا کی زبانیں باستثنا چند اس راہ پر گامزن رہی ہیں۔ ماہرین لسانیات نے راہ ارتقا کی کچھ منزلیں مقرر کی ہیں اور بتایا ہے کہ کون سی زبان اس وقت کس منزل میں ہے۔ چنانچہ ان منزلوں کو زبان کے ارتقا کے چار زینے قرار دیتے ہیں۔
(۱) ارتقا کی راہ اور اس کی چار منزلوں کا علم آپ کو صوری تقسیم سے ہوگا۔

زبانوں کی صوری تقسیم (۱)

زبانیں لفظوں سے بنتی ہیں، یہ الفاظ بامعنی ہوتے ہیں۔ بامعنی لفظوں کو ترتیب دے کر جملہ بنایا جاتا ہے۔ مختلف زبانوں میں الفاظ کی ترکیب مختلف ہوتی ہے۔ بعض زبانوں میں یہ الفاظ برابر برابر رکھ دیے جاتے ہیں۔

(۱) ہندوستانی لسانیات کا ایک خاکہ باب سوم۔

اور بعض میں ایک کو دوسرے کے ساتھ جوڑ دیا جاتا ہے۔ پہلی صورت میں پہلو بہ پہلو رکھے ہوئے الفاظ الگ الگ رہتے ہیں، دوسری صورت میں گھل مل جاتے ہیں۔ پہلی صورت زبان کی ابتدائی حالت ہے۔ اسے ارتقا کی اولین منزل کہنا چاہیے۔ اس منزل میں زبان کے سارے الفاظ ایک حیثیت کے ہوتے ہیں۔ (۲) ان میں اسم، فعل، حرف وغیرہ کا کوئی فرق نہیں ہوتا۔ لفظوں کے آگے پیچھے کرنے سے نئے نئے مفہوم پیدا کر لیے جاتے ہیں۔ چینی زبان اسی منزل میں ہے۔ اس میں ہر لفظ بامعنی اور مستقل ہے۔ اگر یہ کہنا چاہیں کہ مرد نے لکڑی سے قتل کیا تو یوں کہیں گے (۳)، "شا جن اے تنغ"، مرد نے قتل کیا۔ لکڑی استعمال کیا، "تنغ" کے معنی ہیں لکڑی۔ اس میں "ن" کے لیے جو لفظ استعمال ہوا (۴) وہ "شنغ" ہے جس کے اصلی اور حقیقی معنی ہیں "وسط اور درمیان"۔ "سنگ ہیکن لائی" یکساں ہے۔ "سنگ" جب علیحدہ استعمال ہوتا ہے تو پیچھے چلنے کے معنی دیتا ہے اور "لائی" کے معنی ہیں آنا۔ چینی زبان میں زمانہ اور فعلی حالتوں کو بھی مختلف بامعنی الفاظ سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ مثلاً "تسیو"۔ ایا وُا "چلنا ختم" یعنی چلا گیا۔ "تسیو" (کر چکا ختم چلنا) یعنی چلا گیا ہے" یا "فو" (خواہش۔ چلنا) یعنی چلے گا۔ (۱)

اختلاط کی صورت میں لفظوں کی حیثیت بدل جاتی ہے۔ اصلی

---

(۱) ایضاً

(۲) الفلسفۃ اللغویہ صفحہ ۱، سائنس ۲۰۲

(۳) الفلسفہ ص ۳۲

(۴) الفلسفہ ص ۳۲

لفظ جس میں دوسرے الفاظ ملا کر اس سے طرح طرح کے مشتقات وضع کیے جاتے ہیں مادہ کہلاتے ہیں۔ دوسرے الفاظ جو اس مادے کو نئی نئی صورتیں عطا کرتے ہیں علامات انتقال کہلاتے (۲) ابتدا میں علامات اشتقاق اپنی جگہ بامعنی ہوتی ہیں لیکن امتداد زمانہ اور کثرت استعمال کے زیر اثر گھس گھسا کر جب ان کی شکل کچھ سے کچھ ہو جاتی ہے تو ان کے اصل معنی بھلا دیے جاتے ہیں اور ان کا کام یہ رہ جاتا ہے کہ وہ مادوں کو نئے نئے معنی دیں۔ ارتقائے زبان کا یہ دوسرا دور ہے۔

اس دور کی واضح مثال ترکی ہے۔ ترکی میں علامات اشتقاق بہت ہیں۔ یہ علامتیں اصل لفظ کے آخر یا اول میں جوڑی جاتی ہیں اور نیا بامعنی لفظ تیار کر لیا جاتا ہے۔ اس کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں "یازمق" کے معنی ہیں لکھنا۔ اگر اس سے ماضی مطلق بنانا چاہیں تو "مق" علامت مصدر ہٹا کر اس کے آخر میں "دی" (جو ویسے بے معنی ہے) اضافہ کر دیں گے اور اس طرح کہیں گے "یازدی" (اس نے لکھا) اور اگر ماضی بعید بنانا چاہیں تو "دیدی" اور بڑھا دیں گے۔ "یازدی دیدی" (اس نے لکھا تھا) جمع کے لئے "لر" اضافہ کر دیا جائے گا۔ "یازدی لردیدی" یازدی دیدی لر (ان سب نے لکھا تھا) نفی کے لئے "دی" سے پہلے "مہ" بڑھا دیا جائے گا۔ "یازمدیلردیدی" (ان سب نے نہیں لکھا تھا) اسی طرح مختلف معانی و مطالب پیدا کرنے کے لئے علامتیں بڑھاتے چلے جائیں گے۔

---

(۱) لسانیات کا خاکہ باب سوم۔

(۲) سائنس صفحہ ۲۵۔

"آنہ" بمعنی "کو" یا "تک"، "دن" بمعنی "سے"، اور "بمعنی" "مکان"، "اوراہ" (ایک مکان تک) اور "دن" (ایک مکان سے) اسما پر لیے علامات جمع اضافہ کیجیے "اوراہ" (مکانوں تک یا کو) اور "لردن" (مکانوں سے) اگر اسما کے قبل "م" اور بڑھا دیں جس کے معنی ہیں "میرا" تو یہ فقرہ یہ ہو گا "اورام نشا" اور اس کا تجزیہ اس طرح کیا جائے گا۔ او (مکان) لر (جمع کی علامت) م (میرے) دن (سے)، یعنی میرے مکانات سے (۱)

ان مثالوں سے کئی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اوّل یہ کہ الفاظ سب ملے جلے ہیں جیسی مرکبات کی طرح الگ الگ نہیں۔ دوسرے، ایک لفظ اصلی اور بامعنی ہے اور بقیہ الفاظ تعمیری اور اپنی جگہ بے معنی ہیں۔ تیسرے علامات کے بڑھانے سے اصل لفظ کے روپ میں کوئی تغیر نہیں ہوا وہ جیسے پہلے تھا ویسا ہی اب بھی ہے۔ چوتھے الفاظ و علامات کا اختلاط ایسا نہیں جس سے ان کو ایک دوسرے سے ممتاز نہ کیا جا سکے۔

اختلاط کی ایک شکل اور بھی ہے اور وہ زیادہ مکمل ہے۔ اس میں الفاظ اور علامات کچھ اس طرح گھل مل جاتی ہیں کہ ان کے درمیان سے امتیاز اٹھ جاتا ہے۔ علامات اضافہ کرنے کے بعد اصل لفظ کی شکل و صورت اکثر بدل جاتی ہے اور کبھی مل ملا کر دونوں ایک نئے روپ، نئی شکل اور نئی صورت میں جلوہ گر ہوتے ہیں۔ یہ اشتقاق کی تیسری کڑی ہے۔

(۱) اس نوع کے اختلاط الفاظ کو لسانیات میں تصریف (گردان) کہتے ہیں۔ اور جن زبانوں میں ترکیب کی یہ شکل رائج ہے وہ منفرد قسم

---

(۱) خاکہ باب سوم۔

کہلاتی ہیں۔ دنیا کی زبانوں کے دو بڑے قبیلے یعنی "آریائی" اور "سامی" ارتقا کی اسی منزل میں ہیں۔ اس کو چند مثالوں سے، ذہن نشین کیجئے سنسکرت میں "اسمی" کے معنی ہیں "میں ہوں" یہ دو لفظوں (یا ایک لفظ اور ایک حرف) سے بنا ہے "اس" (ہونا) اور "می" (میں) ترجمہ۔ "اس" اپنی اصل شکل میں ہے لیکن "می" صورت بدل چکا ہے۔ یہ اپنی اس صورت میں تنہا مستعمل نہیں۔ یونانی میں یہ لفظ "ایمی" ہے اس میں دونوں لفظوں کی شکل بدل گئی ہے "ای" (ہونا) جو سنسکرت "اس" کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ اب یونانی میں مستعمل نہیں۔ "می" کا استعمال بھی علیحدہ سے الگ نہیں دیکھا گیا۔ لاطینی میں اس فقرے کی شکل بالکل بدلی ہوئی ہے "سم" (میں ہوں) اس میں "اس" کا "س" اور "م" کا "م" رہ گیا ہے۔ انگریزی am کا حال بھی یہی ہے۔ m تو "می" کا مخفف ہے اور a سنسکرت "اس" سے گھس گھسا کر وجود میں آیا ہے۔ یہ دونوں اپنی موجودہ صورت میں تنہا انگریزی میں مستعمل نہیں (۲)۔

عربی "لن" (ہرگز نہیں) "لا" اور "ان" سے مرکب ہے۔ دونوں لفظوں نے میل ملاپ کے لئے اپنا اپنا چولا بدل دیا ہے۔ "لا" نے اپنا آخری حرف یعنی "الف" اور "ان" نے شروع کا حرف اس تال میل کی نذر کر دیا۔ تنہا "ل" اور "ن" عربی میں دیکھے نہیں گئے۔ "فعلت" (تو نے کیا) اور تفعل (تو کرتا ہے) "فعل" اور "انت" سے مرکب ہیں (فعل × انت =

---

(۱) سائنس جلد ا صفحہ ۱۳۲

(۲) مثالیں جیمز اور دھنٹے کی کتابوں سے ماخوذ ہیں۔

فعلت۔ ات + فعل = تفعل) ان دونوں فعلوں میں "فعل" تو صرف اتنا بدلا کہ ماضی میں ترکیب کے بعد اس کے آخر کا زبر جاتا رہا اور مضارع میں یہ پیش سے بدل گیا۔ مگر "ات" کٹ کٹا کر بالکل لنڈورا ہو گیا۔ یہ کرشمے تصریف کے ہیں جو تمام متصرفہ زبانوں میں بھان متی کا سا کھیل دکھاتی ہے (۱)

اس سلسلہ کی ایک چوتھی کڑی بھی ہے (۲) تصریفی دور میں الفاظ اتنے گھل مل جاتے ہیں کہ اصل لفظ یعنی مادے اور اشتقاقی علامت میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ اس لئے کچھ عرصے کے بعد بولنے والے یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ لفظ دو یا دو سے زیادہ ٹکڑوں سے بنا ہے۔ وہ اس مرکب کو بسیط سمجھ کر کوئی اشتقاقی علامت بطور سابقہ یا لاحقہ اس میں جوڑ دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ علامت کلمے سے الگ ہوتی ہے اور واضح طور پر اس سے الگ نظر آتی ہے۔ انگریزی فعل حال GOES یا GOETH مرکب ہے GO (جانا) اور S یا TH (وہ) سے۔ لیکن اب انگریزی بولنے والے عوام اس فعل کو بسیط سمجھتے ہیں اور "وہ" کا مفہوم ادا کرنے کے لئے اس کے شروع میں HE (وہ) بڑھا کر (HE GOES) (وہ جاتا ہے) کہتے ہیں۔ اس میں دو کلمے ہیں، دونوں مستقل ہیں اور دونوں جدا جدا مفہوم ادا کر رہے ہیں (۳) سنسکرت میں مستقبل کے لئے مادے کے آخر میں ष्य (سیئی) بڑھا دیا جاتا ہے۔ مثلاً دا (دینا) سے (داسیتی) (وہ دے گا) یہ فعل بہت کچھ تبدیلیوں کے بعد

---

(۱) یہ مثالیں فلسفہ سے لی گئی ہیں۔

(۲) ہسٹری آف لینگویج ہنری سوییٹ صفحہ ۴۸

(۳) خاکہ باب دوم۔

آردو میں "دے" ہوا۔ ڈاکٹر مجمندار کرنے ان تبدیلیوں کی مختلف کڑیاں بتائی ہیں۔ واسیچتی، واستی، واسّتی۔ دالی اور دے (۱) اب "دے" میں کوئی حرف یا علامت اشتقاق نہیں جس سے زمانہ استقبال سمجھا جا سکے۔ اس لیے اردو بولنے والے "گا" علامت استقبال بڑھا کر "دے گا" کہتے ہیں "دے گا" دو کلموں سے مرکب ہے (دے + گا) اور دونوں اپنی جگہ مستقل اور آزاد ہیں۔

یہ چار ارتقائی کڑیاں ہوئیں۔ میکس مولر نے پہلی تین کڑیوں کا ذکر کیا ہے۔ چوتھی کو انہوں نے تیسری سے الگ نہیں سمجھا (۲)۔ ان میں سے پہلی کڑی اصلی یا بنیادی دور (RADICL STAGE) کے نام سے موسوم ہے۔ جان بیمز اسے ترکیبی یا نحوی COLLOCATIONAL OR SYNTACTICAL کہتے ہیں۔ (۳) کچھ عالموں نے احادی المقطع (MONASYLLABIC) یا انفرادی (ISOLATING) کے نام سے یاد کیا ہے۔ قدیم چینی زبان اس دور میں ہے۔ دوسرے دور کا نام میکس مولر اختتامی (TERMINATIVE) تجویز کرتے ہیں۔ بیمز وغیرہ ماہرین لسانیات التصاقی یا اتصالی (AGGLUTINATIVE) بتاتے ہیں۔ اور آریائی نسل کی قدیم و جدید زبانوں کو چھوڑ کر دنیا کی تقریباً سبھی بولیاں اس کے دوسرے دور میں ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ نمایاں اور اہم زبان

---

(۱) ولسن لیکچرز صفحہ ۱۰

(۲) سائنس جلد ا صفحہ ۳۰۷

(۳) خاکہ باب سوم

ترکی یا قسطنطنیہ کی مثالیں ہے۔ سامی اور آریائی زبانیں تصریفی - INFLECTIONAL دور میں ہیں۔ انگریزی، فرانسیسی، اردو وغیرہ جدید زبانیں تحلیلی ANALYTICAL ہیں۔

ہندوستان کی غیر آریائی زبانیں گونڈ، بھیل، کول، تامل، تیلگو، ملیالم، کنڑی، تالیفی ہیں۔ جدید آریائی زبانوں میں سے بنگالی، آسامی، اڑیا اور گجراتی اشتقاقی یا تصریفی ہیں۔ سندھی، پنجابی، مرہٹی، بین بین ہیں۔ اردو تحلیلی ہے۔

یہ تقسیم جہاں زبانوں کی گروہ بندی کرتی ہے۔ وہاں اس سے ارتقائے لسان کی مختلف منزلوں کو نشاندہی بھی ہو جاتی ہے۔ دور اول کی زبانوں میں ذیل کی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔

(۱) مرکب کا ہر لفظ جدا، آزاد اور مستقل ہوتا ہے۔

(۲) ہر لفظ اپنی جگہ با معنی ہوتا ہے۔

(۳) ترکیب کے بعد مرکب کی شکل وصورت میں کوئی تغیر یا تبدل نہیں ہوتا۔

(۴) الفاظ پہلو بہ پہلو رکھے ہوتے ہیں۔ یہ ترکیب ہے اس لئے یہ زبانیں ترکیبی کہلاتی ہیں۔

دوسرے دور کی زبانیں کسی زمانے میں دور اول میں تھیں۔ ان کے تمام الفاظ ایک حیثیت کے تھے اور سب اپنی جگہ با معنی تھے۔ کوئی نیا مفہوم پیدا کرنے کے لئے ان الفاظ کو پہلو بہ پہلو رکھ دیا جاتا تھا۔ مگر امتداد زمانہ سے کچھ الفاظ گھس گھسا گئے اور ان کا اصل مفہوم فراموش ہو گیا۔ وہ صرف اس کام کے رہ گئے کہ کسی دوسرے لفظ کے آگے یا پیچھے رکھ دیئے جائیں اور ان سے نیا مفہوم پیدا کر لیا جائے۔ اس منزل میں پہنچ کر غالباً زبان کے ذخیرہ الفاظ میں یہ فرق کیا گیا کہ ان میں سے کچھ اصل ہیں اور کچھ تعمیری (۱) اس دور کی چند اہم

خصوصیات یہ ہیں۔
(۱) مادہ ہمیشہ واضح اور نمایاں رہتا ہے۔ وہ کبھی اپنی صورت نہیں بدلتا۔
(۲) تعبیری یا تشکیلی الفاظ عام طور پر بطور لاحقہ مادوں کے آخر میں جوڑے جاتے ہیں۔
(۳) لاحقوں کی حرکت میں ایک خاص قسم کی لچک ہوتی ہے، مادوں کی مناسبت سے یہ حرکتیں بدلتی رہتی ہیں۔ ترکی میں حرکتیں دو طرح کی ہیں۔ کھڑی اور پڑی۔ مادے کی حرکت اگر کھڑی ہے تو لاحقے کی حرکت بھی کھڑی ہوگی اور پڑی کے ساتھ پڑی۔ مثلاً "او" کے ساتھ علامت جمع "لر" آئے گی۔ "اِولر" (مکانات) اور "آت" (گھوڑا) کے ساتھ یہ علامت "لر" ہو جائے گی۔ "اتلر" (گھوڑے)۔
(۴) الفاظ ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوتے ہیں۔ یہ زبانیں تالیفی یا اتصالی کہلاتی ہیں (۲)

تیسری منزل میں یہ لیف التصریف کی شکل میں رونما ہوتی ہے۔ فقرے کے تالیفی اجزا ایک دوسرے میں پیوست ہو کر ایک وحدانی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور عمل نحت کے زیر اثر ان کی صورت اتنی بگڑ جاتی ہے کہ یہ پہچاننا مشکل ہو جاتا ہے کہ ان میں سے مادہ کون سا ہے اور لاحقہ کیا ہے۔ اس کی متعدد مثالیں اوپر آ چکی ہیں۔ دو ایک اور ملاحظہ فرمائیے۔ "ہوں" (واحد متکلم) اور "ہیں" (جمع متکلم) کون کہہ سکتا ہے کہ مرکب کلمے ہیں، جو "ہو" (فعل) اور "اُں" (ضمیر واحد متکلم) اور "این" (ضمیر جمع) سے بنے ہیں "اُں" اصل میں "ام" تھا۔

---

(۱) سائنس جلد ۱ صفحہ ۳۴۰
(۲) ایضاً صفحہ ۳۳۶

پالی میں یہ صیغہ "ہوتی" (۱) ہے اور پہلوی (۲) میں "ہوامن" "یں" علامت جمع اسم کے ساتھ بھی مستعمل ہے، جیسے کتابیں، عورتیں وغیرہ۔ اس دور کی خصوصیات حسب ذیل ہیں۔

(۱) ترکیب کی حالت میں مادہ اور تعمیری الفاظ مل جل کر ایک ہوجاتے ہیں۔

(۲) مادے اور تعمیری لفظ کی شکل وصورت ترکیب کے بعد کسی قدر بدل جاتی ہے۔ دور اوّل میں عمل نحت نہیں ہوتا دور دوم میں یہ عمل صرف تعمیری جز یعنی لاحقے پر اپنا اثر دکھاتا ہے۔ تیسرے دور میں مادہ اور لاحقہ دونوں اس کی زد میں آجاتے ہیں۔ (۳)

یہ تینوں دور ارتقا کے نہیں بلکہ تخریب کے دور ہیں۔ عمل نحت یا تخریب صوتی کی توڑ پھوڑ اور شکست وریخت ان کا باعث بنی ہے جو نئے دور سے تعمیر نو کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ ہنری سویٹ نے تالیف کو ایک دوراہہ فرض کیا ہے۔ جہاں سے ایک راستہ تصریف تک جاتا ہے اور ایک بٹیا پیچھے کی طرف مڑ جاتی ہے۔ جو چلنے والے کو اولین اور ابتدائی منزل تک لے جاتی ہے۔ یہ وہی منزل ہے جہاں سے وہ روانہ ہوا تھا۔ اس کا بیان ہے کہ تالیف کی حدوں سے گزرنے کے بعد جو زبانیں آگے بڑھ جاتی ہیں وہ تصریف تک پہنچ جاتی ہیں اور جو مڑ کر چھوٹی بٹیا پر پڑ جاتی ہیں۔ وہ ابتدائی دور میں داخل ہوجاتی ہیں۔ (۱) یہ خیال ذیل

---

(۱) پالی گرامر صفحہ ۱۲۱

(۲) دستور پہلوی صفحہ ۱۳۰

(۳) سائنس جلد ۱ صفحہ ۳۴۱

کی شکل سے بآسانی سمجھ میں آسکتا ہے۔

بنیادی

تحلیلی　　　　تالیفی

تفریقی

۲

زبانوں کی نسلی تقسیم

زبانوں کی ارتقائی تاریخ میں یہ تقسیم بہت اہم ہے۔ اس سے زبانوں کے قریبی رشتوں کا پتہ چلتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ زبانوں کے مختلف طبقات میں کسی ایک زبان کا مقام کیا ہے۔

---

(۱) ہسٹری آف لنگویج صفحہ ۱۷

زبانوں کی نسلی تقسیم کے لئے ضروری ہے کہ مختلف زبانوں کے صرفی و اشتقاقی تغیرات کے اصول و قواعد کا تقابلی مطالعہ کیا جائے۔ یہ مطالعہ ان صوتی قوانین کی روشنی میں ہوتا ہے جو حروف کے باہمی تبادل میں کارفرما ہیں (۱)

غیر ترقی یافتہ زبانوں کا تقابلی مطالعہ بہت کم ہوا ہے۔ ترقی یافتہ زبانوں میں سے کسی صحیح معنی میں صرف تیسرے دور کی تقریبی زبانوں کا سرمایہ دو قسم کے الفاظ پر مشتمل ہے (۲) اصلی (RADICAL) اور تعمیری (FORMAL) تقابلی مطالعہ میں دونوں قسم کے الفاظ پیش نظر رہنے چاہئیں۔ لیکن ان میں تعمیری الفاظ زیادہ اہم ہیں۔ میکس مولر کے نزدیک نسلی تقسیم کی بنیاد ہر زبان کے تعمیری عنصر پر قائم ہیں۔ (۳) لیکن جن زبانوں نے اپنی اصل سے الگ ہو جانے کے بعد کچھ ترقی کر لی ہے۔ ان کا دوسری زبانوں سے رشتہ صرف اصلی الفاظ کی بنیاد پر ہی دریافت کیا جا سکتا ہے۔ ان اصلی اور بنیادی الفاظ میں بھی ذیل کی چیزیں اہم ہیں (۴)

(۱) قریبی رشتہ بتانے والے اسماء جیسے ماں، باپ، بھائی، بہن وغیرہ۔

(۲) اسماء اعداد۔ ایک، دو وغیرہ۔

(۳) ضمیریں، اشارات، موصولات۔

(۴) روزانہ کی عام ضرورتوں پر دلالت کرنے والے افعال جیسے کھانا، پینا، اٹھنا، بیٹھنا، وغیرہ۔

---

(۱) سائنس جلد ۱ صفحہ ۱۹۵ (۲) سائنس جلد صفحہ ۲۵۰ (۳) ایضاً صفحہ ۱۹۹

(۴) سائنس صفحہ ۲۰۱ و فلسفہ ا۔

متفرقہ زبانوں کے دو بڑے خاندان ہیں (۱) 'سامی' اور 'ہند آریائی' پھر یہ دو خاندان چھوٹے بڑے بہت سے کنبوں اور گھرانوں پہ مشتمل ہیں۔ 'سامی' خاندان میں زبانوں کے تین بڑے گھرانے ہیں۔

(۱) "ارامی"۔ یہ شام، عراق، قدیم بابل اور نینوا کی زبان تھی۔ اس کی دو بولیاں ہیں۔ 'سریانی' اور "کلدانی" ان بولیوں میں خفیف سا فرق ہے۔ "جرجی زیدان" کا بیان ہے (۲) کہ بابل کی قدیم زبان اول اول آرامی کہلاتی تھی۔ کچھ مدت کے بعد جب یہ بدل گئی تو اس کا نام "کلدانی" ہوا اس کے بعد یہی "سریانی" کہلائی۔ اس کی دو شاخیں ہیں۔ ایک 'غربی سریانی' دوسرے 'شرقی سریانی'۔ قدیم ارامی میں لکھے ہوئے کتبے 'بابل' اور 'اشور' کے کھنڈروں میں ملتے ہیں۔

(۲) "عبرانی": 'یہود' کی مقدس اور مذہبی زبان ہے ان کے مذہبی نوشتے اسی زبان میں ہیں۔ اس کی بھی دو شاخیں ہیں۔ فنیقی اور قرطاجنی' یہ دونوں شاخیں اب مردہ ہو چکی ہیں۔

(۳) "عربی"۔ یہ 'سامی' خاندان کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ زبان ہے۔ اسلام سے پہلے یہ جزیرہ نمائے عرب کی زبان تھی۔ لیکن اسلام کے بعد یہ دور تک پھیلتی چلی گئی اور وسط ہند سے لیکر جبل الطارق تک اور بحر اسود سے بحر عرب تک بولی اور سمجھی جانے لگی۔ حبشے کی قدیم زبان عربی ہی کی ایک شاخ تھی (۳) یہ زبان حبشیوں کی مذہبی کتابوں میں محفوظ ہے، ان کی موجودہ بول چال کی زبان امہری ہے۔ مشہور مستشرق

---

(۱) سائنس جلد ا لکچر ۵ (۲) سائنس صفحہ ۳۴ (۳) فلسفہ صفحہ ۱۲۔

ڈاکٹر واٹسن نے شمالی افریقہ کی بر بر بولیوں اور مصر کی قدیم زبان کو بھی آسی خاندان میں شمار کیا ہے (۱) میکس مولر کے خیال میں یہ امر ابھی مزید بحث و جستجو کا محتاج ہے۔

اس خاندان کی خصوصیات حسب ذیل ہیں (۲)

(الف) ان زبانوں میں اصل الفاظ یعنی مادے سہ حرفی ہوتے ہیں۔

(ب) اکثر الفاظ ان مادوں سے اس طرح بنتے ہیں کہ مادوں کی حرکات بدل جاتی ہیں اور اصل حروف بدستور جوں کے توں رہتے ہیں۔

(ج) اسماء کی اعرابی حالتیں محض حرکات کے بغیر سے ظاہر کی جاتی ہیں۔ اسے مثال سے سمجھئے۔ قتل عربی مادہ ہے اس سے حسب ذیل صیغے بنتے ہیں۔ قَتَلَ (اس نے قتل کیا) قُتِلَ (وہ قتل کیا گیا) قَتْلٌ (مار ڈالنا) قِتْلٌ (دشمن) قَتَّلَ (بہت سے قاتل) قَاتِلٌ (قتل کرنے والا) قَتِیْلٌ (مقتول) قتل الرجل المراۃ بالسکین (مرد نے عورت کو چھری سے مار ڈالا) اس جملے میں فاعلی حالت ـُ سے اور مفعول کو ـَ سے اور اضافی کو ـِ سے ظاہر کیا گیا ہے۔

ہند یورپی خاندان سب سے بڑا ہے۔ یورپ اور ایشیا کی اکثر بڑی اور اہم زبانیں اس میں شامل ہیں۔ یہ حسب ذیل آٹھ گھرانوں پر مشتمل ہے۔

---

(۱) بحوالہ سائنس جلد ا صفحہ ۳۲۴

(۲) للسو صفحہ ۱۶ و سائنس صفحہ ۳۲۵

(۱) "ٹیوٹانی" یا جرمانی اس کی چار شاخیں ہیں۔

(الف) لو جرمن، اس میں موجودہ انگریزی، اینگلو سیکسن (قدیم انگریزی) فریسین۔ ڈچ اور فلیمش شامل ہیں۔

(ب) ہائی جرمن، اس کے تین دور ہیں۔

۱۔ قدیم۔ ساتویں صدی سے بارہویں صدی تک

۲۔ متوسط۔ بارہویں سے پندرہویں تک۔

(ج) گوتھک: یہ اس گھرانے کی قدیم ترین زبان ہے۔

(د) اسکندری نیوین: سویڈن، ناروے، ڈینمارک، اور جزیرۂ آئس لینڈ کی زبانیں۔

(۲) اطالوی یا لاطینی: یہ گھرانا قدیم لاطینی سے تعلق رکھنے کی وجہ سے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ قدیم لاطینی، درحل، اور سرو کی زبان تھی۔ ویسے تو یہ لیٹلم میں بولی جاتی تھی لیکن بعد میں علمی اور ادبی زبان کی حیثیت سے یہ رومانی حکومت کے سارے علاقے پر چھا گئی۔ اس کی حسب ذیل پانچ شاخیں ہیں۔

(۲ الف) پراونسل: اطالیہ کے غنائی شاعروں کی زبان ا سے قدیم لاطینی اور اس گھرانے کی موجودہ زبانوں کے درمیان کی کڑی بتایا جاتا ہے۔ میکس مولر نے لسانی شہادتوں سے ثابت کیا ہے کہ ہرچند اس گھرانے کی یہ قدیم ترین زبان ہے مگر دوسرے افراد خاندان کو اس نے جنم نہیں دیا۔

(ب) فرانسیسی: فرانس کی بول چال کی نیز ادب کی زبان۔ اسمیں دسویں صدی عیسوی تک کا ادب ملتا ہے۔

(ج) 'اطالوی'۔ اٹلی کی موجودہ زبان' بارہویں صدی کے لگ بھگ اس میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع ہوا۔

(د) 'ہسپانوی'، اسپین کی زبان ہے ' اس میں بارہویں صدی سے رزمیہ شاعری کا آغاز ہوا۔

(ﮦ) پرتگال: پرتگال کی زبان۔

(۳) 'یونان': اس میں یونان کی قدیم علمی و ادبی زبان اور جدید یونانی بولیاں شامل ہیں' ہومر کی' ایلیڈ' اور 'اوڈیسی' قدیم یونانی زبان میں ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ رزمیہ نظمیں حضرت مسیح کی ولادت سے ایک ہزار سال پیشتر تصنیف ہوئیں۔

(۴) کیلٹک: یہ آدیاؤں کی کیلٹک شاخ کی طرف منسوب ہے۔ یہ گروہ سب سے پہلے ہجرت کر کے یورپ پہنچا۔ لیکن ٹیوٹانی گروہ نے اسے انتہائی غربی حصہ ملک کی طرف دھکیل دیا۔ اس کی بڑی بڑی شاخیں یہ ہیں۔ آئرش' اسکاٹ لینڈ کے مغربی ساحل کی گیلک' ویلش' کارنش' آرموریکن۔

(۵) سلاوی۔ یہ بولیاں بحر اسود کے شمال میں سارے روسی علاقے پر چھائی ہوئی ہیں۔ کچھ عالموں نے لتھوانی کو بھی اسی گھرانے کا ایک ایک فرد بنایا ہے۔ لتھوانی کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ہند آریائی زبانوں کی بہت سی قدیم شکلیں اصلی حالات میں باقی ہیں۔ لسانی اعتبار سے یہ بولی بہت اہم ہے۔ سلاوی کی دو شاخیں ہیں۔ مشرقی اور غربی۔ شرقی شاخ میں "روس"

اور اس کی مقامی بولیاں، بلغاری، اور الیریہ شامل ہیں، عربی شاخ پولینڈ، یوگوسلاویہ اور روشیا کی زبانوں پر حاوی ہے۔
(۲) البانوی: یہ زبان "سلاوی" گروہ کی "الیریا" شاخ میں شامل سمجھی جاتی تھی مگر یہ آس پاس کی تمام زبانوں سے مختلف ہے۔ اس لئے اس کا جدا گانہ ایک گھرانا قرار دیا ہے۔
(۷) ہندایرانی: یہ گھرانا ہندوستان کی سنسکرت، ایران کی قدیم فارسی اور ہندایرانی دردی یا پشاچی بولیوں پر مشتمل ہے۔ یہ گرئرسن کا نظریہ ہے۔ کچھ علماء نے دردی بولیوں کو ایرانی گروہ میں شامل کیا ہے۔ مسٹر بلاک فرماتے ہیں۔ ممکن ہے دردی بولیوں کو ہند و پاکستان کی شمالی مغربی پہاڑ کی زبانوں سمیت ایک جداگانہ ہندی گروہ میں رکھا جائے۔ ایک تیسرا نظریہ بھی ہے اور وہ یہ کہ دردی بولیاں قدیم آریائی بولیاں ہیں جن میں ایرانی بولیوں کی آمیزش پائی جاتی ہے۔

ایران کی زبان کے تین دور ہیں۔
(۱) قدیم فارسی یعنی زرتشت کی اوستا: اور ہخامنشی بادشاہوں کے کتبوں کی زبان ہے جو میخی رسم خط میں سنگی لوحوں، اور پختہ اینٹوں پر کندہ ہیں۔ یہ زبان رگ وید کی زبان سے بہت مشابہ ہے۔
(۲) پہلوی، درمیانی عہد کی زبان ہے۔ اوستا کی شرح ژند اور پازند اور بہت سے مذہبی رسالے اس زبان میں ہیں۔
(۳) جدید فارسی: عربوں کے فتح ایران کے بعد ایران میں جس زبان نے فروغ پایا وہ عربی آمیز جدید فارسی ہے۔ فردوسی کا شاہنامہ اسی زبان میں ہے۔
پشاچی ان آریا نسل کے قبائل کی زبان ہے جو ہمالیہ کے

پہاڑی علاقوں میں بس گئے تھے۔ کشمیری چترالی ''شنا'' کافرس زبان کی شاخیں ہیں۔ ہندوستان کی سنسکرت، پراکرت اور دوسری دیسی بولیوں پر دوسرے باب میں بحث کی جائے گی۔

(۸) آرمینی، آرمینیہ کی زبان ہے۔ اس پر فارسی کا گہرا اثر ہے یہ یورپ اور ایشیا کی زبانوں کے درمیان واقع ہے۔ جیز، وینشلے، اور میکس ولر نے ہرسینی، سرحد کی پشتو، کردستان کی، کردی، اور کوہ قاف کی اوسیتی کو ایرانی گھرانے میں شمار کیا ہے۔

زبانوں کے اس بڑے خاندان کے دو حصے کیے جاسکتے ہیں۔ شمالی اور جنوبی، شمالی حصے میں وہ تمام زبانیں شامل ہیں جو کسی زمانے میں یورپ میں بولی جاتی تھیں یا اب بولی جاتی ہیں۔

اس خاندان کی چند صرفی و نحوی خصوصیات کا ذکر بیجا نہ ہوگا۔

(۱) ان میں مادے ایک حرفی سے چہار حرفی تک ہوتے ہیں۔

(۲) عام طور پر لاحقے اور سابقے بڑھا کر اسماء و افعال کی گردان کی جاتی ہے۔

(۳) اسماء کی اعرابی حالتیں تین سے زیادہ ہیں اور یہ اکثر لاحقوں کی مدد سے ظاہر کی جاتی ہیں۔

ویسے تو صرف دو ہی خاندان ہیں جن کا ذکر سطور بالا میں کیا گیا مگر میکس مولر اور جان بیمز وغیرہ علماء نے ایک اور خاندان کا پتا بنایا ہے (۱) اور آریائی خاندان کے مقابلے میں اس کا نام تورانی گروہ تجویز کیا ہے۔ میکس مولر کا خیال ہے کہ سامی گروہ کی زبانوں میں وہ تورانی افراد خاندان کے درمیان دیکھ

گئی ہے۔ مگر اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہ زبانیں کسی نہ کسی درجے میں ایک دوسرے کی رشتہ دار ہیں۔ ان میں ایک مشترک صفت تو وہی ہے جس کا ذکر اوپر کیا گیا۔ یعنی ان زبانوں میں ترکیب کے وقت اصل الفاظ اور اشتقاقی علامتیں پہلو بہ پہلو رکھی ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ یعنی اعداد ضمائر، اور چند مادوں میں بھی گہری مماثلتیں دیکھی گئی ہیں (۲) جو ان زبانوں کی وحدت اصل کی طرف ہماری رہنمائی کرتی ہیں۔ یہ زبانیں دو حصوں میں بٹی ہوئی ہیں۔ شمالی اور جنوبی۔ شمالی حصہ کی زبانیں "یورال اشائی" کہلاتی ہیں۔ ان کی حسب ذیل چار بڑی شاخیں ہیں۔

(۱) تنگانسی (۲) منگولی (۳) ترکی (۴) فنی۔

(۲) منگولی

(۳) تیرکی

(۴) فنی

جنوبی حصہ کی زبانیں ایشیا کے جنوبی حصہ پر قابض ہیں یہ بھی چار شاخوں میں منقسم ہیں۔

(۱) تاموکی (۲) بھوٹیا (۳) تھائی (۴) ملائی۔

ان شاخوں میں سے ہر ایک میں بہت سی ضمنی اور تحتی بولیاں ہیں۔ تنگاسی کا دائرہ اقتدار چین سے شمال کی طرف سائبیریا تک چلا گیا ہے۔ اور مغرب کی جانب دریائے ٹنگسا تک۔ یہ زبان بولنے والے قبیلے دو حصوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ سائبیریا میں بسنے والے روسیوں کے زیر اقتدار ہیں۔ دوسرا حصہ چینی حکومت میں شامل ہے اور "منڈشو" کہلاتا ہے۔

منگولی قبائل تین گروہوں میں منقسم تھے۔ بریات، منگول، اور

کلموک ۱۲۰۶ء میں چنگیز خان نے اول اول ان کو ایک متحدہ قوم کی شکل دی اور منگول حکومت کی بنیاد ڈالی۔ منگول، ترک اور تنگاسی، قبیلے مل ملا کر بعد میں تاتاری کہلاتے ہوں۔ ان کی زبانیں چین سے لے کر دریائے وولگا تک کے وسیع علاقے پر اپنا قبضہ جمائے ہوئے ہیں۔

ترکی بہت اہم زبان ہے اس کی بولیاں لینا اور دریائے پولر سے لے کر ایڈریاٹک تک بولی جاتی ہیں ان میں عثمانلی شستہ اور ادبی زبان ہے فنی بولنے والے قبیلے یورال کے کوہستانی علاقوں میں آباد ہیں۔ اس لئے ان کی بولیاں یورالی کہلاتی ہیں۔ ان کی حسب ذیل چار شاخیں ہیں۔ چودی، بلگاری، پرمی، اگری۔

تورانی خاندان السنہ کی ان شمالی شاخوں میں تنگاسی سب سے کم ترقی یافتہ زبان ہے۔ اس کی گرامر چینی زبانوں کے درجہ ارتقا میں ہے منگولی کسی قدر ترقی یافتہ زبان ہے لیکن اس میں بھی اجزاء کلام کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا جاتا۔ ترکی اشتقاقی اور صرفی تغیرات کے پیش نظر ایک بڑے سرمایہ کی مالک ہے لیکن اسمار کی تصریف فنی شاخ میں ترکی سے زیادہ ہے۔ جنوبی شاخ کی زبانوں میں سے "تامولی" کے دو حصے ہیں۔

(الف) منڈا یا کول جس میں یہ بولیاں شامل ہیں۔

(۱) سنتھال (۲) کول (۳) گونڈ (۴) منڈل (۵) بھومج وغیرہ

ب:- دراوڑ جو ذیل کی بولیوں پر مشتمل ہے۔

(۱) کنڑی (۲) تلیگو۔

(۳) تامل (۴) ملیالم وغیرہ

بھوٹانی یا ہمالیائی بھوٹان اور نیپال کی بہت سی بولیوں کا ایک

زمرہ ہے۔ یہ بولیاں تبت کی بولیوں سے قریبی مشابہت رکھتی ہیں۔ تہائی یا سیاسی ہیں سیام کی تمام بولیاں شامل ہیں اور ملائی شاخ میں ملایا اور پولی نیشیا کی۔

تورانی زبانوں کے خاندان میں چین اور اس کے قرب و جوار کی دوسری زبانوں کو چھوڑ کر ایشیا کی تمام زبانیں اور بولیاں شامل ہیں۔ جاپان اور کوریا وغیرہ علاقوں کی زبانیں ابھی کسی خاندان میں شامل نہیں کی جاسکیں۔ مگر خیال ہے کہ یہ زبانیں تورانی خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ مزید بحث و جستجو کے بعد ممکن ہے ان میں وہ مماثلتیں ڈھونڈھ نکالی جائیں جو قطعی طور پر اس خاندان سے ان کا جوڑ لگا سکیں۔

ان تین بڑے خاندانوں کے علاوہ زبانوں کے کچھ اور زمرے بھی ہیں جو افریقہ، امریکہ اور آسٹریلیا میں بولی جانے والی زبانوں سے ترتیب دیئے گئے ہیں۔ ہم نے دو وجہوں سے ان کا ذکر نہیں کیا۔ ایک تو ان زبانوں کی گروہ بندی لسانی بنیادوں پر کچھ زیادہ مستحکم نہیں اور جغرافیائی اعتبار سے آس پاس کی زبانوں کے زمرے بنا دیئے گئے ہیں۔ دوسرے زبانوں کے کنبوں اور ان کی مخصوص ساخت کے لحاظ سے یہ سب زمرے تورانی گروہ میں شامل ہیں۔ تقسیم اللہجت۔ کی طرف اولین قدم جو اٹھایا جاسکتا ہے وہ یہ کہ زبانوں کے کنبوں کو دیکھ دیکھ کر اول ان کے زمرے بنائے جائیں۔ اس کے بعد صرفی، نحوی، صوتی اور لغوی مماثلتیں جن زبانوں میں دیکھی جائیں ان کو قبیلوں، خانوادوں، خاندانوں، اور گھرانوں میں بانٹ دیا جائے۔ اس مقدمہ میں زبانوں کی تقسیم کرتے وقت اس کا زیادہ خیال رکھا گیا ہے کہ ان

زمروں، گروہوں اور گھرانوں کا ذکر خصوصیت کے ساتھ تفصیل سے ہو جن سے زبانوں کے رشتوں، قرابتوں، اور میل جول کے اصول و قواعد کی وضاحت ہوتی ہے۔ باقی گھرانے اگر چھوٹ جائیں تو چنداں مضائقہ نہیں۔ اس سے ہمارے مقصد میں کوئی حرج واقع نہ ہوگا۔

ہند و پاکستان کی قدیم و جدید زبانیں

ہند و پاکستان کی زبانیں دو خاندانوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ جنوبی ہند کی تلیگو، ملیالم، کنڑی، تامل، دراوڑ گروہ میں شامل ہیں۔ کول سنتھال، گونڈ، منڈل منڈا گروہ کی ہیں۔ یہ سب تورانی خاندان سے ہیں بقیہ زبانیں ہند ایرانی خاندان کی ہیں۔ جو مل جل کر ہند آریائی گھرانے کی تشکیل کرتی ہیں۔

ہند آریائی گھرانے کی زبانوں کے تین بڑے عہد ہیں قدیم، متوسط اور جدید۔ عہد قدیم ۱۵۰۰ قبل مسیح سے شروع ہو کر ۵۰۰ قبل مسیح پر ختم ہوگیا اس عہد کی قدیم زبان ہند آریائی کہلاتی ہے جسے ہزار برس تک ترقی کرنے اور پھلنے پھولنے کے مواقع ملے اور اس میں بہت کچھ رد و بدل اور ترمیم و تبدیلی ہوئی۔ اس عہد کے ادبی سرمائے کے مطالعے سے اس زبان کی تبدیلیوں کے پیش نظر اس کے حسب ذیل تین دور قرار دیئے جا سکتے ہیں۔

(۱)

دور اول۔ رگ وید کی زبان، یہ ہندی آریوں کی قدیم ترین زبان ہے جس کے نمونے ہمیں رگ وید کی رچاؤں میں ملتے ہیں۔

(۲) دورِ دوم۔ دوسرے تین ویدوں اور برہمنوں کی زبان جو رگ
ویدکی زبان کے مقابلے میں زیادہ شائستہ اور مہذب ہے۔

(۳) دورِ سوم، پانینی، پتنجلی، وائیکرن کی زبان، جو ادبی سنسکرت کہلاتی ہے۔ سنسکرت کے لغوی معنی ہیں شائستہ، مہذب اور فصیح۔ ویدوں کی زبان عام بول چال کی زبان تھی جو روزانہ بات چیت میں برتی جاتی تھی۔ جب اس زبان کو ادبی درجہ حاصل ہوا اور اصلاح و تہذیب کے بعد اس کے اصول و قواعد مرتب ہوئے۔ تو روزانہ بول چال کی زبان سے ممتاز بنانے کے لئے اس کا نام سنسکرت رکھ دیا گیا۔

(۱) ڈاکٹر چیٹرجی نے ویدوں کی زبان کو اسی طرح کی ادبی اور علمی زبان بتایا ہے اور اسے کسی دوسری بول چال کی زبان پر مبنی ٹھہرایا ہے (۲) میرے خیال میں آریاؤں کی قدیم زبان ادب و فلسفہ کی زبان نہیں ہو سکتی اس لئے کہ اتنے قدیم زمانے میں اس کا امکان کم ہے کہ تمدنی ضروریات نے انھیں ایک ادبی اور معیاری زبان کی تشکیل پر مجبور کیا ہو۔ اس کے علاوہ وید آریوں کے گیت اور سادہ جذبات و خیالات کا آئینہ ہیں۔ جن میں سادہ اور فطری انداز میں مقدس دیوتاؤں کے گن گائے گئے ہیں۔ اس قسم کی تصنیف میں وہی زبان استعمال ہو سکتی تھی جسے ہر کس و ناکس سمجھ سکے اور جو روزانہ بول چال میں برتی جائے۔

---

(۱) مبادی پراکرت صفحہ ۲۲ و ساہتیہ صفحہ ۸ ۔۔۔

(۲) بنگالی جلد (۱) صفحہ ۳۴۳۔

اس کے علاوہ ویدوں کی زبان ادبی سنسکرت کے مقابلے میں عہد متوسط کی پراکرتوں سے زیادہ مشابہ ہے۔ یہ پراکرتیں اس زمانے میں جب سنسکرت شستہ اور علمی زبان کی حیثیت سے رائج کرتی تھی۔ عام بول چال کی زبانیں تھیں۔ ویدک زبان کی پراکرتوں سے مشابہت یہ ثابت کرتی ہے کہ کسی زمانے میں ویدک زبان بول چال کی زبان تھی اور پراکرتیں اس زبان کے تاریخی اور لسانی ارتقا کی مختلف کڑیاں ہیں۔ ویدک زبان اور پراکرتوں کی چند اہم اور نمایاں مشابہتیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

(۱) پراکرت کی طرح ویدوں میں اکثر آخر کے حروف صحیح ساقط کر دیئے گئے ہیں۔ مثلاً پشچات کی جگہ پشچا۔ اچات کی جگہ اُچا۔ پنچات کی جگہ نیچا اور میشمان کی جگہ یشما۔

(۲) مخلوط حروف میں سے کہیں ایک حرف گرا کر ماقبل حرکت کا اشباع کر دیا گیا ہے۔ جیسے درو بھ سے دوز بھ۔ ور ناش سے دو ناشس۔

(۳) اور کہیں ایک کو دوسرے سے الگ کر دیا گیا ہے جیسے تنُوہ تُنوہ۔ راتریا۔

(۴) وسرگ ہائے مختفی) نے۔ وُ کی شکل اختیار کر لی ہے جیسے سوجیت (سوہ جیت) سم وتسر و اجابت (سم وتسرو اجابت)

(۵) د، ڈ، ڈ سے اور ر، ل سے بدل گئی ہے جیسے دوڈبھ سے دلابھ (دبھ) کشتنگ (کشندرک)

(۶) "وہ" مخلوط "ح" سے بدل گیا ہے، جیسے اودھیوتی سے

اورچیوتنی۔

(۷) ور ساکن کر دیا گیا ہے۔ جیسے شرونا سے شہرنا۔

(۸) مخلوط ہائی حروف کا تخفیہ کر گیا ہے اور ہ باقی رہ گئی ہے۔

جیسے اہ (اوہ) گرہ (گرہد) سہ (سدہ)

رگ وید کی تالیف کے زمانے میں بول چال کی زبان کوئی کٹھالی اور ترشی ترشائی نہ تھی۔ اس وقت ایک سے زیادہ بولیاں رائج تھیں جو تھوڑے تھوڑے فرق کے ساتھ بولی جاتی تھیں۔ چیٹرجی کا خیال ہے کہ اس عہد کی کچھ بولیوں میں 'ر' اور 'ل' دونوں کا استعمال تھا اور کچھ ایسی تھیں جن میں صرف 'ل' استعمال ہوتا تھا۔ اسی طرح ان بولیوں میں کچھ کا رجحان یہ تھا کہ ان میں مخلوط ہائی حروف کو 'ہ' سے بدل دیا جائے۔ دوسری بولیوں میں اس کا رواج نہ تھا۔ بعض بولیوں میں 'ڈ' کو 'ڑ' سے ملتی جلتی ایک آواز میں تبدیل کر لیا جاتا تھا اور بعض بدستور 'ڈ' کا اصلی اور صحیح تلفظ کرتی تھیں۔ خود رگ وید میں یہ تمام رجحانات ملتے ہیں جو اس عہد کی مختلف بولیوں کے اثر کا نتیجہ ہیں۔ اس کے علاوہ اس زمانے میں 'دا' (دینا) کے جدا جدا دو روپ تھے۔ 'دواتی' (دیتا ہے) اور 'دتہ' (دیا ہوا) ویدک اور ادبی سنسکرت میں زیادہ عام اور زیادہ رائج تھے۔ ان کے ساتھ ہی غالباً۔ اسی زمانے میں 'داتی' (دیتا ہے) اور 'دتہ' (دیا ہوا) کا چلن بھی تھا (آخر کے یہ روپ ہماری جدید بولیوں تک پہنچے۔ اردو 'دے' اور 'دیا' اسی سے ماخوذ ہیں(۱)

---

(۱) بھاشا جلد ۱ صفحہ ۴۳۔

ڈاکٹر بھنڈارکر نے قدیم ہند آریائی زبان کے تین دور قرار دیئے ہیں دورِ اول ان کے نزدیک رگ وید کی "سنگھتا" یجروید کے "منتر" اور اتھر وید کے قدیم ترین حصّوں پر مشتمل ہے، دوسرے دور کو وہ درمیانی عہد کی سنسکرت کہتے ہیں جس میں برہمن یاسک منی کی لغت اور پانینی کی گرامر وغیرہ شامل ہیں۔ تیسرا دَور ادبی سنسکرت کا ہے۔ جو حسب ذیل ادبی کارنامے پر مشتمل ہے۔

(۱) رزمیہ نظمیں، راماین اور مہابھارت۔

(۲) قدیم شعرا کا کلام۔

(۳) ڈرامے۔

(۴) منظوم سمرتیاں، منوسمرتیاں وغیرہ۔

(۵) کاتیاین اور پتنجلی کے حواشی اور شرحیں۔

پانینی، کسی انشاد عیائی میں درمیانی عہد کی سنسکرت کی صرف و نحو بیان کی گئی ہے۔ کاتیاین، نے ادبی سنسکرت کے اصول و قواعد کی شرح و تفسیر کی ہے۔ سنسکرت کے آخری دَور کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مشتقات بطور افعال بکثرت استعمال ہوئے ہیں۔

(۱) عہد متوسط کا آغاز ۵۰۰ ق م سے ہوا جو ۱۰۰۰ء تک چلا اس عہد کی زبانیں پراکرت یعنی فطرتی اور فطری بولیاں کہلاتی ہیں۔ اس زمانہ میں آریاؤں کے ہند و پاکستان کے چپے چپے پر پھیل جانے کی وجہ سے ان کا باہم میل جول اور اختلاط و ارتباط بہت کم ہو گیا۔ اس لئے جو نقوش اس سے پہلے کسی قدر دھندلے تھے۔ وہ اس عہد میں آکر صاف ہو گئے۔

(۱) سنسکرت کے ऋ - ॠ - ऌ اور ॡ کا استعمال نہ رہا۔
(۲) آخر کے حروف صحیح اور وسرگ گرائے جانے لگے۔
(۳) مخلوط حروف صحیح میں حذف وادغام کے ذریعہ تخفیف کی جانے لگی۔
(۴) اسنانی حروف "ت"، "د" پرکو، "ٹ" اور "ڈ" سے بدل دیا گیا۔
(۵) श اور ष کی جگہ صرف "س" رہ گیا (مگدھی میں "س" کی جگہ "ش" بولا جاتا تھا۔ اور عام طور سے य کا "ج" سے تبادلہ ہو جاتا تھا۔
(۶) اس کے علاوہ اسماء وافعال کی گردانوں میں بھی بہت کچھ تخفیف ہوئی، اس عہد کی بولیوں کے حسب ذیل تین دور ہیں۔
(۱) دور اول، (۶۰۰ق.م سے ۲۰۰ء تک) اس عہد کی زبان اشوک پراکرت یا پالی کہلاتی ہے جس میں ذیل تالیفات اور کتبات شامل ہیں۔
(الف) تیسری صدی قبل مسیح سے لیکر دوسری صدی عیسوی تک کے سنگی اور آہنی کتبے اور تحریریں۔
(ب) جنوبی بودھوں کی تالیفات جیسے مہاونش اور جاتک وغیرہ۔
(ج) قدیم ترین جین سوتر۔
(د) قدیم ڈراموں مثلاً، اشوگھوش کی پراکرت (۱)

---

(۱) مبادی پراکرت صفحہ ۲۔

(۲) 'دورِ دوم' (سنہ تک) یہ دور زیادہ اہم ہے۔ اس میں بولیوں کا اختلاف اور زیادہ ہوا اور زبان نے ہندوپاکستان کے گوشے گوشے میں پھیل کر نئے نئے روپ اختیار کئے۔ اس دور کی جن بولیوں نے ادبی حیثیت اختیار کی اور ان میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ چلا وہ چار ہیں۔

(الف) (مہاراشٹری) یہ دکن میں بولی جاتی تھی اور اس علاقے کی زبان تھی جسے اب مہاراشٹر یا مرہٹہ واڑہ کہتے ہیں۔

(ب) "شورسینی" گنگا اور جمنا کے درمیان علاقے کی زبان تھی شورسین یعنی برج منڈل (متھرا اور اس کے نواح) میں بولی جانے کی وجہ سے اس کا نام شورسینی ہوا (۱)

(ج) 'ماگدھی'۔ مگدھ یعنی جنوبی بہار کی زبان۔ اس نے مشرقی ہند و پاکستان کے علاقوں میں فروغ پایا۔

(د) 'پیشاچی' پشاچ یعنی کچا گوشت کھانے والوں کی زبان، پشاچ کشمیر کے شمالی علاقے کو کہتے تھے برہت کتھا' اسی زبان میں ہے۔ یہ کتاب نایاب ہے۔ لیکن اس کا سنسکرت ترجمہ آج بھی ملتا ہے جو کشمیری پنڈتوں کا کیا ہوا ہے۔ اس زبان کو کشمیر کی قدیم بولی تصور کیا جاتا ہے۔ (۲)

'شورسینی' اور 'ماگدھی' کے ملاپ سے ایک اور پراکرت وجود میں آئی جو 'کوشل' (اودھ) کے علاقے میں بولی جاتی تھی۔ مارکنڈے'

---

(۱) ساہتیہ صفحہ ۱۵

(۲) ساہتیہ صفحہ ۱۸

نے اس زبان کو 'شورسینی' اور 'ماگدھی' کی آمیزش کا نتیجہ بتایا ہے۔ لیکن 'رکرمیشور' اسے 'مہاراشٹری' اور 'ماگدھی' کے درمیان کی چیز بتاتے ہیں اور یہی شاید صحیح ہے : اردھ، ماگدھی، شورسینی کے مقابلے میں مہاراشٹری سے زیادہ قریب ہے۔ (۱)

ان پراکرتوں میں، 'مہاراشٹری' کا درجہ اونچا بتایا جاتا ہے 'ولز' کا بیان ہے کہ قواعد نویس 'مہاراشٹری' کے اصول وقواعد لکھتے ہیں اور جہاں ضروری سمجھتے ہیں، دوسری پراکرتوں کی طرف اشارے کر جاتے ہیں، مہاراشٹری کسی زمانے میں گیتوں کی زبان تھی۔ سنسکرت ڈراموں کے گانے سب اسی زبان میں ہیں۔ اس زبان کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں کلمے کے درمیانی اور آخری حروف گر جاتے ہیں اور ان کی حرکات ان کی جگہ لے لیتی ہیں۔ حرکات کے تواتر اور تسلسل سے اس زبان میں کافی طرح اور شیرینی آگئی ہے، 'مہاراشٹری' کے بعد 'شورسینی' کا درجہ ہے، سنسکرت ڈراموں میں عورتیں عام طور سے اس زبان میں باتیں کرتی ہیں یہ ادبی سنسکرت سے بہت مشابہ ہے اس پراکرت کی ایک بڑی صوتی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ک، پ، ت، ترتیب 'گ' 'ب' 'د' سے بدل جاتے ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ کلمے کی درمیانی (ت) جو مہاراشٹری' میں گر جاتی تھی۔ یہاں 'د' ہو جاتی ہے چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

سنسکرت	شورسینی	مہاراشٹری	اردو
جاناتی	جاناوی	جاناتی	جانے

(۱) ساہتیہ صفحہ ۱۷۔

شہپا	نہبا	شہند	عشبتہ
شو	شا	شد	شت
یہ	اے آن	اے دن	اے نہ

ڈراموں کے ادنیٰ اور پست افراد ساگدھی میں بات چیت کیا کرتے تھے۔ 'س' کی جگہ 'ش' اور 'ر' کی جگہ 'ل' اس کا خاص رجحان ہے اکثر سنسکرت کی 'ی' اس میں اپنی حالت پر قائم رہتی ہے۔ 'شورسینی' میں یہ 'ج' سے بدل جاتی ہے۔ مفتوح الآواخر اسماء یہاں فاعلی حالت میں 'ے' پر ختم ہوتے ہیں اس باب میں یہ شورسینی سے مختلف ہے جہاں 'ے' کی جگہ 'و' دھوتا ہے مثلاً سو (وہ) راجا (شورسینی) سورا (مہاراشٹری) شے لاآ (ماگدھی) سہ راجا (سنسکرت) (۱)

اردھ ماگدھی ایک ملی جلی اور کھچڑی زبان ہے۔ مہاتما گوتم بدھ کی مادری زبان ہونے کی وجہ سے ایک زمانے میں اسے بڑا فروغ تھا۔ شیام سندر داس کہتے ہیں کہ گرنار، شاہباز گڈھی اور مانسہرے کے کتبات پر اس کی چھاپ دیکھی گئی ہے۔ (۲)

جینیوں کی قدیم مذہبی تحریریں اس زبان میں ہیں (۳) لیکن نظم کی زبان اور ہے اور نثر کی اور۔ نظم کی زبان مقابلتاً مہاراشٹری سے زیادہ قریب ہے (۱) ذیل کے اصولوں میں یہ ماگدھی سے مشابہ

---

(۱) مبادی پراکرت صفحہ ۶

(۲) ساہتیہ صفحہ ۱۲

(۳) مبادی پراکرت صفحہ ۸۵

ہے۔

مفرد، سمار، فاعلی حالت میں "و" سے پر ختم ہوتے ہیں۔ مادے کی آخر میں اگر "ر" ہے تو اسم مفعول میں "ت" کی جگہ "ڈ" ہوگی "ک"، اکثر "گ" سے بدل جاتا ہے۔ جیسے آسوگ (اشوک)، لیکن ماگدھی کی طرح "ر" کا "ل" اور "س" کا "ش" نہیں ہوتا۔ ذیل کی چند صوتی اور صرفی خصوصیات اسے مہاراشٹری سے ممتاز بناتی ہیں۔ مثلاً اس میں جن کی حروف اسنانی ہو جاتے ہیں۔ مثلاً چکنت ساونتے اچھا مفعول ثانوی حالت میں "آئے" آتا ہے جیسے دیوتائے (دیوتا سے)، آلی حالت میں "سا" جیسے "تپ سا" اور ظرفی حالت میں "سی" (میں) جیسے لوکسی (لوکسمن۔ لوک ے) اسی طرح یہ "شورسینی" سے بھی مختلف ہے جس کی تفصیل موجب تطویل ہے۔ (۲)

ڈاکٹر ہیورنے کا خیال تھا کہ ہندوستان کی آریائی زبانیں کسی زمانے میں صرف دو تھیں "شورسینی" اور "ماگدھی"۔ مہاراشٹری وہ مصنوعی زبان تصور کرتے تھے۔ مہاراشٹری بول چال کی زبان سے اس زبان کا ان کے نزدیک کوئی تعلق نہ تھا۔ گریرسن نے موجودہ بولیوں کے عمیق تقابلی مقابلے کے بعد عہد متوسط کی بولیوں کو مختلف علاقائی زبانوں میں تقسیم کیا ہے۔

(الف) اندرونی پراکرت شورسینی

(ب) بیرونی پراکرت مشرقی۔ ماگدھی۔

---

(۱) مبادی پراکرت صفحہ ۳۵

(۲) مبادی پراکرت باب دہم ملاحظہ فرمائیں۔

(ب) بیرونی پراکرت۔ جنوبی مہاراشٹری

(ج) درمیانی پراکرت اردھ ماگدھی

یہ تقسیم گرائرسن کے جس نظریہ پر مبنی ہے اس کا ذکر آئندہ کیا جائے گا۔ ڈاکٹر وولز کے نزدیک اردھ ماگدھی اگر دراصل کی زبان تھی جو کبھی وہاں بولی جاتی تھی تو صوتی اور لسانی اعتبار سے اسے 'نصف ماگدھی' اور 'نصف شورسینی' ہونا چاہیئے۔ حالانکہ 'اردھ ماگدھی' کا کینڈا شورسینی اور ماگدھی سے زیادہ سنسکرت سے قریب ہے۔ اس سلسلہ میں دو باتیں اس قابل ہیں کہ ان پر نظر رکھی جائے۔ اول یہ کہ یہ پراکرتیں جو اس وقت زیر بحث ہیں ادبی اور معیاری زبانیں تھیں۔ بول چال کی زبانیں ان سے الگ تھیں۔ دوسرے یہ کہ ادبی زبانیں ایک ساتھ وجود میں نہیں آئیں۔ مختلف اوقات میں منجھ منجھا کر ان زبانوں نے ادب اور علم کا درجہ حاصل کیا۔ اس لئے ان کو معصر اور ہمسر نہیں کہا جا سکتا۔ ڈاکٹر وولز کا قیاس ہے کہ 'اردھ ماگدھی' 'شورسینی' زیادہ قدیم ہے اور اغلب یہ ہے کہ وہ 'شورسینی' اور 'ماگدھی' کی ہیئت متعین ہو جانے کے بعد مدتوں گنگا کی وادی میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک ادبی اور مذہبی زبان کی حیثیت سے استعمال ہوتی رہی۔ جب جینی مذہب کا مرکز ثقل مغرب کی طرف منتقل ہوا تو 'اردھ ماگدھی' 'مہاراشٹری' رنگ میں ڈوب گئی۔ یہ رنگ جینیوں کی آخری عہد کی مذہبی تحریروں میں صاف جھلکتا ہے۔ (۱)

(۳) 'دور سوم'۔ (۶۰۰ء سے ۱۰۰۰ء تک) اس دور کی زبانیں'

---

(۱) مبادی پراکرت صفحہ ۶۹

'اپ بھرنش' کے نام سے موسوم ہیں۔ "اپ بھرنش" یا اپ بھرشٹ کے معنی ہیں بگڑا ہوا۔ یہ زبانیں چونکہ عام بول چال میں کام آتی تھیں۔ جنھیں عوام بازاروں، پینٹھوں اور میلوں ٹھیلوں میں بولتے تھے اس لئے یہ گری ہوئی اور بگڑی ہوئی سمجھی جاتی تھیں۔ اول اول گنوارو لفظوں کو 'اپ بھرنش' یا 'اپ شبد' کہا گیا۔ بعد میں وہ زبان جس میں یہ 'اپ شبد' استعمال ہوئے 'اپ بھرانشا' کہلائی۔ مشہور نحوی پتنجلی نے جو 'پانینی' کی گرامر کا شارح ہے 'اپ شبد' کے معنی بتاتے ہوئے لکھا ہے۔ 'اپ شبد بہت ہیں اور شبد تھوڑے ہیں۔ ایک شبد کے بہت سے اپ بھرنش ہوتے ہیں' جیسے گو کے لئے گاوی، گونی، گوتا، گوپوتلکا۔ یہ سب 'اپ بھرنش' ہیں (۱)۔ یہ تو پہلے ہی عرض کیا جا چکا ہے کہ دورِ دوم کی پراکرتیں بول چال کی زبانیں تھیں لیکن ان میں جب تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع ہوا تو ان میں سے چند منجھ منجھا کر اور اصول و قواعد کی پابندی میں جکڑ جکڑا کر ادبی درجے کو پہنچ گئیں۔ ان زبانوں کا ارتقا تو رک گیا مگر ان کی معاصر روزانہ بول چال کی زبانیں برابر ترقی کرتی رہیں۔ یہ زبانیں ادبی پراکرتوں کے مقابلے میں اور ان سے ممتاز بنانے کے لئے 'اپ بھرنش' کہلائیں۔ یہ اور بات ہے کہ ایک زمانہ ایسا آیا کہ بگڑی ہوئی زبانیں بھی بن سنور کر، پراکرتوں کے پہلو بہ پہلو ادب کی شائستہ اور شستہ زبان کی حیثیت سے جا بیٹھیں۔ 'اپ بھرنش' کی چند صوتی خصوصیات جو زیادہ عام اور زیادہ اہم ہیں درج ذیل ہیں۔

(۱) آخری م اور ن کو غنہ کرنا۔ جیسے سُنیں (واحد غائب) رہیں

---

(۱): مجلہ ساہتیہ صفحہ ۳۲

(واحد حاضر) بھتیوں (ہے ہو) نار (شہر)

(۲) ام، یہ، نیا ہی جو دسویں ہے۔ جیسے کنور (کمار) پھران (پرمان)۔

(۳) مخلوط حروف چکی تفیح کی تخفیف اور ماقبل حرکت کا اشباع جیسے سہاس = سہنس = ہاسر = بھولیں۔ بھتوس = بھوشیہ۔

(۴) حروف صحیحہ کا اسقاط جیسے اندھار (اندھکار) بھنڈار (بھانڈگار)

(۵) حرکات کی تخفیف۔ جیسے دریچ (دانجیہ) پیا (پتیا)

(۶) 'س' اور 'ش' کا 'ہ' ہوجانا۔

(۷) حروف مد 'ا' 'ی' 'ے' کا حرکات مناسبہ 'ے' 'ے' اور 'ے' سے بدل جانا۔ (۱)

ان کے علاوہ کچھ صوتی خصوصیات بھی ہیں۔ مثلاً اسمار کی گردان میں تخفیف ہوتے ہوتے صرف ایک گردان رہ گئی۔ اعرابی حالتوں کا اظہار جداگانہ اور مستقل امدادی کلمات سے کیا جانے لگا۔ جو اسم کی اضافی یا کسی اورحالت پر جوڑے جاتے تھے۔ ان میں سے چند یہ ہیں۔ کر (کا) کن (پاس) مد (میں) لگہ یا کچھ (کے پاکو) ٹھام یا ٹھاں (پر) انت یا انتر (اندر۔ میں) افعال کی گردان معاون فعلوں کی مدد سے ہونے لگی۔ جن میں سے چند یہ ہیں۔ اہنت (ہیں) ست۔ (ہیں) ٹھکیہ دیا وغیرہ۔ اسم مفعول کا ماضی مجہول کے لئے استعمال بعض اسمار کے آخر میں الحاقی حروف اور کلمات مثلاً 'ڑ' ال، آل، ک وغیرہ کا اضافہ۔ (۱)

لفظ اپ بھرنش مقامی بولیوں (دیش بھاشا) کے لئے مستعمل

---

(۱) مبادی پراکرت صفحہ ۸۰ و بنگالی صفحہ ۱۹۔

تھا اس کا ذکر ڈاکٹر 'ولز' نے بھی کیا ہے (۲) اپ بھرنشیں بہت تھیں۔ ہر پراکرت کی 'اپ بھرنش' جدا جدا تھی جیسے بڑ۔ 'اپ بھرنش' کا ذکر تو قدیم صوفیوں نے کیا ہے، ماگدھی، مہاراشٹری (۱) ہمارے کام آتی تھیں اور اردھ ماگدھی علاقوں میں اپ بھرنشیں رائج تھیں جو ان ازمنہ میں تھے اس لیے مدتوں کے تاریخی ارتقا اور صوتی و لسانی تبدیلیوں کی وجہ سے وجود میں آئیں۔ ڈاکٹر 'ولز' کا بیان ہے کہ 'شورسینی' پراکرت کے کئی روپ تھے جو 'متھرا' کے نواح میں رائج تھے۔ یہ روپ 'شورسینی' اپ بھرنش کہلاتے تھے۔ 'شورسینی' پراکرت خاص 'متھرا' کی زبان تھی؛ یہ ادبی علمی اور معیاری سمجھی جاتی تھی۔ اس طرح ہر ادبی پراکرت کا تعلق بہت سی بول چال کی زبانوں سے تھا، اور یہ سب زبانیں 'اپ بھرنش' کہلاتی تھیں۔ یہ زبانیں صرف بول چال میں کام آتی تھیں۔ ان میں کبھی کوئی ادب پیدا نہیں ہوا اس لئے قدیم صوفیوں کی نظر ان پر نہیں پڑی۔ 'مارکنڈے' نے اپنی مشہور تصنیف 'پراکرت سروسو' میں صرف تین اپ بھرنشوں کا ذکر کیا ہے۔ ناگر، اپ ناگر، اور دراچڈ ؛ یعقوبی کا خیال ہے کہ 'دراچڈ' ان میں زیادہ قدیم ہے۔ وہ دراچڈ کو دروح سے ماخوذ مانتے ہیں۔ جس کے معنی ہیں گوالوں کا مسکن ؛ برج بھاشا کے نام سے اس اشتقاق کی تائید ہوتی ہے۔ یہ بولی، مارکنڈے کے خیال میں سندھ میں بولی جاتی تھی۔ 'ولز' کی رائے ہے کہ آبھیر بھاشا (اہیروں کی بولی) یہی ہے۔ اس کی ایک لسانی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں حروف صحیح کے بعد

---

(۱) مبادی پراکرت صفحہ ۸ و بنگالی صفحہ ۱۹

(۲) مبادی صفحہ ۸۲

'ر' کا الحاق کر دیا جاتا ہے۔ ناگر (شہری) اپ بھرنش کسی قدر شائستہ شستہ اور مہذب زبان تھی جو دسویں صدی سے چودہویں صدی تک جب جدید بولیاں کافی ابھر چکی تھیں، 'ناگرجی' علاقوں میں بھی علمی اور ادبی مقاصد کے لئے استعمال ہوتی رہی۔ (۱) ہیم چندر نے اسی زبان کے قواعد و اصول بیان کئے ہیں۔ یہی شورسینی اپ بھرنش کہلاتی ہے اور اسی کو قدیم ہندی کی اصل بتایا جاتا ہے۔ یعقوبی نے اس کی دو شاخیں بتائی ہیں۔ ایک گرجر (گوجری) اپ بھرنش جسے شوتیامبر جینی استعمال کرتے ہیں۔ دوسری شمالی اپ بھرنش۔ 'بھوسیت' کہا اسی بولی میں ہے۔ یہ ڈیگر جنہوں کی زبان ہے۔

ماپ ناگر 'شیام سندر' کی رائے میں مغربی 'راجپوتانے' اور جنوبی پنجاب کی زبان ہے جو 'سندھ' کی 'وراچڈ' اور راجستھانی ناگر کے میل جول سے وجود میں آئی (۲) ڈاکٹر 'ولز' اسے دیہات کی بولی بتاتے ہیں (۳) اور شاید یہ صحیح بھی ہے۔ اس لئے کہ اپ بھرنش زبانوں کی یہ 'تقسیم' جہاں تک قیاس کا تقاضا ہے کسی ایک معیاری ادبی زبان کے مختلف روپوں کو سامنے رکھکر کی گئی ہے۔ اس عہد کی ادبی اپ بھرنش کے تین لہجے تھے۔ ایک خاص شہری۔ یہ سب سے زیادہ شستہ اور فصیح تھا جیسے دہلی کی اردوئے معلی۔ دوسرا لہجہ کسی قدر کرخت اور اکھڑ تھا۔ یہ گنواروں اور ان پڑھ لوگوں کا تھا۔ ان دونوں کے اختلاط سے ایک اور درمیانی لہجہ وجود میں آیا۔ اس کا نام اپ ناگر رکھا گیا۔ اپ بھرنش کو اوہتھ بھی کہا گیا ہے۔ اوہتھ سنسکرت

---

(۱) بنگالی ج صفحہ ۹۱ (۲) مبادی پراکرت صفحہ ۸۱۔

(۳) ساہتیہ صفحہ ۱۴

اپ بھرشٹ کا بگڑا ہوا روپ ہے۔ اپ بھرشٹ = اوبھٹھ = اوہٹھ : میتھلا کے مشہور شاعر ودیاپتی کا کلام 'اوہٹھ' لہجے میں ہے۔ "شیام سندر داس" نے 'اوہٹھ' کو "شورسینی" اپ بھرنش کا جدید روپ اور درمیانی عہد کی ہندی (برج) اور شورسینی اپ بھرنش کے درمیان کی ایک کڑی بتایا ہے۔ (۱)

'راجپوتانے' کے علاقے میں اوہٹھ کو 'پنگل' کہا جاتا تھا اور وہاں کے بھاٹ مقامی بولی 'ڈنگل' کے ساتھ ساتھ پنگل گیت بھی لکھتے تھے۔ اوہٹھ کی مثالیں "پراکرت پنگل" میں ملتی ہیں یہ اپ بھرنش اور جدید آریائی بولیوں سے متعلق عروض کی کتاب ہے۔

دیس دیس کی بولیاں الگ الگ تھیں۔ اور یہ سب روزانہ بول چال میں استعمال ہونے کی وجہ سے اپ بھرنش کہلاتی تھیں۔ اس کا ذکر 'رودرٹ' نے بھی کیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

(۲) "بھور بھیدو دیش وشیشا د اپ بھرنشہ" (مقامی خصوصیات کی وجہ سے ملک ملک کی بولی جدا ہے۔ اور یہ سب اپ بھرنش کہلاتی ہیں) 'مارکنڈے' نے جن اپ بھرنشوں کا ذکر کیا ہے وہ ادب اور فن کی زبانیں ہیں۔ بول چال کی زبانیں ان سے مختلف تھیں اور جیسا کہ میں نے عرض کیا یہ بہت تھیں۔

آریائی زبانوں کا آخری عہد جسے میں نے 'عہد جدید' کہا ہے گیارہویں صدی عیسوی سے شروع ہوا۔ یہ زمانہ ہندوستان کی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ سیاسی اعتبار سے بھی۔ یہ تو عرض کر چکا ہوں کہ پراکرت عہد میں

---

(۱) ساہتیہ صفحہ ۲۸ و بنگالی صفحہ ۱۱۳

(۲) بحوالہ ساہتیہ صفحہ ۲۷

جوں جوں آریا قبائل ہندوستان کے طول و عرض میں پھیلتے گئے۔ ان کی زبانوں میں اختلاف رونما ہوتا گیا۔ اس عہد کے ختم ہوتے ہوتے ہر پردیس کی بولی الگ ہو گئی۔ یہ سب بولیاں آپ بھرنش کہلائیں۔ دسویں صدی عیسوی کے لگ بھگ یہ بولیاں اتنی ابھر آئی تھیں اور اُن کے خط و خال اتنے نمایاں ہو گئے تھے کہ وہ جداگانہ اور مستقل زبانوں کی حیثیت اختیار کر چکی تھیں۔ کچھ اسی لئے گیارہویں صدی عیسوی کو عہد جدید کا نقطۂ آغاز قرار دیا گیا ہے۔

'ہیور نلے' اور 'گریرسن' نے ہند پاکستان کی جدید زبانوں کے دو بڑے گروہ قرار دیتے ہیں۔ اندرونی اور بیرونی۔ اندرونی گروہ کی دو شاخیں ہیں۔ ایک مغربی جو حسب ذیل چار زبانوں پر مشتمل ہے، 'مغربی ہندی'، 'راجستھانی'، 'گجراتی'، اور 'پنجابی'۔ دوسرے شمالی جس میں 'مغربی پہاڑی'، 'وسطی پہاڑی' اور 'شرقی پہاڑی' یا 'نیپالی' شامل ہیں۔ بیرونی گروہ کی تین شاخیں ہیں۔ شمالی مغربی، جنوبی، اور مشرقی۔ شمالی مغربی زبانیں چار ہیں۔ 'کشمیری'، 'کوہستانی'، 'مغربی پنجابی'، 'لہندا' اور 'سندھی'۔ جنوبی شاخ کی تنہا نمائندہ زبان 'مرہٹی' ہے۔ شرقی شاخ میں چار زبانیں ہیں۔ 'بنگالی'، 'آسامی'، 'بہاری' اور 'اڑیا'۔ اندرونی اور بیرونی زبانوں کے درمیان ایک زبان اور بھی ہے جو ان دونوں گروہوں کے ملاپ کا نتیجہ ہے۔ اس میں کچھ خصوصیات پرانے گروہوں کی ہیں اور کچھ اندرونی گروہ کی۔ اس کا نام مشرقی ہندی ہے۔

اس خیال کی بنیاد ایک نظریئے پر ہے جسے سب سے پہلے ہیورنلے نے پیش کیا اور گریرسن نے ایک معمولی سی ترمیم کے بعد اسے قبول کر لیا۔ وہ نظریہ یہ ہے کہ آریا قبیلے دو مرتبہ ہندوستان میں داخل ہوئے۔ پہلی مرتبہ جو قبیلے ہندوستان آئے وہ گنگا کی وادی میں آ کر ٹھہر گئے۔ اور مدتوں

اس ولی کے علاقے میں فروکش رہے۔ ان کے بعد دوسری بار جو قبائل آئے انہوں نے اس علاقے میں انہیں بسنے نہ دیا اور مغرب، مشرق، نیز جنوب کی طرف دھکیل دیا۔ بیرونی زبانیں ان قبائل کی ہیں جو سب سے پہلے ہجرت کر کے ہندوستان آئے۔ اندرونی زبانیں بعد میں آنے والے فاتح گروہ کی ہیں۔ اس نظریئے کی تائید و حمایت میں یوں بھی تو بعض تاریخی شہادتیں ہیں۔ لیکن اس کی تمام تر بنیاد لغوی اور لسانی دلائل پر ہے۔ ڈاکٹر چٹرجی نے اپنی کتاب میں اس نظریئے پر تفصیلی بحث کے بعد گریرسن کے پیش کردہ تمام لسانی دلائل کو رد کر دیا ہے۔

ہیورنلے لکھتے ہیں کہ آریا قبائل سب ایک زبان بولتے تھے۔ لیکن اس کے لہجے ایک سے زیادہ تھے۔ یہ لہجے ایک دوسرے سے کسی قدر مختلف تھے۔ ہیورنلے نے ماگدھی اور شورسینی دو قدیم لہجے اس زبان کے بتلائے ہیں جو غالباً اس کے نزدیک، اس وقت رائج تھے جب آریا قبیلے ہندوستان آئے۔ ان میں سے ماگدھی کو ہیورنلے زیادہ قدیم بتاتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ پہلا آریا گروہ جو ہندوستان آیا وہ ماگدھی بولتا تھا۔ دوسرے گروہ کی زبان 'شورسینی' تھی۔ (۱)

اس لئے تقاضائے قیاس یہ ہے کہ اندرونی زبانیں 'شورسینی' کی پیداوار ہوں اور بیرونی زبانیں ماگدھی کی۔ شیام سندر داس نے ایک بیچ کی راہ نکالی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ کم سے کم اتنی بات صحیح ہے کہ مشرقی زبانوں کا کینڈا مغربی زبانوں سے الگ ہے۔ صوتی اعتبار سے بھی اور صرفی اعتبار سے بھی۔ مشرقی زبانوں کا عام رجحان یہ ہے کہ ان میں سنسکرت 'س' کی جگہ 'ش' بولا جاتا ہے اور ماضی بطور معروف استعمال ہوتی ہے مغربی گروہ کی زبانوں میں 'س' اور 'ش' دونوں ہیں اور ماضی بطور مجہول مستعمل

ہے۔ مشرقی زبانوں میں ماضی جنس و عدد میں فاعل کے مطابق ہوتی ہے اور مغربی زبانوں میں مفعول کے مطابق۔

الف۔ مغربی زبانیں

۱۔	مغربی ہندی	میں نے پوتھی پڑھی
۲۔	مرہٹی	میں پوتھی واچلی
۳۔	گجراتی	میں پوتھی واچی
۴۔	سندھی	پوتھی پڑھی۔ مے
۵۔	مغربی پنجابی	پوتھی پڑھیم

پڑھی، واچی، واچلی، یہ سب مؤنث کے صیغے ہیں جو پوتھی کی رعایت سے لائے گئے ہیں۔ پوتھی ترکیب میں مفعول یہ ہے۔ سندھی اور پنجابی میں فاعل کی ضمیر فعل کے آخر میں لگائی گئی ہے۔ یہ غالباً فارسی کا اثر ہے۔

ب۔ مشرقی زبانیں

۱۔	مشرقی ہندی	میں پوتھی پڑھیوں
۲۔	بھوجپوری	ہم پوتھی پڑھ لیں

۳۔	مَتھیلی	ہم پڑھتی پڑھوں
۴۔	بنگالی	آمی پوتھی پڑھولام
۵۔	اُڑیا	آمے پتھی پڑھولوں (۱)

ان میں مفعول کی کوئی رعایت نہیں کی گئی۔ فعل فاعل کے مطابق ہے۔ اس کے علاوہ کچھ اور صوتی اور صرفی خصوصیات بھی ہیں جو مشرقی زبانوں کو مغربی گروہ کی زبانوں سے ممتاز بناتی ہیں۔ ان خصوصیات کا ذکر گریرسن نے "بہاری گرامر" کی پہلی جلد میں تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔ ان میں سے چند یہ ہیں۔

(۱) لسانی نصف حروف علت مشرقی زبانوں میں اسانی ہوجاتے ہیں 'ڑ' 'ر' ہوجاتی ہے۔ جیسے پڑنا (اردو) پرب (بہاری) 'ل' کبھی 'ر' سے بدل جاتا ہے جیسے پھل (اردو) پھر (بہاری) گالی (اردو) گاری (بہاری) اور کبھی 'ن' سے جیسے لنگوٹ سے ننگوٹ۔

(۲) مشرقی زبانوں میں 'ی' اور 'ر' شروع کلمے میں نہیں آتے۔ جیسے یہ (اردو) اے (بہاری) وہ (اردو) او (بہاری) یہاں (اردو)۔ اِهاں (بہاری) وہاں (اردو) اُهاں (بہاری)۔

(۳) مشرقی زبانوں میں دو حروف علت کا اجتماع جائز سمجھا جاتا ہے۔ آار (اور) آایسا (ایسا)۔ (۲)

زیادہ صحیح اور زیادہ معقول گروہ بندی جدید زبانوں کی یہ ہے کہ تمام

---

(۱) ہندی بھاشا اور ساہتیہ صفحہ ۳۳

مشرقی زبانوں کا ایک گروہ قرار دیا جائے اور ان کو ماگدھی پراکرت کے حلقۂ اثر میں رکھا جائے۔ اور ہند و پاکستان کی باقی تمام آریائی زبانوں کا ایک الگ زمرہ بنا کر ان کو شورسینی پراکرت سے ماخوذ یا متاثر بتایا جائے ہیورنلے کی گروہ بندی کا ماحصل بھی شاید یہی تھا۔ اس نے ماگدھی حلقہ اثر کی زبانوں کو بیرونی اور شورسینی سے متاثر ہونے والی زبانوں کو اندرونی کہا تھا۔ لیکن یہ تحقیق کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ لہندا اور سندھی ماگدھی سے زیادہ قریب ہیں یا شورسینی سے۔ ڈاکٹر چیٹرجی نے جدید زبانوں کی تقسیم اور اُن کی گروہ بندی ذیل کے طریقے سے کی ہے۔ (۲)

الف شمالی مغربی زبانیں

۱۔ 'لہندا' (مغربی پنجابی) (۲) سندھی'

(ب) درمیانی علاقے کی زبانیں

۱۔ مغربی ہندی' (۲) 'پنجابی' (۳) 'راجستھانی' (۴) گجراتی۔

(ج) مغربی زبان 'مرہٹی'۔

(د) مشرقی زبانیں

۱۔ 'بنگالی' (۲) 'بہاری' (۳) 'آسامی' (۴) 'اڑیا'۔

(ھ) شمالی زبانیں۔ نیپالی' اور دوسری پہاڑی زبانیں

(و) مخلوط زبان۔ مشرقی ہندی۔

---

(۲) بنگالی زبان کا آغاز و ارتقاء جلد ا صفحہ ۳۳ (۱) بہاری گرامر جلد ا۔

یوں تو 'لہندا' اور 'سندھی' میں بھی ماضی مطلق کے ساتھ ضمیر متصل استعمال ہوتی ہے، اور اس لحاظ سے وہ مشرقی زبانوں کی ہم نوا ہیں۔ لیکن یہ خصوصیت غالباً ان زبانوں میں 'پے شاچی' بولیوں کے اثر سے پیدا ہوئی۔ 'فارسی' اور 'پشتو' وغیرہ زبانوں میں بھی، جو 'لہندا' اور 'سندھی' کے پڑوس میں بولی جاتی ہیں۔ فاعل کی ضمیر عام طور پر فعل کے ساتھ مل جل کر استعمال ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ایک صرفی خصوصیت ایسی ہے جو شمالی غربی زبانوں کو مشرقی زبانوں سے ممتاز بناتی ہے۔ ثانی الذکر زبانوں میں ماضی مطلق بنانے وقت ایک 'ل' اضافہ کر دیا جاتا ہے جیسے اُٹھنا سے اٹھیل بنگالی۔ اُٹھل (بہاری) اٹھل (آسامی) اٹھیلا (اڑیا) یہ الحاقی 'ل' مرہٹی' میں بھی ہے۔ لیکن 'سندھی' اور 'لہندا' میں ناپید ہے۔

اس لیے اس سے قطع نظر کہ جدید آریائی زبانوں کا ماخذ کیا ہے۔ ان کی بعض صرفی اور صوتی خصوصیات کے پیش نظر ان کو ذیل کے تین زمروں میں بانٹا جا سکتا ہے۔

الف۔ پے شاچی یا دردی زمرہ۔

(۱) کشمیری (۲) کوہستانی (پشتو وغیرہ) (۳) لہندا۔ (۴) سندھی۔

ب۔ شورسینی زمرہ۔

(۱) مغربی ہندی (۲) راجستھانی (۳) پنجابی (۴) گجراتی۔ (۵) پہاڑی۔

ج۔ ماگدھی زمرہ۔

(۱) بنگالی (۲) آسامی (۳) بہاری (۴) اڑیا (۵) مرہٹی۔ 'مشرقی، ہندی' شورسینی اور ماگدھی۔ زمروں کے درمیان کی زبان ہے۔ جس میں ایک طرف مشرقی زبانوں کی کچھ خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ اور دوسری طرف مغربی زبانوں کی۔ ہمسایہ زبانیں فطری طور پر ایک دوسرے کو متاثر کرتی رہی ہیں۔ ان

کی باہمی مماثلت اور بعض خصوصیات میں شرکت کی وجہ یہ نہیں کہ ان کی اصل ایک ہے اور وہ سب ایک زبان سے متفرع ہوئی ہیں۔ بلکہ وہ پڑوس میں بولی جانے والی زبانیں ہیں جنہیں ساتھ ساتھ ترقی کرنے کے مواقع ملے۔ متحد الاصل زبانوں کی ساخت، ان کا کینڈا اور ان کا نظام ایک جیسا ہوتا ہے لیکن چونکہ وہ ایک دوسرے سے الگ اور مختلف ماحول و حالات میں نشوونما پائی ہیں۔ اس لیے اس بنیادی اتحاد کے باوجود بہت سے اصول و قواعد میں وہ ایک دوسرے سے مختلف ہو جاتی ہیں۔ اور آس پاس کی زبانوں سے بعض صرفی و نحوی خصوصیات لے کر وہ کچھ سے کچھ بن جاتی ہیں۔ مثلاً 'بہاری' بولیوں کے لیجیے جو 'ماگدھی' کی بیٹیاں اور بنگالی، آسامی، وغیرہ کی بہنیں ہیں۔ ماگدھی کی دو بڑی خصوصیتیں تھیں۔ ایک یہ کہ "سنسکرت" 'س' کا تلفظ اس میں 'ش' کیا جاتا تھا۔ دوسرے 'ر' کو ہر جگہ 'ل' سے بدل دیا جاتا تھا۔ (۱) ماگدھی کی ان دونوں خصوصیتوں کا آج یہ حال ہے کہ 'بہاری' میں 'س' کا تلفظ بدستور 'س' ہوتا ہے "اگرچہ کیتھی رسم خط میں لکھا۔ اب تک 'ش' ہی ہو جاتا ہے"۔ اور 'ل' جو کبھی 'ر' کا قائم مقام تھا اس درجہ مکروہ سمجھا جاتا ہے کہ یا تو 'ر' کا روپ اختیار کر لیتا ہے۔ جیسے گاری (گالی)، پھر (پھل) یا 'ن' کا جیسے نگوٹ (لنگوٹ) اس کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ 'بہاری' اپنے ارتقائی دوروں میں پڑوس کی زبان ہندی سے متاثر ہوتی رہی ہے۔

'پیشاچی' زمرے کی زبانوں میں 'لہندا' مغربی پنجاب کی زبان ہے۔ جو راولپنڈی، سرگودھا، ملتان اور بہاول پور کے علاقوں میں بولی جاتی ہے۔ یہ صرفی و نحوی قواعد اور سرمایۂ الفاظ دونوں اعتبار سے پنجابی سے مختلف ہے اور 'سندھی' سے کسی قدر ملتی ہے۔ 'سندھی' صوبۂ

سندھ کی زبان ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی اصل 'وراچڈ' اپ بھرنش ہے۔

'ماگدھی' طبقے کی زبانوں میں 'بنگالی' شائستہ اور ترقی یافتہ زبان ہے جو اُڑلیہ کی زبان 'اڑیا' کی بہن ہے۔ کم سے کم مشرق کی تین زبانیں صوتی اور صرفی اعتبار سے اس درجہ ایک دوسرے سے مشابہ ہیں کہ ان کو 'ماگدھی' کی اولاد سمجھا جاتا ہے۔ ویسے تو 'بہاری' کا تعلق بھی اس گھرانے سے ہے لیکن یا تو پڑوس کی زبانوں کے زیر اثر یا کسی اور وجہ سے بہاری بولیاں بہت سی صفات میں مغربی گروہ کی زبانوں سے بہت ملتی ہیں؛ 'بہاری' کی تین بڑی بولیاں یہ ہیں۔

الف۔ 'میتھلی'، یہ متھلا یا ترہت کی بولی ہے۔ لیکن اس کا اصلی حلقہ اثر دربھنگہ اور اس کے مضافات ہیں۔ مشہور شاعر ودیاپتی اسی علاقہ کا تھا۔

ب۔ 'مگہی'۔ جنوبی بہار کی زبان۔ ہزاری باغ، پٹنہ، گیا، اور بھاگل پور اس کے مختلف مرکز ہیں۔ یہ علاقہ کسی زمانے میں مگدھ دیش کہلاتا تھا۔ ماگدھی پراکرت یہیں کی زبان تھی۔ یہ دونوں بولیاں مشرقی بہار کی ہیں۔

---

(۱) ماگدھی بولنے والے سارس کو شاہش اور پرش کو پاش کہتے تھے۔

(۲) ساہتیہ صفحہ ۳۹

ج۔ بھوجپوری۔ یہ بولی پہلی دو بولیوں سے مختلف ہے اور اس کا حلقہ اثر بھی زیادہ وسیع ہے۔ یہ مغربی بہار اور یو۔ پی کے مشرقی اضلاع میں بہت ہی معمولی سے فرق کے ساتھ بولی جاتی ہے۔ مشرق اور مغربی زبانوں کے درمیان یہ بولی حلقہ اتصال کی سی حیثیت رکھتی ہے۔ مشرقی زبانوں کی دو بڑی صوتی خصوصیات ہیں۔ 'س' کا تلفظ ان میں 'ش' کیا جاتا ہے۔ دوسرے 'ے' کو کچھ اس طرح ادا کیا جاتا ہے کہ وہ 'و' معلوم ہوتا ہے۔ ان میں سے پہلی خصوصیت تو بہار کی کسی بولی میں بھی نہیں پائی جاتی۔ اگرچہ تحریر میں جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا۔ 'س' کو 'ش' ہی لکھا جاتا ہے۔ دوسری خصوصیت بھی ہلکی ہوتے ہوتے بھوجپوری میں آکر بالکل مٹ گئی۔ 'بھوجپوری' میں 'ے' کا تلفظ مغربی علاقے کی طرح صاف اور واضح ——— ہوتا ہے۔ (۱) 'مرہٹی' کو میں نے مشرقی گروہ میں شمار کیا ہے۔ یہ ان مشابہتوں کی وجہ سے ہے جو اس میں اور مشرق کی زبانوں میں پائی جاتی ہیں۔ ان میں ایک بڑی مشابہت تو وہ ہے جس کا ذکر سطور بالا میں کیا گیا۔ یعنی ماضی مطلق بناتے وقت 'مرہٹی' میں "بنگالی" "آسامی" وغیرہ زبانوں کی طرح ایک 'ل' بڑھا دیا جاتا ہے۔ مثلاً اٹھیلا (وہ اٹھا) مشرقی زبانوں کی طرح مرہٹی میں 'س' کی جگہ 'ش' بولا جاتا ہے۔ اور ماضی میں ضمیر متصل فاعلی کا استعمال بھی دیکھا گیا ہے۔ جیسے گیلوں (میں گیا) گیلا (وہ گیا) 'وں' اور 'ے' ا' فاعل کی ضمیریں ہیں۔

"مرہٹی" کو مہاراشٹری' پراکرت سے ماخوذ بتاتا ہے۔ یہ جنوبی ہندوستان کی زبان آریائی زبان ہے۔ اس کی پانچ

بولیاں ہیں جو جنوبی ہندوستان کی آریائی زبان ہے۔ اس کی پانچ بولیاں ہیں جو بہت سے اہم اصولوں میں مرہٹی سے مختلف ہیں(۲) وہ بولیاں یہ ہیں۔

گواکی گونی، بالونی اور ساونت وادی ایک ہی بولی کے دو روپ ہیں۔

یہ مالون، ونکورلا اور ساونت وادی اضلاع میں بولی جاتی ہیں۔ دشسلتی، بمبئی اور جزیرہ سلسل کے باشندوں کی زبان ہے۔ وخاندیسی، جو مرہٹی اور گجراتی کی آمیزش سے بنی ہے خاندیس کے علاقہ میں بولی جاتی ہے۔ (۳)

شورسینی گروہ کی زبانوں میں گجراتی ایک طرح سے مخلوط زبان ہے جس میں اس گروہ کی زبانوں کی بعض خصوصیات کے ساتھ مرہٹی اثرات بھی ملتے ہیں۔

مثلاً :-

مرہٹی کی طرح اس میں جہاں تین جنسیں ہیں۔ وہاں ماضی

---

(۱) ساہتیہ صفحہ ۴۰
(۲) بھنڈارکر صفحہ ۱۲۰
(۳) ایضاً صفحہ ۱۲۰

متعلق میں اں کا اضافہ بھی کیا جاتا ہے۔ (۱) یہ 'گجرات' 'کاٹھیاواڑ' اور ریاست 'بڑودہ' کے علاقہ میں بولی جاتی ہے۔ 'گوجر' گوجر ایک قوم تھی۔ جو ہندوستان میں باہر آکر بس گئی تھی۔ 'گجرات' کا نام اسی قوم کے نام پر ہے۔ اس زبان کی ایک بڑی صوتی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مرکب حرکات 'آئے' اور 'آؤ' بہ ترتیب 'ا' سے اور 'او' سے بدل جاتی ہیں۔ (۲)

پہاڑی بولیاں تین زمروں میں منقسم ہیں۔

(۱) مشرقی پہاڑی' جسے نیپالی کہتے ہیں۔ یہ کھٹمنڈو کی نکھری ہوئی اور شستہ زبان ہے۔

(۲) وسطی پہاڑی۔ اس کے دو روپ ہیں۔ (الف) 'کمایونی' یہ الموڑے اور نینی تال میں بولی جاتی ہے۔ (ب) ریاست گڑھوال کی گڑھوالی۔

(۳) 'مغربی پہاڑی' شملہ اور اس کے نواح کی زبان۔ پہاڑی بولیاں راجستھانی بولیوں سے مشابہ بتائی جاتی ہیں۔

پنجابی۔ پنجاب کے مشرقی اضلاع کی زبان ہے جو 'گجرات' سے لیکر 'انبالے' تک بولی جاتی ہے، 'گریرسن' سب سے پہلا ماہر لسانیات ہے جس نے مشرقی پنجابی کو مغربی پنجابی سے الگ ایک زبان قرار دیا ہے۔ پنجابی اپنی ساخت اور قواعد کے اعتبار سے 'ہندوستانی'

---

(۱) بھنڈارکر صفحہ ۳۴۶

(۲) بیمز انتقالی گرامر صفحہ ۵۲-۵۰۔

یا "اردو" سے بہت قریب ہے (۱) لئے پروفیسر "شیرانی" مرحوم کو یہ شبہ ہوا کہ "اردو" کی اصل پنجابی ہے۔

"راجستھانی" جیساکہ اس کے نام سے ظاہر ہے، پورے راجپوتانے کی زبان ہے جو "مغربی ہندی" سے اتنی قریب ہے کہ "شیام سندر داس" وغیرہ علماء نے اس کو ہندی کی شاخ بتایا ہے۔ (۱) اس کی حسب ذیل چار بولیاں ہیں۔

الف :- میواتی، جو دلی اور "متھرا" کے قریب "میوات" میں بولی جاتی ہے۔

ب :- جے پوری، جے پور اور اس کے مضافات کی زبان۔

ج :- مارواڑی۔ بیکانیر، جودھپور، جیسلمیر وغیرہ ریاستوں کی زبان ہے اس پورے علاقے کا نام "مارواڑ" ہے۔

د :- مالوے کی زبان جو "مالوی" کے نام سے موسوم ہے۔ "میواتی" اور "مالوی" خالص بول چال کی زبانیں ہیں۔ ان میں کسی قسم کا ادب نہیں ملتا۔ ان میں "میواتی" پڑوس کی زبان "برج بھاشا" سے بہت ملتی ہے۔ اور "مالوی" بندیلی سے۔ مارواڑی ادبی زبان ہے۔ اس کا قدیم ادبی سرمایہ، جو مدحیہ نظموں اور گیتوں پر مشتمل ہے، "ڈنگل" کہلاتا تھا۔ مارواڑ کے بھاٹ جیساکہ اوپر بیان کیا گیا، "اودہنا (برج)" میں بھی گیت لکھتے تھے۔ ان کے یہ گیت "پنگل" کہلاتے تھے۔ ڈنگل اور پنگل دونوں کی دھن ایک ہی تھی۔ "جے پوری" کا شاعر "دادو دیال" خاصا مشہور ہے۔ مارواڑی اور "جے پوری"

---

(۱) ساہتیہ صفحہ ۸۲

گجراتی سے بہت ملتی ہیں۔

'مغربی ہندی' اس گروہ کی اہم زبان ہے۔ یہ 'وسط ہند' یا 'مدھیہ دیش' میں بولی جاتی تھی۔ جو قدیم زمانے سے علم، ثقافت اور شائستگی کا مرکز رہا ہے۔ اس کا دائرہ اثر مغرب میں 'سرہند' سے لیکر مشرق میں 'کانپور' تک اور شمال میں 'ہمالیہ' کے دامن سے جنوب میں 'کوہ بندھیاچل' تک چلا گیا ہے۔ اس کے شمال مغرب میں 'پنجابی' پہاڑی بولیاں رائج ہیں۔ اور جنوب و مغرب میں 'مرہٹی' اور راجستھانی اس کے مشرقی حدود پر 'مشرقی ہندی' کا تسلسل ہے۔ اس زبان کا نام 'مغربی ہندی' غالباً 'مشرقی ہندی' سے ممتیز کرنے کے لئے سب سے پہلے 'گریرسن' نے رکھا اور اس کو ذیل کی پانچ بولیوں میں تقسیم کیا۔

(۱) 'کھڑی' (اردو) یا 'ہندوستانی' (۲) 'ہریانی' 'جاٹو' یا 'بانگرو'
(۳) 'برج بھاشا' (۴) 'قنوجی' (۵) 'بندیلی'۔

اس زبان میں فعل کے تمام حالات، زمانے، اور اسمی اور فعلی تغیرات ظاہر کرنے کے لیے حروف، صلات، اور دیگر اسماء و افعال سے مدد لی جاتی ہے۔ گویا یہ زبان مکمل طور پر تحلیلی ہے۔ ایک دوسری خصوصیت بھی ہے۔ اس میں ماضی مطلق فعل متعدی کے فاعل پر 'نے' بڑھا دیا جاتا ہے' جیسے 'حامد نے مارا' یہ 'نے' خاص مغربی ہندی کی چیز ہے۔ (۱) اس کی بولیوں کو دو گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

---

(۱) سابقہ صفحہ ۱۳۸ نیز ملاحظہ فرمائیے۔ راقم کا مقالہ 'نے کی سرگزشت' مطبوعہ 'اردو' اکتوبر ۱۹۵۲ء

وہ بولیاں جن میں اسماء صفات اور بعض افعال 'ے ا' پر ختم ہوتے ہیں۔ یہ دو ہیں 'کھڑی' اور 'ہریانی'۔ بقیہ تین بولیوں میں 'ا' کی جگہ 'و' دیا 'و' ہوتا ہے۔ جیسے بیٹو (بیٹا) تمہارو (تمہارا) گھوڑو (گھوڑا) چلو (چلا) 'ے' والی بولیوں کا 'ے' 'ا' والی بولیوں میں 'و' ہو جاتا ہے۔ جیسے چلے (اردو) چلو (برج) آدمی کو (اردو) آدمے کو (برج)۔

'و' والی بولیوں میں 'برج' زیادہ قدیم اور اہم بولی ہے۔ یہ اصل میں 'متھرا' اور نواح کی روزانہ بول چال کی زبان تھی جس نے شورسینی اپ بھرنش کے زوال کے بعد وسط ہند کی ادبی زبان کا درجہ پایا۔ کھڑی (اردو) کے عروج سے پہلے 'برج' ہی کا رواج تھا۔ اور 'برج' کے کسی قدر قدیم روپ کا نام ہے۔ اور شورسینی اپ بھرنش کی جانشین تھی جو ایک عام ملکی زبان ہونے کی حیثیت سے دکنی علاقے میں بھی سمجھی جاتی تھی۔ اس زبان نے اپنے اقتدار کے زمانے میں ہر جدید زبان کو متاثر کیا۔ اودھی اور کھڑی خصوصیت کے ساتھ اس کے زیر اثر رہیں۔ اب اگرچہ اس کا دائرہ اقتدار تنگ ہوتا جا رہا ہے مگر جنوب میں آگرہ، بھرت پور، دھول پور، کرولی، گوالیار کے مغربی حصوں اور جے پور کے مشرقی علاقے تک اور شمال میں ضلع گوڑگانوے کے مشرقی حصہ تک آج بھی اس کا سکہ چلتا ہے شمال مشرق میں یہ بلند شہر، علی گڑھ، ایٹہ، مین پوری، بدایوں، بریلی، نینی تال تک پھیلتی چلی گئی ہے۔ (۱)

اس کی چند خصوصیات درج ذیل ہیں۔

(۱) اس میں الف پر ختم ہونے والے مذکر اسماء صفات اور افعال

(ماضی، حال، اور مستقبل) 'ئے-ؤ' پر ختم ہوتے ہیں۔ جیسے گھوڑو، کالو، چلیو، کیو، وغیرہ۔

(۲) اکثر اسماء کے آخر میں 'را' بطور الحاق اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ جیسے ہیارا (ہیا) جیارا (جیا)۔ اس قسم کے اسماء کا 'را' 'ئے-و' سے نہیں بدلتا۔

(۳) 'یہ'۔ 'وہ'۔ 'جو' وغیرہ اسماء غیر فاعلی حالت میں 'یا' 'وا' 'جا' ہو جاتے ہیں۔ جیسے یاکو (اس کو) وانے (اس نے) جاکی (جس کی) یہ اردو کے 'اس' 'جس' 'کس' کے قائم مقام ہیں۔

(۴) جمع کی غیر فاعلی حالت میں 'اردو' 'ئے-وں' (لڑکوں) کی جگہ 'ئے ان' یا 'ئے-ن' ہوتا ہے۔ جیسے گھوڑان کو۔ گھوڑن کو۔

'بندیلی' بندیل کھنڈ، گوالیار، اور مدھیہ پردیش کے کچھ اضلاع میں بولی جاتی ہے۔ اس کے پڑوس کی بولیوں کی تفصیل یہ ہے۔ مشرق میں 'اودھی' شمال مغرب میں 'برج بھاشا' جنوب مغرب میں 'راجستھانی' جنوب میں 'مرہٹی' اودھی 'برج' اور 'راجستھانی' بولیوں کا اس پر تھوڑا بہت اثر پڑا ہے۔ لیکن 'مرہٹی' کے اثر سے یہ بالکل پاک ہے۔ آلہا اودل[1] ہندی کی مشہور نظم اسی بولی میں لکھی گئی تھی۔ لیکن آلہا گانے والے دوسری بولیوں کی آمیزش بھی اس میں کرتے رہے ہیں۔ کیونکہ وہ اس 'بندیل کھنڈ' کے رہنے والے تھے۔ اس لئے ان کی زبان 'بندیلی' بتائی جاتی ہے۔ اس کی چند صرفی اور صوتی خصوصیات یہ ہیں۔

---

(۱) حاشیہ صفحہ ۹۰

(۱) اُردو کے 'ا' پر ختم ہونے والے اسماء 'برج بھاشا' کی طرح 'و' پر ختم ہوتے ہیں۔

(۲) اُردو میں جو اسماء لاحقہ 'ن' لگا کر مونث بنائے جاتے ہیں۔ بندیلی میں ان پر 'نی' اضافہ کیا جاتا ہے۔ جیسے تیلن (اردو) تیلنی۔ (بندیلی) مالن (اُردو) مالنی (بندیلی) ۔

۳ 'برج' کی طرح جمع کی غیر فاعلی حالت میں 'ن' ہوتا ہے۔ جیسے گھوڑوں کوں۔

(۴) اکثر حروف غنہ کر دیئے جاتے ہیں۔ جیسے میں انے، کوں (کو) سیں (سے) توں (تو)

(۵) 'تو' اور 'میں' کی اضافی حالت 'تو' اور 'مو' ہے۔ جیسے توکو (تیرا) موکو (میرا)

(۶) 'ہے' کی ماضی 'تھا' کی جگہ 'ہتو' یا 'تو' ہے۔

(۷) مستقبل میں برج کی طرح 'ہھوں' اور 'ہھوں گو' دونوں روپ استعمال ہوتے ہیں۔

'بندیلی' اصل میں 'برج بھاشا' کا کسی قدر بدلا ہوا روپ ہے۔ 'قنوجی' ہندوستان کے قدیم شہر قنوج کی زبان جو ضلع فرخ آباد میں ہے۔ اس کا حلقہ شاہجہاں پور اٹاوے اور الہ آباد کا درمیانی علاقہ ہے۔ مگر 'ہردوئی' اور 'اناؤ' کے کچھ حصوں میں بھی اس کا چلن ملتا ہے۔ قنوجی برج سے اتنی ملتی جلتی ہے کہ مشکل ہی سے اس کو ایک جداگانہ اور ممتاز بولی کی حیثیت دی جا سکتی ہے۔ یہ بولی آہستہ آہستہ ملتی جا رہی ہے۔ اور دوسری غیر اہم بولیوں کی طرح خالص ہندوستانی کا روپ اختیار کرتی جا رہی ہے۔ (۱)

'ہریانی' حصار' اور 'جند' کے آس پاس بولی جاتی ہے۔ یہ علاقہ کسی زمانے میں 'ہریانہ' کہلاتا تھا۔ اس علاقے میں جاٹ بکثرت آباد ہیں اس لئے 'ہریانی' کو 'جاٹو' بھی کہتے ہیں۔ گریرسن کی رائے میں موجودہ 'ہریانی' 'کھڑی' یعنی 'ہندوستانی' ہی کا ایک روپ ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ 'پنجابی' یا 'راجستھانی' سے قریب ہونے کے باعث کچھ لسانی خصوصیات ان زبانوں کی بھی 'ہریانی' نے لے لی ہیں۔ مثلاً فعل حال کا لاحقہ اس میں 'تا' (اردو) کے ساتھ ساتھ 'دا' (پنجابی) بھی ہے۔ اس کی چند لسانی خصوصیات ملاحظہ ہوں۔

(۱) اردو 'ڑ' اور 'ڑھ' کی جگہ اس میں 'ڈ' اور 'ڈھ' ہوتا ہے۔ جیسے بڈھانا (بڑھانا) چڈھنا (چڑھنا) بڈا (بڑا)۔

(۲) 'اردو' کی طرح اس کے اسماء مذکر اور صفات کے آخر میں 'ا' ہوتا ہے۔

(۳) کلمہ 'نے' فاعل اور مفعول' دونوں کے مساوی طور پر استعمال ہوتا ہے۔ جیسے من نے صاحب نے مارا (مجھے صاحب نے مارا) (۴) 'اردو' کے مقابلے میں ہریانی کا رجحان اس طرف زیادہ ہے کہ مشدد حروف کو مخفف کر کے ماقبل حرکت کا اشباع کر دیا جائے۔ جیسے۔

ہریانی	اردو
ماکھن	مکھن
ہاڈ	ہڈی

---

(۱) ساہتیہ صفحہ ۳۸

اردو	ہریانی
رکھے	راکھے
مٹی	ماٹی

(۵) 'بندیلی' کی طرح اکثر کلمات غنہ کر دیئے جاتے ہیں۔ جیسے 'سیں' (سے) 'کوں' (کو) 'توں' (تو)

(۶) ماضی مطلق کے 'ا' سے پہلے ایک 'ی' اور ہوتی ہے۔ جیسے مار یا رہیا۔ چلیا۔ ہیا۔ لگیا وغیرہ۔

'کھڑی بولی' یا ہندوستانی دراصل 'میرٹھ' اور 'دلی' کی زبان ہے جو کسی زمانے میں ان علاقوں کی محض بول چال کی زبان تھی لیکن جب اسے ادبی اور ملک کی معیاری زبان کا درجہ ملا۔ اس کا حلقہ اثر برابر وسیع ہوتا چلا گیا۔ اور اب یہ مغربی روہیل کھنڈ دو آبے، کے شمالی حصے اور 'پنجاب' کے ضلع 'انبالے' میں بھی بول چال کی زبان کی حیثیت سے رائج ہے۔ اس زبان کا نام 'کھڑی' ہندو ادیبوں کا دیا ہوا ہے۔ 'گریرسن' اور مغربی مصنفین اس کو 'ہندوستانی' کے نام سے پکارتے ہیں۔ 'ہندوستانی' کے دو روپ ہیں۔ ایک عام بول چال کی 'ہندوستانی' دوسرے ادبی 'ہندوستانی'۔ ادبی 'ہندوستانی' کو 'اردو' کہتے ہیں۔ جس میں 'سنسکرت' 'تت سم' یعنی اصل الفاظ کی آمیزش زیادہ ہوتی ہے وہ 'ہندی' کہلاتی ہے۔ ادبی 'ہندوستانی' یا 'اردو' ہندو پاکستان کی عام ملکی اور قومی زبان ہے جو اس برصغیر کے ہر چھوٹے اور بڑے مقام پر سمجھی جاتی ہے۔ عام ہندوستانی بولی کی حدود یہ ہیں۔

مغرب میں 'پنجابی' اور بانگرو، شمال میں وسطی اور غربی پہاڑی

بولیاں۔ جنوب اور مشرق میں 'برج بھاشا' ہر چند صوتی اور صرفی اعتبار سے یہ 'برج' سے بہت قریب ہے لیکن اس کی حسب ذیل امتیازی صفات اس کو پڑوس کی بولیوں سے جدا کرتی ہیں اور اس کو ایک آزاد حیثیت دیتی ہیں۔

(۱) 'سنسکرت' اور 'پراکرت' کا 'ڈ' اور 'ڈھ' بترتیب 'ڑ' اور 'ڑھ' سے بدل جاتا ہے۔

(۲) مذکر اسمار، صفات اور بعض افعال 'ـــا' پر ختم ہوتے ہیں۔ جیسے۔ لڑکا۔ کالا۔ کرنا۔ کیا۔ کرتا۔ کرے گا۔

(۳) مضارع کے آخر میں 'ـــے' کی جگہ 'ـــے' ہوتا ہے۔ جیسے۔ چلے۔ کرے۔ (برج چلے۔ کرے۔)

(۴) اعرابی احوال کا اظہار ذیل کے مخصوص کلمات کی مدد سے کیا جاتا ہے کا۔ میں۔ پر۔ سے۔ کے لئے۔

(۵) 'یہ'۔ 'وہ'۔ 'جو'۔ 'کون' وغیرہ اسمار عام غیر فاعلی حالت میں 'اس'۔ اس۔ (جس، کس، دتس) ہوجاتے ہیں۔

(۶) 'والا، ہارا' کے معنی میں ہندوستانی کے ساتھ خاص ہے۔

(۷) 'ہے' کی ماضی 'تھا' بھی ہندوستانی ہی کی خصوصیت ہے۔

(۸) فعل مجہول مصدر 'جانا' کی مدد سے بنایا جاتا ہے۔

(۹) 'نے' علامت فاعل (یا آلہ) ہندوستانی کی اپنی چیز ہے۔

(۱۰) جمع کی غیر فاعلی حالت میں "ے" "وں" ہوتا ہے۔ جیسے۔
لڑکوں کو۔ کوٹھوں سے۔ وغیرہ۔

ان میں سے کا۔ نے۔ میں۔ پر۔ سے۔ اس۔ جس۔ کس۔ نا۔ تا۔ "ے" ا" گا کا ذکر ڈاکٹر چٹرجی نے اپنے خطبات "ہند آریائی اور ہندی" میں کیا ہے۔

اور انہیں ہندوستانی کے ساتھ خاص بتایا ہے۔ بقیہ خصوصیات میں نے اضافہ کی ہیں۔ ان میں سے چند دوسری مغربی بولیوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ یہ ہندوستانی سے مستعار لی گئی ہیں۔

مشرقی ہندی، جیسے سطور بالا میں درمیانی زبان بتایا گیا ہے، اردھ ماگدھی کی جانشین سمجھی جاتی ہے۔ گریرسن، مشرقی ہندی کی طرح اردھ ماگدھی کو بھی درمیانی اور کسی قدر مخلوط زبان بتاتے ہیں۔ مشرقی ہندی ایک طرف بھوج پوری اور دوسری طرف بندیلی اور قنوجی سے گھری ہوئی ہے۔ اس کے شمال میں پہاڑی بولیاں ہیں اور جنوب میں مرہٹی۔ اس کی حسب ذیل تین بولیاں مشہور ہیں۔

الف۔ اودھی: یہ اودھ (اودھیا) کی زبان ہے اور ادبی اعتبار سے مغربی ہندی کی شاخ، برج بھاشا کی برابر ہے۔ یہ "ہردوئی" "کھیری" اور فیض آباد کے بعض حصوں کو چھوڑ کر آگرے کے اضلاع، فتح پور، الہ آباد، جونپور اور مرزا پور، میں بھی بولی جاتی ہے۔ اس کو "پوربیا" اور کوشلی بھی کہتے ہیں۔ (۱)

ب۔ بگھیلی، اودھی کے جنوب میں بولی جاتی ہے۔ بلرام بابو سکسینہ اودھی کو بگھیلی سے مختلف نہیں بتاتے (۲)

ج۔ چھتیس گڑھی چھتیس گڑھ اور اس کے آس پاس اودھے پور، کوریا، اور سرگجا، ریاستوں میں بولی جاتی ہے۔ یہ بہت سی صفات میں اودھی سے ممتاز ہے۔ اس پر مرہٹی اور اڑیا کا کافی اثر ہے (۳)۔

اودھی کسی زمانے میں ادبی زبان تھی۔ ملک محمد جائسی کی پدماوت اور تلسی داس کی رامائن اودھی ہی میں ہیں۔ اودھی کے دو روپ ہیں۔ ایک مغربی دوسرے مشرقی۔ اول الذکر 'لکھنؤ' سے 'فتح پور' تک کے علاقے میں بولی جاتی ہے۔ یہ 'برج' سے بہت قریب ہے۔ ثانی الذکر کا چلن 'گونڈے' اور 'ایودھیا' کی نواح میں ہے۔ یہ خالص 'اودھی' ہے۔ اودھی جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا، بہاری اور مغربی ہندی کے درمیان کی چیز ہے۔ اس کی چند خصوصیات یہ ہیں۔

(۱) مشرقی زبانوں کی طرح اس کے اسماء وصفات کی فاعلی حالت میں 'ے' ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے ہندی کی تین بولیوں میں سے 'برج' 'او' والی 'اودھی' 'ے' والی اور کھڑی (اردو) 'ا' والی زبان ہے (۱)۔

(۲) 'اودھی' میں بہاری کی طرح علامت فاعل 'نے' استعمال نہیں ہوتی۔

(۳) بہاری کی طرح مصدر میں 'نا' کی جگہ 'ب' ہوتی ہے۔ جیسے۔ دیکھب (دیکھنا)

---

(۱) اودھی کا ارتقا صفحہ ۱ (۲) اودھی کا ارتقا صفحہ ۳

(۳) ساہتیہ صفحہ ۸۸

(۴) اسم صفت اور مصدر کے تین روپ ہوتے ہیں، قصیر جیسے گھوڑ، طویل جیسے گھوڑا۔ طویل تر جیسے گھوڑوا۔ مغربی ہندی میں طویل ہوتا ہے، اودھی میں طویل اور قصیر، بہاری میں طویل اور طویل تر۔

(۵) اسماء وصفات کی تذکیر و تانیث کا مغربی ہندی میں خاص خیال رکھا جاتا ہے، اودھی میں بہت سا۔ لیکن بہاری بولیوں میں مذکر و مؤنث کا کوئی فرق نہیں کیا جاتا۔ (۲)

(۶) اودھی میں دو طرح کے مستقبل ہیں۔ ایک قدیم جو 'سنسکرت' فعل مستقبل سے لیا گیا ہے۔ جیسے چلی ہوں۔ (سنسکرت چلیش یا می پراکرت' چلی اہی۔

دوسرے سنسکرت [illegible] اور 'پراکرت' [illegible] لگا کر جیسے دیکھ بوں (دیکھوں گا) برج میں صرف پہلا استعمال ہوتا ہے، اور بہاری میں دوسرا۔ 'اردو' میں دونوں میں سے ایک بھی نہیں۔

(۷) 'اودھی' میں ماضی مطلق' میں فاعل کی ضمیر ہوتی ہے۔ جیسے۔

مارس (اس نے مارا) دہس (اس نے دیا) مشرقی زبانوں

---

(۱) ساہتیہ صفحہ ۱۳۷

(۲) اودھی کا ارتقا صفحہ ۵

میں ضمیر متصل کے ساتھ ساتھ ایک 'ل' بھی ہوتا ہے۔ جیسے مرلس (بہاری) مغربی ہندی میں نہ 'ل' ہوتا ہے اور نہ ضمیر اس لحاظ سے بھی 'اودھی' بین بین زبان ہے۔

باب

ہندوپاک کی زبانوں کے رشتے اور اُردو زبان کا ماخذ

پچھلے باب میں ہندوپاک کی قدیم و جدید زبانوں کی جو تاریخ بیان کی گئی ہے اور ان کے ارتقا کے مختلف دوروں اور مرحلوں کی نشان دہی کی گئی ہے اس سے ذیل کے نتیجے برآمد ہوتے ہیں۔

(۱) آریا قبیلے، جو مسیح علیہ السلام سے دو ہزار برس پہلے ہندوستان میں ایک زبان بولتے تھے۔ جسے ہم قدیم ہند آریائی کہتے ہیں (۱)۔

(۲) یہ قدیم زبان ترقی کے کچھ منازل طے کرنے کے بعد سنسکرت (شستہ) کہلائی۔

(۳) سنسکرت میں صوتی اور صرفی تغیرات ہوئے تو اس نے اولین پراکرت یعنی 'پالی' کا روپ اختیار کیا۔ پالی سے حسب ذیل چار پراکرتیں وجود میں آئیں۔

(الف) شورسینی (ب) ماگدھی (ج) مہاراشٹری (د) اردھ ماگدھی

(۴) پراکرتیں روپ بدل کر اپ بھرنش بنیں۔ ہر پراکرت کا اپ بھرنش روپ الگ تھا۔

(۵) ہندو پاکستان کی موجودہ بول چال کی زبانیں ان اپ بھرنش

---

(۱) مشرقی گرامر بیمز رنلے صفحہ ۱۳۔

کی پیداوار ہیں۔ ہیورنلے کی تحقیق کے مطابق اس کی تفصیل اس طور پر ہے۔

'ماگدھی کے دو روپ تھے۔ مشرقی اور جنوبی۔ آسامی، اڑیا، بنگالی اور بہاری مشرقی ماگدھی کی پیداوار ہیں اور مرہٹی جنوبی ماگدھی کی۔ شورسینی کے بھی دو روپ تھے۔ شمالی اور مغربی۔ گڑھوالی، کمایونی اور نیپالی بولیوں نے شمالی شورسینی سے جنم لیا۔ مغربی ہندی، پنجابی، گجراتی، سندھی، راجستھانی اور لہندا نے مغربی شورسینی سے۔' گریرسن نے ہیورنلے کے حوالے سے ذیل کی جدول اپنی بہاری 'گرامر' میں درج کی ہے جس سے ان زبانوں کے باہمی تعلق پر روشنی پڑتی ہے۔(۱)

قدیم سنسکرت

قدیم پراکرت ورناکولر

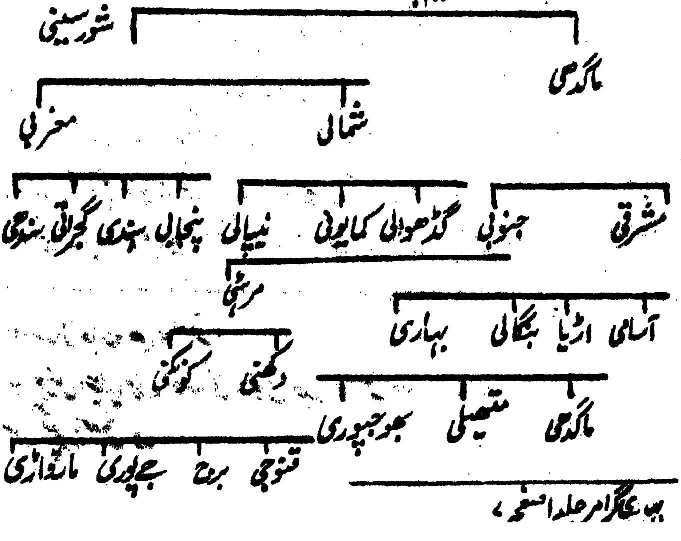

(۱) بہاری گرامر جلد ا صفحہ ۲

ہندی کو سب سے پہلے گریرسن نے دو گروہوں میں تقسیم کیا۔ مغربی ہندی اور مشرقی ہندی۔ اور اردھ ماگدھی پراکرت کو مشرقی ہندی کا ماخذ ٹھہرایا۔(۱) مرہٹی کی اصل مہاراشٹری پراکرت بتائی جاتی ہے۔ ہیورنلے مہاراشٹری کو ایک طرح کی مصنوعی اور بناوٹی زبان سمجھتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ مہاراشٹر کی بول چال کی زبان سے اس کا کوئی لگاؤ نہیں۔ راجستھانی بولیوں کو انہوں نے ہندی زمرے کی زبانوں میں شامل کیا۔ اور موجودہ ہندی یا اردو کو برج سے ماخوذ بتایا۔ (۲) یہ دونوں باتیں اب غلط ثابت ہو چکی ہیں۔

اس سلسلے میں ایک امر کی وضاحت ضروری ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ہندوستان آنے والے آریہ قبائل ایک زبان بولتے تھے۔ ہیورنلے کے خیال میں اس کے صرف دو روپ تھے۔ جن میں سے ایک کو وہ شورسینی اور دوسرے کو ماگدھی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ گریرسن کے نزدیک اس قدیم زبان کے چار روپ تھے۔ ماگدھی، شورسینی، مہاراشٹری اور اردھ ماگدھی، سوال یہ ہے کہ ان ابتدائی اور اولین بول چال کی زبانوں کا سنسکرت سے کیا تعلق تھا۔ کیا سنسکرت ان بولیوں کی طرح روزانہ بول چال کی زبان تھی۔ جس سے یہ پراکرتیں وجود میں آ گئیں۔ جیسا کہ بھنڈارکر کا خیال ہے (۳) یا سنسکرت اور ان بولیوں کی اصل کوئی اور قدیم آریائی

---

(۱) لسانی جائزہ جلد ۹ صفحہ ۲

(۲) جرنل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال جلد ۴۱ صفحہ ۱۲۲

(۳) لیکچرز صفحہ ۲۰۵

زبان تھی جیسا کہ گریرسن کی رائے ہے (۱) [illegible]

لیکن جیسا کہ نکلتا ہے کہ "سنسکرت" کس زبان کو کہتے ہیں اس وقت تک اس نزاع کا فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ اگر "سنسکرت" سے ویدک زبان اور قدیم ہند آریائی بولیاں مراد ہیں تو یہ کہنا ٹھیک ہے کہ تمام پراکرتیں "سنسکرت" سے ماخوذ ہیں۔ اور اگر اس کے خلاف سنسکرت پانینی اور پتنجلی کی زبان ہے تو یہ کہنا غلط ہے کہ پراکرتیں "سنسکرت" کی بیٹیاں ہیں۔ (۲) لیکن یہ وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ "ہند آریائی زبان اولین عہد میں سنسکرت نہ تھی بلکہ ایک اور مقبول عام زبان تھی۔ دوسرے عہد میں بھی لوگ سنسکرت نہیں بولتے تھے۔ بول چال میں پراکرتیں استعمال ہوتی تھیں جو سنسکرت کے ساتھ ساتھ قدیم ہند آریائی بول چال کی زبان سے وجود میں آئیں۔" (۳) قریب قریب یہی حال خیام سندر داس کا ہے انہوں نے قدیم ویدک زبان کا "سنسکرت" اور "پراکرت" سے مقابلہ کرنے کے بعد لکھا ہے۔ (۴) "اس بات کی تائید میں اور بھی بہت سی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں کہ قدیم ویدک زبان سے پراکرتوں کی پیدائش ہوئی۔ بعد کی "سنسکرت" سے نہیں: قدیم ویدک زبان کو پروفیسر میگڈانل نے ادب اور علم کی زبان بتایا ہے۔ (۵) یہ صحیح معلوم نہیں ہوتا اس لئے کہ اگر کوئی زبان اس عہد کی بول چال کی زبان سے زیادہ قریب ہے تو وہ ویدوں کی زبان ہے۔ "سنسکرت" یا بعد کی ادبی زبان کیا بلحاظ اصوات کیا بلحاظ"

---

(۱) مبادی گرامر جلد ۱ صفحہ ۵ (۲) مبادی پراکرت باب اول

(۳) تاریخ ادب ہند ویبر صفحہ ۲ (۴) مباحثیہ صفحہ ۱۲

(۵) تاریخ ادب سنسکرت صفحہ ۲۰

اصول صرف و نحو بول چال کی زبان سے بہت مختلف ہے۔ شیام سندر داس فرماتے ہیں: "جیسا کہ ہم اوپر کہہ آئے ہیں ابتدا سے عوام کی بول چال کی زبان 'پراکرت' تھی۔ اس زبان کے قدیم روپ کی بنیاد پر 'وید منتر' تصنیف ہوئے اور اس کا رواج 'براہمنوں' اور 'سوتر گرنتھوں' تک میں رہا۔ بعد میں یہ زبان منجھ کر سنسکرت روپ میں جلوہ نما ہوئی۔ بول چال کی زبان بھی قائم رہی لیکن اس عہد کی قدیم (روزانہ بول چال کی زبان کی) مثالیں آج نہیں ملتیں۔ (۱)

"بول چال کی زبان کے قدیم روپ جن کی بنیاد پر وید منتر تصنیف ہوئے ایک سے زیادہ تھے (۲) خود ویدوں کی زبان میں زبان کے ان روپوں اور مختلف شکلوں کی چھاپ نظر آتی ہے۔ 'کشدرک' (چھوٹا) کے ساتھ ساتھ اس وقت 'کشلک' بھی بولا جاتا تھا۔ "ہم دونوں کے معنی میں 'یوآم' بھی استعمال ہوتا تھا اور 'یوم' اور 'دام' بھی۔ 'پشچات' اور 'پشچا'، 'لیشماس' اور 'لیشمے'، 'دیواہ' اور 'دیواس'۔ 'دیوے' اور 'دیوے' بھی یہ سب لغات 'ویدوں' میں پہلو بہ پہلو دیکھے گئے ہیں۔ (صوتی) اعتبار سے کہیں 'ر' اور 'ل' دونوں آوازیں مستعمل تھیں کہیں 'ل' کی جگہ 'ر' بولی جاتی تھی۔ مخلوط 'ہا' حروف مثلاً 'دھ'، 'بھ' اور 'گھ'، 'ہ' ہو جاتے ہیں۔ 'ڈ' کا تلفظ مختلف طریقوں سے کیا جاتا تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ 'ویدوں' کی تصنیف کے زمانے میں اگرچہ 'آریا' اصل بنیاد کے لحاظ سے ایک زبان بولتے تھے لیکن اس کے روپ ایک سے زیادہ تھے۔

---

(۱) ساہتیہ صفحہ ۲ (۲) تقابلی گرامر بیمز صفحہ ۴ چٹرجی بنگالی کا آغاز و ارتقا صفحہ ۴۴۔

(۳) ساہتیہ صفحہ ۹ و بنگالی صفحہ ۴۵۔

ان روپوں کو ہم اس عہد کی بولیاں کہتے ہیں۔ ان کا کھوج لگانا اور موجودہ بولیوں سے ان کا رشتہ دریافت کرنا ہمارا کام ہے۔

لسانی ارتقا کی دوسری کڑی 'پالی' بتائی جاتی ہے۔ یہ صحیح نہیں۔ اس لئے کہ لسانیات کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ زبان جب ارتقا کی طرف قدم بڑھاتی ہے تو اس میں اختلاف رونما ہوتا ہے۔ بولنے والوں کی کثرت اور مختلف اطراف میں ان کے انتشار کے ساتھ ساتھ زبان میں بھی اختلاف تنوع، اور ایک طرح کا پھیلاؤ پیدا ہوتا چلا جاتا ہے۔ اگر درحقیقت آریا قبائل، ہندو پاکستان میں داخلے کے وقت بھانت بھانت کی بولیاں بولتے تھے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اطراف ملک میں پھیلنے کے بعد اُن کی یہ بولیاں، کثرت کی جگہ وحدت میں جلوہ نما ہوئیں اور سب نے مل کر ایک زبان یعنی 'پالی' کا روپ اختیار کر لیا۔ صحیح اور قرین قیاس یہ ہے کہ 'پالی' بھی سنسکرت کی طرح ایک شائستہ مہذب اور ادبی زبان ہے۔ جس کا ابداُس عہد کی بہت سی بولیوں میں سے کسی ایک بولی کی تہذیب کے بعد تیار ہوا۔ ڈاکٹر چیٹرجی، پالی کو ادبی زبان بتاتے ہیں۔ اور اُسے 'مدھیہ پردیش' (درمیانے علاقے) کی بولیوں میں سے کسی ایک بولی پر مبنی ٹھہراتے ہیں۔ (۱)

عہد 'اشوک' کے کتبوں کا جن علماء نے گہرا لسانی مطالعہ کیا ہے ان کا بیان ہے کہ "اشوک کے زمانے میں کم سے کم چار بولیاں رائج تھیں جن میں ممتاز ترین 'مگدھ' کی پالی تھی۔" (۲)

---

(۱) انڈو ایرین اینڈ ہندی صفحہ ۱۲۱ و بنگالی صفحہ ۵۷ (۲) ساہتیہ صفحہ ۱۴۱ گجے صفحہ ۱۸۲

"پالی کا کینڈا بتاتا ہے کہ اس کی اصل 'سنسکرت' کی جگہ ویدک زمانے کی کوئی اور بولی ہے۔ 'سنسکرت' اور 'پالی' مساوی درجے کی زبانیں ہیں۔ ان کی بنیاد الگ الگ دو قدیم بول چال کی زبانوں پر ہے۔ دونوں مدتوں تک ادب، فن اور فلسفہ کے خیالات کے اظہار کے لئے استعمال ہوتی رہیں۔ اگر 'پالی' 'سنسکرت' کی کسی قدر مسخ شدہ، ترقی یافتہ اور بدلی ہوئی شکل ہوتی تو اس کا امکان نہ تھا کہ جو صیغے کسی زمانے میں قدیم، ویدک' یا اس کی کسی بولی میں مستعمل تھے لیکن ادبی 'سنسکرت' میں ان کا چلن نہ تھا یا تھا لیکن اُٹھ چکا تھا۔ وہ کسی قدر بدلی ہوئی صورت میں 'پالی' میں راہ پا سکتے مثلاً مفتوح الآخر اسما کی آلی حالت میں جمع کے لئے [illegible] یا [illegible] لاحقہ کا استعمال جو قدیم ویدک [illegible] سے لیا گیا ہے۔ یا بے جنس میں اظہار جمعیت کے لئے علامت [illegible] کا الحاق۔ یہ دونوں خصوصیات ویدک 'سنسکرت' اور 'پالی' میں مشترک ہیں جو ظاہر ہے 'پالی' میں ویدک عہد کی اس بولی سے آئیں جو 'پالی' کی اصل تھی۔ 'بھنڈارکر' کا یہ کہنا کچھ زیادہ وزن نہیں رکھتا کہ یہ صیغے دوسرے صیغوں پر قیاس کر کے خود 'پالی' ہی میں وضع کر لیئے گئے۔(۱) اگر قدیم' ویدک زبان میں یہ صیغے استعمال نہ ہوتے تو اس قیاس کی گنجائش تھی اور اس کو مانا جا سکتا تھا کہ یہ صیغے قیاس باطل کے اصول پر بعد میں وضع کر لیے گئے۔ اس کے علاوہ 'پالی' میں 'بھو' اور 'اس' کے ساتھ ساتھ ایک اور مادہ 'ہو' بھی مستعمل تھا۔ اغلب یہ ہے کہ یہ مادہ 'بھو' یا 'اس' سے متفرع نہیں۔ بلکہ ایک الگ اور آزاد فعل ہے۔ یہ 'پہلوی' اور سامی خاندان کی زبان سے

---

(۱) لیکچرز صفحہ ۵۷

'عبرانی' میں بھی تھا اور شاید قدیم ہند آریائی میں بھی۔ 'پالی' میں اس کا مستقبل اور مزادات استعمال بتاتا ہے کہ یہ قدیم آریائی زبان سے پالی میں آیا۔ اگر 'پالی' ادبی 'سنسکرت' کی پیداوار ہوتی تو یہ مادہ اس میں راہ نہ پا سکتا۔ [illegible] کے علاوہ' جو ادبی سنسکرت میں بھی ہے؛ 'پالی' میں [illegible] اور [illegible] وغیرہ لاحقے بطور علامت مصدر استعمال ہوئے ہیں۔ یہ صرف قدیم ویدک زبان میں تھے۔ [illegible] اور [illegible] کی بابت' جو فاعلی معنی ادا کرتے ہیں، 'گیگر' کا بیان ہے کہ سنسکرت تو رہی ایک طرف ویدک زبان سے بھی اُن کا جوڑ نہیں لگایا جا سکتا۔ (۱)

پراکرتوں کو ارتقا کے تیسرے درجے میں رکھ کر ان کو 'پالی' سے متفرع بنایا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے یہ پیش نظر رہنا چاہئے کہ پروفیسر 'ولسن'، 'جان بیمز' اور 'پشل' وغیرہ علماء لسانیات نے 'سنسکرت' اور 'پالی' کی طرح پراکرتوں کو بھی ادب کی زبان اور ایک طرح سے خود ساختہ اور مصنوعی قرار دیا ہے۔ 'بیمز' فرماتے ہیں: شعرا کی پراکرت بول چال کی زبان نہ تھی۔ ڈاکٹر 'پشل' 'مسٹر بیمز' سے متفق ہیں وہ فرماتے ہیں کہ پراکرت کسی زمانے میں بھی بولی نہیں گئی۔ یہ بات جاننے کے لئے کہ آریوں کی بول چال کی زبان کیا تھی ہمیں عموماً موجودہ بولیوں کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔ (۲) ان علماء کا یہ خیال ایک لحاظ سے صحیح ہے۔ اگر ان پراکرتوں کو اس عہد کی بول چال کی زبانیں مان لیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اس وقت 'بنگال'، 'آسام'، 'بہار' اور 'اڑیسہ' میں صرف ایک زبان یعنی 'ماگدھی' بولی جاتی تھی۔ اور 'پنجاب'، 'سندھ'، 'راجپوتانے' اور

---

(۱) تقابلی لسانیات صفحہ ۱۷۶ (۲) بحوالہ بھنڈارکر صفحہ ۲۷۵۔

گجرات' میں شورسینی' اگر ماگدھی اور 'شورسینی' درحقیقت موجودہ دیسی زبانوں کی اصل ہیں تو ان سے پہلے ان پراکرتوں کا چلن ان مقامات میں ہونا چاہیئے لیکن یہ خلاف قیاس ہے کہ اتنے وسیع علاقے میں صرف ایک زبان بولی جاتی ہو۔ ڈاکٹر دھیریندر ورما نے پراکرت اور اپ بھرنش عہد میں موجودہ دیسی زبانوں کے وجود کو تسلیم کیا ہے' اور پراکرتوں کو ساہتیہ (ادب) کی زبانیں بتایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

"پراکرت اور اپ بھرنش عہد میں' بنگال' آسام' اڑیسہ' متھلا' اور کاشی کی بولیاں الگ الگ تھیں۔ ساہتیہ میں استعمال نہ ہونے کی وجہ سے اپ بھرنش اور پراکرت عہد کی بولیوں کے نمونے ہمیں دستیاب نہیں ہوئے۔" (۱)

بعض لسانی شہادتیں بھی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ادبی پراکرتیں 'پالی' سے ماخوذ نہیں۔ ذیل میں چند پراکرت لاحقے دیئے جا رہے ہیں۔ 'پالی' اور 'سنسکرت' لاحقوں سے مقابلہ کرنے کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ وہ 'پالی' سے ماخوذ ہیں۔

صیغہ	پراکرت علامت	پالی علامت	سنسکرت علامت
(۱) حالت مجرودی	आहि हि आदो	म्हा	तः स्मात
(۲) جمع متکلم (حال)	मु - मो	म	मः
(۳) واحد متکلم (امر)	मु	मि	आनि
(۴) ماضی معطوفہ		इत्वा ×	त

ان میں سے واحد متکلم (امر) کے لاحقے کو چھوڑ کر بقیہ لاحقے باو

---

(۱) ہندی بھاشا کا اتہاس حاشیہ صفحہ ۴۴

راست 'سنسکرت' سے لئے گئے ہیں۔ پراکرت کی چند صوتی خصوصیات ایسی ہیں جو پراکرت کو پالی سے زیادہ قدیم ثابت کرتی ہیں۔ مثلاً 'پراکرت' रि پالی۔ इ یا अ یا उ سے زیادہ قدیم ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

پالی	پراکرت
इद्धि	रिद्धि
अच्छ	रिच्छ
उजु	रिजु

اسی طرح 'پراکرت' अइ اور अउ پالی میں ए اور ओ کی شکل میں ہیں۔(۱)

'ڈاکٹر بھنڈارکر' نے اس کی دو توجیہیں کی ہیں۔ اول یہ کہ 'پراکرتیں' 'پالی' کی ہم عصر دوسری بولیوں سے ماخوذ ہیں۔ دوسرے یہ کہ مندرجہ بالا صوتی اور صرفی خصوصیات سے نتیجہ ہیں 'سنسکرت' کے اثر کا۔ ان میں سے دوسری توجیہہ کو ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں "دوسری توجیہہ کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ ایک اہم خصوصیت میں (مثلاً افعال کی جگہ مشتقات کا بکثرت استعمال) پراکرتیں بعد کی 'سنسکرت' سے زیادہ مشابہ ہیں اور 'پالی' قدیم 'سنسکرت' سے"۔ (۲) لیکن صحیح توجیہہ یہ ہے کہ قدیم 'سنسکرت' اور 'پالی' قدیم ہند آریائی بولیوں میں سے کسی ایک بولی سے متاثر ہوئیں اور پراکرتیں دوسری معاصر بولی سے۔ اس لئے کہ پراکرتیں دوسری خصوصیات میں ادبی 'سنسکرت' کی جگہ قدیم ویدک زبان سے زیادہ

---

(۱) لیکچر صفحہ ۵۵ (۲) ایضاً صفحہ ۱۰۶

قریب ہیں۔ اگر ان مشابہتوں کی بنا پر 'پالی' اور 'پراکرت' کی قدامت کا فیصلہ کیا جائے تو یقیناً 'پراکرت' 'پالی' سے زیادہ قدیم ہوگی۔

'پراکرت' 'پرکرتی' سے ماخوذ ہے جس کے لغوی معنی ہیں فطری اور اصلی۔ ڈاکٹر ولز کا بیان ہے کہ اول اول 'پراکرت' کا اطلاق عام اور روزانہ کاروبار کی زبان پر ہوا۔ اس کے مقابلے میں 'شستہ' شائستہ مہذب اور علمی لحاظ سے جامع اور مکمل زبان 'سنسکرت' کہلائی۔ (۱) اگرچہ 'ہندوپاکستان' کی پراکرتیں اول اول روزانہ بول چال کی زبانیں تھیں لیکن 'سنسکرت' کے زوال کے بعد ان پراکرتوں میں سے چند ترقی پاکر ادبی اور علمی خیالات کے اظہار میں کام آنے لگیں۔ اور جب ان میں یہ صلاحیت پیدا ہوئی تو ان کو 'سنسکرت' کی طرح ادب اور شائستگی کا بڑا درجہ دیدیا گیا۔ وہ چار پراکرتیں جن کا ذکر باب دوم میں تفصیل کے ساتھ کیا گیا اور جن کے اصول و قواعد 'وررچی' اور 'ہیم چندر' وغیرہ علماء نے اپنی کتابوں میں بیان کئے ہیں عام روزانہ بول چال کے درجے سے ترقی کرکے ادبی اور علمی زبان کے اونچے مرتبے پر فائز ہوئیں ورنہ ان پراکرتوں کے ساتھ ساتھ اس زمانے میں اور بھی پراکرتیں رائج تھیں۔ جو 'ہندوپاکستان' کے طول و عرض میں بولی جاتی تھیں۔ ادبی لحاظ سے ان کا کوئی مقام نہ تھا اس لئے قواعد نگاروں نے ان کو نظر انداز کر دیا۔

پراکرتیں جب تک بول چال میں کام آتی رہیں ترقی کی راہ پر گامزن رہیں اور جب یہ اعلیٰ درجے پر فائز ہوگئیں تو فطری ارتقا سے محروم ہوگئیں

---

(۱) مبادیات باب اوّل۔

لیکن ان کی معاصر دوسری پراکرتیں جنہیں عام لوگ بولتے تھے برابر بدلتی رہیں اور ترقی کے منازل طے کرتی رہیں: ڈاکٹر "وبیر" کہتے ہیں کہ ویدک زمانے میں متعدد بولیاں رائج تھیں۔ ان بولیوں کی ترکیب و تالیف سے سنسکرت وجود میں آئی۔ یہ بولیاں ترقی کر کے ادبی پراکرتیں بنیں۔ بعد میں انہی بولیوں نے موجودہ دیسی بولیوں کا روپ اختیار کیا۔ (۱)

زبانیں جیساکہ "میکس مولر" نے لکھا ہے، اوّل اوّل بولیاں ہوتی ہیں جنھیں مختلف طبقات کے لوگ بول چال میں استعمال کرتے ہیں۔ ان میں سے جب کسی بولی میں تصنیف و تالیف کے سلسلے کا آغاز ہوتا ہے تو وہ ادبی زبان کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ "لاطینی" ان بولیوں میں سے ہے جنھیں "اٹلی" کے آریائی باشندے بولتے تھے۔ یہ "لیٹیم" کی زبان تھی۔ "لیٹیم" میں ورما کی۔ اور روما میں اشراف اور مذہبی پیشواؤں کی۔ یہ ایک محدود طبقے کی زبان تھی۔ یہ ایک سیاسی جماعت کی بولی تھی۔ قانون، مذہب، ادب اور ثقافت کی زبان بن جانے کے بعد یہ اپنی دوسری بہنوں سے بچھڑ گئی اور منجمد ہو کر رہ گئی۔ (۲)

پراکرتوں کا حال بھی یہی ہے۔ کسی زمانے میں یہ سب بول چال کی زبانیں تھیں۔ یہ سب "پراکرت" کہلاتی تھیں۔ "میکس مولر" کے الفاظ میں یہ پراکرتیں کسی زمانے میں چھوٹی چھوٹی نہریں اور جدولیں تھیں جو قدیم زمانے سے ایک دوسرے سے الگ تھلگ لیکن برابر برابر بہتی چلی آرہی تھیں۔ یہ بہت سی صفات میں ایک دوسرے سے ملتی تھیں۔ اس لئے اُن سب کا سرچشمہ ایک سمجھا جاتا تھا۔ حالانکہ کسی زمانے میں بھی یہ ایک نہ تھیں۔ ان کی مماثلت اس لئے تھی کہ ان کے بولنے والے پاس پاس آباد تھے۔ جو باہم

شدید ارتباط رکھتے تھے۔ ان میں سے جو بولیاں ادبی درجے پر واقع ہوئیں ان کا بہاؤ رُک گیا۔ راہ ارتقا سے ہٹ کر انہوں نے ایک تالاب کی صورت اختیار کر لی۔ باقی بولیاں پُرانی ریت کے مطابق بدستور بہتی چلی گئیں اور بہتی جا رہی ہیں۔ پراکرتیں گویا تالاب ہیں۔ اور موجودہ دیسی بولیاں اُن کے متوازی بہنے والی جدولیں ہیں۔

"ڈاکٹر ولز" لکھتے ہیں۔ "ہندوستان کی آریائی زبانیں ایسی ہیں جیسے یورپ کی رومانوی زبانیں۔ اطالیہ کی قدیم متعدد بولیوں میں سے لاطینی قبیلے کی بولی اُبھری اور سارے اطالیہ پر چھا گئی۔ آگے بڑھ کر اس نے ساری سلطنت 'روما' کو دبا لیا۔ وہ درمیانی عہد کی سب سے بڑی مسیحی کلیسا کی زبان بن بیٹھی اور سائنس اور فلسفہ کی کتابیں اس میں تصنیف ہونے لگیں۔"(۱) پراکرتوں کی خاص خاص مقامات کی طرف نسبت بتاتی ہے کہ کسی زمانے میں وہ ان مقامات کی بولیاں تھیں۔ "شورسینی" 'متھرا' کی زبان تھی جو اس زمانے میں "شورسین" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا اور ماگدھی مگدھ دیش کی۔ جب چند پراکرتوں نے ادبی زبان کا روپ اختیار کیا اور عالموں نے "سنسکرت" کی طرح اصول و قواعد کی جکڑ بندیوں میں ان کو کس دیا تو ان کے معاصر بولیاں جو ان جکڑ بندیوں سے آزاد تھیں "اپ بھرنش" یا "اپ بھرنش" اپ بگڑی ہوئی اور بگڑی) کہلائیں۔ ان میں ادبی پراکرتوں سے مختلف ان کی ہمسر بولیاں بھی تھیں اور ادبی پراکرتوں کے عام بول چال کے روپ بھی۔ جس طرح پراکرتیں بے شمار تھیں اسی طرح اپ بھرنش کا بھی کوئی شمار نہ تھا۔ لیکن اہلِ علم نے ان میں سے چند کو منتخب کیا اور ان پر کتابیں لکھیں۔ یہ وہ اپ بھرنش تھیں جو

---

(۱) مبادیات صفحہ ۱۰

اپنے زمانے میں بہت عام ہو چکی تھیں۔ خواہ اس لئے کہ وہ کسی ادبی پراکرت کو بگاڑ رہی تھیں یا اس لئے کہ ان کے بولنے والے مقابلتہً زیادہ مہذب اور زیور شائستگی سے آراستہ تھے ورنہ جیسا کہ میں اوپر لکھ آیا ہوں دیس دیس کی بولیاں جدا تھیں۔ اور یہ سب بولیاں اپ بھرنش کہلاتی تھیں۔ (۱)

ان تمام اپ بھرنشوں کا ماخذ ادبی پراکرتوں کو بتانا قیاس اور حقیقت دونوں کے خلاف ہے۔ قیاس کے خلاف اس لئے کہ ہر دیس کی اپ بھرنش الگ تھی جو اسی دیس کی پراکرت سے ترقی پاکر زیادہ صحیح لفظوں میں بگڑ کر بن سکتی تھی۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک دیس کی بولی کسی دوسرے دیس کی بولی سے ماخوذ ہو۔ مثلاً 'میرٹھ' اور اس کے نواح کی بولی کے بابت کہا جائے کہ وہ متھرا کی بولی سے لی گئی ہے اور وہ بھی محض اس وجہ سے کہ 'متھرا' کی بولی معیاری زبان ہونے کی وجہ سے کسی زمانے میں زیادہ عام ہو گئی تھی اور اس میں اس عہد کے انشاء پرداز' اپنے خیالات کا اظہار کرنے لگے تھے حقیقت کے خلاف اس وجہ سے کہ جس اپ بھرنش کے اصول و قواعد ہیم چندر' نے اپنی گرامر میں بیان کئے ہیں۔ اس کا ماخذ 'شورسینی' پراکرت کو بتایا جاتا ہے۔ اگر 'شورسینی' پراکرت سچ مچ اس اپ بھرنش کی اصل ہے تو اس کا صرفی و نحوی سرمایہ اس پراکرت سے ماخوذ ہونا چاہئے۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ اس اپ بھرنش کے بہت سے کلمات ہیں جنھیں ان کے مرادف پراکرتی کلمات سے نکالا نہیں جا سکتا۔ ان کی اصل 'سنسکرت' یا قدیم 'ویدک' زبان کے کلمات ہیں۔ یہ غالباً اس پراکرت میں مستعمل تھے جو اس اپ بھرنش کے علاقے میں بولی جاتی

(۱) مبادیات صفحہ ۸۲

تھی لیکن ادب میں استعمال نہ ہونے کی وجہ سے " اس کے نمونے (مثالیں) آج دستیاب نہیں ہوتے" (۱) ان میں سے چند کا ذکر ڈاکٹر بھنڈار کرنے کیا ہے جو ذیل میں دیئے جا رہے ہیں۔

کلمہ	پراکرت	سنسکرت	صیغہ اور معنی
तइ	तुहं	त्वया	تونے (آلی حالت)
करेप्पिणु	करिअ - कूना	कृत्वान	کر۔ کے (علامت معطوفہ)
करणा	करणअ	करण	پن۔ پنا (علامت اسم)

بھنڈار کرنے ان کلمات کی بابت لکھا ہے کہ یہ پراکرت سے ماخوذ نہیں ہو سکتے۔ ان میں 'سنسکرت' त्वन کو त्व سے بدلا گیا ہے۔ یہ تبدیلی بہت قدیم ہے۔ عہد 'اشوک' کے کتبوں میں بھی ہمیں اس کے آثار ملتے ہیں (۲) اس کے علاوہ اپ بھرنش میں معطوفہ کی علامات میں سے त्वाय اور त्वीनं 'بھنڈار کر کے نزدیک قدیم 'ویدک' त्वीनं یا त्वाय سے حاصل کی گئی ہیں۔ (۳) پراکرت کا آلی لاحقہ एण 'سنسکرت' एन سے تراشا گیا ہے۔ اب بھرنش میں एं اور एण دو لاحقے مستعمل تھے۔ یہ دونوں براہِ راست قدیم एन سے لئے گئے ہیں۔ یہ زبردست ثبوت ہے اس بات کا کہ اپ بھرنش پراکرت سے ماخوذ نہیں۔ بلکہ کسی اور قدیم بولی سے ترقی پا کر بنی ہے۔

قدیم ہند آریائی زبان کا ڈھانچہ اور اس کا کینڈا اگرچہ ایک تھا لیکن

---

(۱) ہندی بھاشا کا اتہاس صفحہ ۲۴ (۲) لیکچرز صفحہ ۱۱۸
(۳) ایضاً صفحہ ۱۱۷

اس کے روپ ایک سے زیادہ تھے۔ زبان کے یہ روپ بول چال میں مستعمل تھے۔ ہندو پاکستان کی موجودہ بولیاں قدیم زبان کے ان مختلف اور متنوع روپوں سے اجاگر ہوئیں۔ شیام سندر داس لکھتے ہیں "آریوں کے سپت سندھو میں بس جانے کے بعد ہی ان کی زبان نے وہ روپ اختیار کر لیا تھا۔ جسے آج کل قدیم سنسکرت کہتے ہیں پر اس وقت اس کی کئی مقامی بولیاں تھیں۔ آج کل بھارت ورش میں جتنی آریا بھاشائیں بولی جاتی ہیں ان سب کی پیدائش انہی مقامی بولیوں اور نئی بولیوں سے ہوئی" (۱)

ان مقامی بولیوں کی ایک تاریخ ہے۔ انہوں نے قانونِ فطرت کے مطابق ارتقا کے بے شمار مراحل طے کئے ہیں۔ یہ بولیاں کسی زمانے میں ادب اور فلسفہ کی شائستہ اور مہذب زبان 'سنسکرت' سے ممتاز بنانے کے لئے اولاً پراکرت کہلائیں۔ لبعد میں جب ان میں سے چند 'سنسکرت' کے پہلو میں جا بیٹھیں اور 'سنسکرت' کی طرح ان کا شمار مہذب اور پاکیزہ زبانوں میں ہونے لگا تو اپ بھرنشٹ بنیں اور پراکرت کے مقابلے میں ان کے الفاظ پست اور گرے ہوتے سمجھے جانے لگے۔ پتنجلی، کے مہابھاشیہ میں گو (گائے) شبد کے حسب ذیل اپ بھرنش گنائے گئے ہیں۔ گاوی، گونی، گوتا، گوپوتلکا، یہ تمام لغات اس لئے اپ بھرنش ہیں کہ یہ برہمنوں کی شستہ اور شائستہ زبان (سنسکرت) کے لب و لہجہ کے خلاف اس زمانے میں عوام کی زبانوں پر چڑھے ہوتے تھے۔ "شیام سندر" کا بیان ہے (۱) کہ ان میں سے "گابھی" "بنگال" میں بولا جاتا تھا اور 'گونی' 'سندھ' میں۔ اغلب ہے کہ بقیہ لغات

---

(۱) ہندی بھاشا اور ساہتیہ صفحہ ۲۹

بھی اس عہد کی کسی نہ کسی بولی میں رائج ہوں۔ بولیوں کی موجودہ حالت ان کی راہ ارتقا کی آخری منزل ہے۔ اس منزل میں یہ بولیاں ان مقامات کے نام سے موسوم ہوئیں جہاں یہ بولی جاتی تھیں: بنگال کی بولی 'بنگلہ' کہلائی اور 'بہار' کی 'بہاری'۔

موجودہ نسبی بولیوں کی گروہ بندی اس بنیاد پر کی جاتی رہی ہے کہ ایک گروہ کی زبانوں کا ماخذ ایک ہے مثلاً مشرقی زبانوں کا ایک زمرہ بنایا جاتا ہے اور ان کا ماخذ 'ماگدھی' اپ بھرنش کو ٹھیرایا جاتا ہے۔ مدھیہ دیش کی بولیوں کا ماخذ 'شورسینی' اپ بھرنش بتائی جاتی ہے۔ یہ بات ہر چند عام مسلمات میں سے ہے اور قریب قریب لسانیات کے ہر طالب علم نے اس کا ذکر کیا ہے (۲) لیکن مجھے اس کی صحت میں شبہ ہے۔ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ یہ امر قرین قیاس نہیں کہ 'بہار' آسام' بنگال' اور 'اڑیسہ' جیسے دور دراز مقامات میں کسی زمانے میں ایک زبان بولی جاتی ہو۔ چنانچہ اسی بنیاد پر ڈاکٹر دھیریندر درما کو ان مقامات میں "الگ الگ بولیوں" کا وجود پراکرت اور اپ بھرنش عہد ہی میں ماننا پڑا۔

البتہ یہ ممکن ہے کہ کوئی آریا قبیلہ جو ایک زبان بولتا تھا ہندوستان کے مشرقی علاقے کی طرف گیا اور 'بہار' یا 'اڑیسہ' میں بس گیا۔ بعد میں ان

---

(۱) ہندی بھاشا اور ساہتیہ صفحہ ۲۲ (۲) چیٹر جی کی رائے ہے کہ دھیا اس سے زیادہ زبانوں کی مشابہت اس لئے بھی ہو سکتی ہے کہ انہیں ایک جیسی لائنوں پر ترقی کا موقع ملا۔ یا قریب قریب ہونے کی وجہ سے ایک نے دوسرے کو متاثر کیا۔ (بنگالی صفحہ ۳۳) نیز ملاحظہ فرمایئے: دی ہسٹری آف لنگویجز: صفحہ ۸۷۔

میں سے کچھ گھرانے' بنگال' اور آسام کی طرف ہجرت کر گئے۔ اس طرح اس قبیلے کی زبان کسی قدر تغیر کے بعد سارے مشرقی علاقے میں رواج پا گئی۔ لیکن اس مفروضے کے مطابق اولاً اس زبان کو جسے ان بولیوں کا ماخذ بتایا جاتا ہے' بہت زیادہ قدیم ماننا پڑے گا اس لئے کہ یہ اس زمانے کی بات ہے جب آریا قبیلے ہنوز مشرقی حصّوں میں آباد نہیں ہوئے تھے۔ اور خانہ بدوشوں کی طرح ادھر ادھر گھوم پھر رہے تھے۔ ثانیاً اس صورت میں اس علاقے کی زبانیں ایک دوسرے سے زیادہ مختلف اور بعض اصلی اور بنیادی چیزوں میں الگ تھلگ نہ ہونی چاہئیں۔ ظاہر ہے کہ ایک ہی زبان کی شاخوں میں' جو آس پاس علاقوں میں بولی جاتی ہیں' کبھی اتنا اختلاف نہیں ہوتا کہ وہ مستقل اور آزاد زبانوں کی حیثیت اختیار کر جائیں۔

دراصل یہ اصول ہی صحیح نہیں کہ زبان کی وحدت اس کی کثرت یا تنوع سے پہلے ہے۔ زبان سے پہلے بولیاں ہیں اور بولیوں سے پہلے زبانیں۔ روز و شب کی طرح یہ سلسلہ یونہی جاری ہے۔ قطعی اور آخری طور پر یہ فیصلہ کرنا دشوار ہے کہ ان میں کون مقدم ہے اور کون موخر۔ اگرچہ "میکس مولر" نے بولیوں کو زبان سے مقدم بتایا ہے ان کے خیال میں "یہ محض لغویوں کی اُپج ہے کہ وہ بولیوں کی کثرت کا تصور ہی نہیں کر سکتے جب تک وہ ان کا کوئی مشترک ماخذ قرار نہ دے لیں" ادھر وہیٹنے کی رائے ہے کہ زبان بولی سے پہلے ہے مگر سچائی ان دونوں کے درمیان ہے۔ کم سے کم اصول کے طور پر اس کا فیصلہ ناممکن ہے۔ عملاً یہ ہو سکتا ہے کہ ہم کسی ایک مقام پر ٹھہر جائیں۔ اور پھر یہ طے کریں کہ اس سے پہلی منزل کونسی ہے۔

میں اس کی وضاحت کے لئے اپنی زبان کو لیتا ہوں۔ اس کا شجرہ

یا راہ ارتقا کی چھوٹی ہوئی منزلیں یہ بتائی جاتی ہیں۔

قدیم ہند آریائی

|

سنسکرت

|

پالی

|

شورسینی

|

اپ بھرنش

(۱)	(۲)	(۳)	(۴)	(۵)
راجستھانی	پنجابی	مغربی ہندی	سندھی	گجراتی

(۱)	(۲)	(۳)	(۴)	(۵)
اردو (کھڑی)	برج بھاشا	ہریانی	قنوجی	بندیلی

'گریرسن' نے 'ہریانی' کو 'اردو' کا ایک روپ اور 'قنوجی' و بندیلی کو 'برج' کی کسی قدر بدلی ہوئی صورت بتایا ہے۔

اس مسئلہ پر تفصیلی بحث سے پہلے کہنا یہ ہے کہ ان اصول کو مد نظر رکھنا ضروری ہے۔ جن زبانوں یا بولیوں کے درمیان صوتی و صرفی و نحوی مشابہتیں پائی جاتی ہیں ان میں شبہ نہیں کہ وہ زبانیں ایک خاندان کی ہوں گی لیکن اس بنا پر اگر کوئی ایک زبان الفاظ کے ادبی سرمایہ کی مالک بھی ہے تو محض اس وجہ سے اس کو قدیم سمجھ کر دوسری زبان کی اصل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ "تیوتانی" یا "جرمانی" گروہ کی زبانوں میں سے "گوتھک" زیادہ قدیم ہے۔ اس زبان کے آثار ہمیں چوتھی صدی عیسوی سے پہلے مل جاتے ہیں اور اس کی ہمسر بولیاں کہیں ساتویں صدی کے بعد رونما ہوتی ہیں۔ گوتھک کی قدامت عہد سے فریب کھا کر کچھ علما نے اس کو "جرمانی" گروہ کی اصل و بنیاد قرار دیا ہے۔ (۱) زبان کی ادبی قدامت اور ہے اور لسانی قدامت اور، اس کا ثبوت نہیں کہ زبان اصل کے اعتبار سے قدیم ہے۔ کبھی کبھی گرامر کے لحاظ سے قدیم ہوتے ہوئے بھی تاریخی طور پر کوئی زبان اپنی ہمسر بولیوں کی اصل نہیں ہوتی۔ مثلاً گوتھک اصول صرف و نحو کی بنا پر نویں صدی کی "اینگلو سیکسن" اور چارلی میگنے کی قدیم ہائی جرمن سے زیادہ قدیم ہے لیکن پھر بھی وہ اینگلو سیکسن اور قدیم جرمن کے مترادف کلمات کے مقابلے میں زیادہ نئے ہیں۔ قدیم ہائی جرمن میں علامت جمع متکلم "mes" ہے جو سنسکرت اور یونانی کی mes اور لاطینی کی mos سے زیادہ قریب ہے۔ گوتھک "m" کسی قدر زمانہ متأخر کے بعد ہی mes سے بنا ہے اور اس سے بہت بعد کی پیداوار ہے اس لئے گوتھک "m" کو ہائی جرمن کی اصل کسی طرح بھی قرار نہیں دیا جا سکتا۔

سنسکرت، لاطینی، اور یونانی ایک ہی خاندان کی زبانیں ہیں۔ ان میں صوتی اور صرفی دونوں طرح کی مشابہتیں پائی جاتی ہیں۔ یہ تینوں زبانیں برابر کی حیثیت رکھتی

ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک دوسرے کی اصل نہیں۔ یہ بات صرف ایک مادہ " یا جمع "
(جمع) سے ثابت ہو سکتی ہے:

(۱) سنسکرت یونانی کی اصل نہیں اس لئے کہ سنسکرت میں مادہ "اس" سے صیغہ واحد حاضر (حال) "اسی" ہے اور یونانی میں "اس ـ سی" جو بہ آخر الذکر اول الذکر سے ماخوذ نہیں ہو سکتے

(۲) سنسکرت لاطینی کی اصل بھی نہیں اس لئے کہ سنسکرت صیغہ جمع حاضر "ستھ" کو لاطینی TIS - ES کی اصل نہیں ٹھیرایا جا سکتا۔

(۳) یونانی لاطینی کا ماخذ نہیں اس لئے کہ یونانی [illegible] (صیغہ جمع غائب) خود لاطینی SUNT سے تراشا گیا ہے۔ (۱)

اس تفصیل کے بعد یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ کوئی زبان اصول صرف و صوت کے اعتبار سے قدیم ہوتے ہوئے بھی ہمسر بولیوں کی اصل نہیں ہو سکتی اگر بعض اصول و اصوات میں وہ ان بولیوں سے بعد کی چیز ثابت ہو جائے اس اصول کی بنا پر ہم سنسکرت کو پالی کی اصل نہیں کہہ سکتے۔ سطور بالا میں اس کی کسی قدر تفصیل دی جا چکی ہے۔ مادہ "اس" سے بھی اس کو ثابت کیا جا سکتا ہے۔ پالی کا [illegible] (تھا) سنسکرت [illegible] سے زیادہ قدیم ہے یا کم سے کم اس کا ہمسر ہے (۲) اس لئے کہ اس کا ماخذ [illegible] مرکب ہے [illegible] سے۔ پالی میں مادے کے دونوں جزو موجود ہیں لیکن سنسکرت میں منحوت ہو کر وہ صرف [illegible] رہ گیا ہے۔ مصدر "سننا" کا مادہ پالی اور پراکرت میں "سن" ہے لیکن سنسکرت میں جسے ان زبانوں کی اصل بتایا جاتا ہے "شرو" ہے۔ مخالفاً "شر"

---

(۱) یہ تفصیل میکس مولر کی کتاب "سائنس" سے ماخوذ ہیں (۲) چیٹر جی صفحہ ۲۵

اور "سن" کی اصل "شرنٹ" کرنی' اور مادہ تھا۔ سنسکرت میں اس مادے سے فعل حال 'شرنوتی' بنا ہے۔ "شرنٹ" ہند آریائی زبان کے کسی قدیم روپ میں ضرور ہونا چاہیے۔ فارسی 'شنو' (شنودن) یا 'شنی' (شنیدن) سے ظاہر ہوتا ہے کہ قدیم ہند ایرانی میں 'شرنو' موجود تھا۔ اُردو "سن" اسی مادے کی ایک بھولی بسری یاد ہے۔

شورسینی پراکرت اگرچہ پالی سے بہت قریب ہے اور دونوں میں اتنی مشابہت ہے کہ ڈاکٹر چٹرجی نے شورسینی کی جگہ پالی ہی کو "ایک طرح سے مغربی ہندی کا مورثِ اعلیٰ اور جدِ امجد" بتایا ہے۔ (۱) لیکن بہت سے اصول و کلمات میں شورسینی پالی سے زیادہ قدیم ہے۔ اس کی کسی قدر وضاحت میں اوپر کر آیا ہوں۔ شاید اسی لئے چٹرجی کے نزدیک پالی سنسکرت کی طرح ایک ادبی زبان ہے۔ جو مدھیہ دیش کی بولیوں میں سے کسی ایک بولی پر مبنی ہے (۲)

'اپ بھرنش' کی بابت میں پہلے تفصیل سے لکھ آیا ہوں کہ ہر دیش کی 'اپ بھرنش' الگ تھی اس لئے' راجستھانی' پنجابی' گجراتی' سندھی' جیسی مختلف زبانوں کا ماخذ ایک 'اپ بھرنش' کو قرار دینا صحت سے دور ہے' جس طرح موجودہ بولیاں بعض اصول میں متفق ہیں اور بعض میں مختلف۔ یہ بولیاں جن اپ بھرنشوں سے ترقی پاکر بنی ہیں ان کا حال بھی یہی تھا۔ بعض اصول اور اصوات کی یکسانی سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ بولیاں متحدالاصل ہیں اور ان کا ماخذ واحد ہے۔ میں اس کی وضاحت کے لئے صرف ایک مثال دیتا ہوں۔ "شورسینی" پراکرت میں مذکر مفرد (مفتوح الاواخر) اسما کی فاعلی حالت کا لاحقہ ओ تھا۔ یہ 'شورسینی' کی ایک ایسی خصوصیت ہے جو اس کو 'ماگدھی' پراکرت سے ممتاز بناتی ہے۔ 'ماگدھی'

---

(۱) انڈو ایرین اینڈ ہندی صفحہ ۱۱۶۔ (۲) ایضاً۔

میں [illegible] کی جگہ جو ہوتا تھا۔ شورسینی' 'اپ بھرنش' میں پراکرت کا [illegible] تخفیف ہو کر جو ہوا۔ موجودہ بولیوں میں سے 'شورسینی' زمرے سے تعلق رکھتی ہیں۔ صرف 'سندھی' اور قدیم مرہٹی میں 'اپ بھرنش' کا یہ جو نظر آتا ہے۔ جیسے [illegible] سندگا ہاتھ (ہندو) دوسری زبانوں میں اس کا کوئی وجود نہیں۔ اس کے علاوہ 'شورسینی' پراکرت میں مذکر صفات اور مشتقات کے آخر میں [illegible] یا [illegible] ہوتا تھا۔ جو قاعدے کے مطابق اپ بھرنش میں [illegible] کی شکل میں نمودار ہوا۔ 'برج' 'بندیلی' وغیرہ بولیوں میں یہ [illegible] موجود ہے۔ جیسے۔ گیو۔ بیارو۔ وغیرہ لیکن اکھڑی یا اُردو میں نہیں۔ اس کی جگہ یہاں [illegible] ہے۔ پہلی صورت میں تو کہا جا سکتا ہے۔ موجودہ بولیوں میں تخفیف کی نذر ہو گیا۔ لیکن دوسری صورت میں 'ـے' کی جگہ 'ـا' کہاں سے آیا۔ یہ بتانا ذرا دشوار ہے۔

اُردو جس اپ بھرنش سے نکلی ہے اس کا ذکر 'ہیم چندر' نے اپنی گرامر میں کیا ہے۔ اس اپ بھرنش میں اسماء و صفات اُردو کی طرح 'ـے' 'ـا' پر منتہی ہوتے تھے۔ ہیم چندر نے ذیل کا شعر مثال میں پیش کیا ہے۔(۱)

ڈھولا سانولا دھن چنپا وتی
ڈھولا۔ مئیں تہم واریا ماکر دیہا مانو
ندئی کھی رتری وڈ وڈ ہوئی وہانو

ترجمہ:- میں تجھ پر واری جاؤں بہت زیادہ ناز نخرے نہ کر۔ ساری رات سوتے گنوا دی اب چٹ پٹ صبح ہوئی جاتی ہے۔

---

(۱) بحوالہ ساہتیہ صفحہ ۳۳

اس میں ڈھولا (دولہا) واریا (واری گیا) ساملا (سانولا) دیہا (لمبا) ان سب کلمات کے آخر میں "ا" ہے۔ اس اپ بھرنش کے بارے میں شیام سندر داس نے لکھا ہے: "معلوم نہیں یہ پے شاچی، اپ بھرنش کا روپ ہے یا کسی اور کا۔ ہیم چندر نے تو اس کا ذکر نہیں کیا۔ البتہ پنجابی میں "ا" پر ختم ہونے والے روپ ملتے ہیں اس لئے قیاس کیا جاتا ہے کہ یہ کسی پے شاچی اپ بھرنش کا روپ ہے۔ (۱)

'مغربی ہندی' جسے 'کھڑی' اور 'برج' کا سرچشمہ اور ماخذ بتایا جاتا ہے' ایک طرح سے فرضی اور خیالی زبان ہے۔ 'میکس مولر' کے الفاظ میں اسے لغویات کی اپج کہنا چاہیے۔ 'برج' 'کھڑی' بندیلی اور قنوجی' کے علاقے میں کبھی کوئی ایک زبان نہ تھی۔ جو ان بولیوں کے درمیان کی چیز ہو اور جو بعد میں ان بولیوں میں بٹ گئی ہو۔ شروع ہی سے ان علاقوں میں مذکورہ بالا بولیاں رائج تھیں چند ملتی جلتی زبانوں کو دیکھ کر ان کا ایک مشترک ماخذ فرض کرنا ایک ایسا فعل ہے جسے فکر انسانی کی اختراع سمجھنا چاہیئے۔ اپ بھرنش' کے بعد کی زبان کو قدیم' ہندی کہا گیا ہے۔ اور چند بردائی کو راسو کو اس کی مثال بتایا گیا ہے۔ اس کی زبان 'برج بھاشا' کا ایک قدیم روپ ہے۔ اس میں برج کی طرح "ا" کی جگہ اسماء "و" پر منتہی ہوتے ہیں۔ "ے" اور "و" بھی 'برج' کی نشان دہی کرتے ہیں۔ 'سے' 'کے' 'تے' برج ہی کی ایک خصوصیت ہے۔ شیام سندر داس کی رائے ہے کہ "پرتھی راج راسو میں اس کے (برج کے) ڈھانچ کا بہت کچھ آبھاس ہے"(۱)

---

(۱) ساہتیہ صفحہ ۱۱۲

برج اور کھڑی کو غلط ملط کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ 'برج' کے ماخذ کو کھڑی کا ماخذ سمجھ لیا گیا۔ ایک زمانے تک "اردو" کو 'برج' ہی کی ایک شاخ بتایا گیا۔ یہ غلط فہمی دور ہو جانے پر اسے 'برج' کی بہن بتایا جا رہا ہے۔ اور شورسینی اپ بھرنش اور پراکرت سے اس کا رشتہ جوڑا جا رہا ہے۔
"شورسینی' برج بھاشا کی ایک قدیم تر صورت ہے" یہ درست ہے۔ لیکن 'برج' ہندوستانی کی بہن ہے" (۱) یہ غلط ہے۔ اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ 'برج' اور ہندوستانی دونوں نے 'شورسینی' سے جنم لیا۔

اردو کی صرفی و نحوی خصوصیات پر ایک نظر ڈالنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اردو کا ماخذ 'شورسینی' پراکرت یا اپ بھرنش نہیں۔ 'شورسینی' پراکرت میں جو اسمار و صفات 'ــے و' پر منتہی ہوتے ہیں۔ اردو میں ان کا آخری حرف 'ــے ا' ہے۔ شورسینی میں اسم حالیہ کی آخری 'ت' 'ذال' سے بدل جاتی ہے لیکن 'اردو' میں وہ اپنی اصلی حالت پر قائم رہتی ہے۔ پراکرت [illegible] کا اردو میں 'پالی' کی طرح [illegible] تلفظ کیا جاتا ہے۔ مرکب یا مشدد حروف کی تخفیف کے بعد ماقبل حرکت کا اشباع ایک ایسا رجحان ہے جو 'شورسینی' پراکرت سے بیر رکھتا ہے اس باب میں اردو مہاراشٹری کی ہم نوا ہے (۲) اردو علامت فاعل (یا آلہ) 'نے' براہ راست سنسکرت [illegible] سے ماخوذ ہے' پراکرت' میں اس کا روپ [illegible] ہے جو کسی طرح بھی 'نے' کا ماخذ نہیں ہو سکتا۔ 'نے' قدیم ہندی میں بھی نہ تھا جیسا کہ 'بیمز' نے لکھا ہے اس لئے قدیم ہندی کو اردو کی اصل نہیں ٹھیرایا

---

(۱) انڈو ایرین اینڈ ہندی صفحہ ۱۶۳

جا سکتا۔ اغلب یہ ہے کہ "نے" 'اردو' سے 'برج' میں پہنچا (۲) کچھ یہی وجہ ہے کہ 'سورداس' وغیرہ شعراء کے یہاں اس کے استعمال میں ایک طرح کی ناہمواری پائی جاتی ہے۔ اس کا ایک قرینہ اور بھی ہے۔ مشرقی ہندی (اودھی) 'برج' کے زیر اثر رہی چنانچہ اس پر 'برج' کی چھاپ زیادہ گہری ہے۔ مشرقی ہندی میں 'نے' کا فقدان بتایا ہے کہ 'نے' 'برج' کی اپنی چیز نہیں۔ ہندوستانی سے مستعار لیا گیا ہے۔ گریرسن اس کے معترف ہیں کہ 'نے' 'برج' اور قدیم ہندی میں مستعمل نہ تھا۔ لیکن وہ یہ طے نہ کر سکے کہ "یہ دہلی" اور میرٹھ" کی پیداوار ہے یا ان مقامات میں مرہٹی سے درآمد کیا گیا۔ ان کے الفاظ یہ ہیں: "اس کی (اردو) علامت فاعل 'نے' کے متعلق اختلاف رائے ہے کہ یہ 'مرہٹی' سے اردو میں آیا یا مضافات 'دہلی' کی زبان سے اتنا یقینی ہے کہ یہ لفظ بھاشا میں اس معنی میں کبھی استعمال نہیں ہوا۔" (۳)

صرفی اعتبار سے بھاشائی۔ مالی' جغرافی بجو اور : میں قدیم زمانہ سے ہیں۔ 'پراکرت' 'بھانرو' 'جانا رُویا' 'بھا آ' — اور نام سے ماخوذ نہیں ہو سکتے۔

یہ براہ راست سنسکرت 'بھراتر' 'اتر' اور 'جاماتر' سے لئے گئے ہیں اس لئے کہ 'اردو' کلمات کی آخری 'ی' سنسکرت "ر" کا نتیجہ ہے اور اس

---

(۱) ولی صفحہ ۲۷ (۲) ملاحظہ فرمائیے راقم کا مقالہ "نے" کی سرگذشت مطبوعہ رسالہ اردو اکتوبر ۱۹۲۶ء

(۳) کلکتہ ریویو جلد ۱ صفحہ ۱۰۴

کو بیان کرتی ہے۔

"پنجابی زبان کے متعلق یہ فیصلہ کرنے کے لئے کہ اس کا ماخذ کیا ہے۔ ضروری ہے کہ اس زبان کا لسانی تجزیہ کیا جائے اور اس کے صرفی و نحوی اصول اور صوتی تبدیلیوں کی ارتقائی و تقابلی تاریخ پر نظر رہے۔ اس سلسلے میں صرفی و نحوی قاعدوں اور صوتی تبدیلیوں کو زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ ہندو پاکستان کی زبانوں کے رشتے، ان کی امتیازی صفات اور ان کی خصوصیات کا علم بھی انہی چیزوں سے ہوتا ہے۔ اسی لئے میں نے اس مقالے میں گرامر اور صوتی تبدیلیوں سے بحث کی ہے اور اردو کے صوتی نظام کو نظر انداز کر دیا ہے۔ ڈاکٹر بلاک فرماتے ہیں: تنہا صرفی و نحوی اصول ہی سے ہند آریائی زبانیں ایک دوسرے سے ممتاز ہو سکتی ہیں۔ ان کا صوتی نظام قریب قریب یکساں ہے۔" (۱)

میرے مقالے کے مطالعے کے بعد آپ میں غالباً شبہ نہ رہے کہ "اردو، شورسینی پراکرت، شورسینی اپ بھرنش اور اس سلسلے کی موجودہ بولیوں یعنی برج، ہریانی، بندیلی وغیرہ سے ماخوذ نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ہندو پاکستان کی قدیم و جدید بولیاں ایک دوسرے سے بہت قریب ہیں۔ بہت سے اصول و اصوات میں ہیں۔ ان کا لفظی سرمایہ ایک بڑی حد تک مشترک ہے۔ اس مماثلت اور اشتراک کے اسباب ہیں جن پر تفصیلی بحث اس مقالے کی حدود سے باہر ہے۔ لیکن یہ کبھی فراموش نہ کیا جائے کہ کسی دو یا دو سے زیادہ زبانوں کی مماثلت اور بعض اصول و اصوات

---

(۱) مراٹھی زبان پارہ ۲۸

میں مشابہت اپنی جگہ اس امر کا ثبوت نہیں کہ وہ زبانیں متحد الماخذ ہیں یا ان میں سے ایک دوسرے کی اصل ہے۔ اس کے لئے زبان کا تفصیلی جائزہ لینا ضروری ہے۔ خصوصیت کے ساتھ زبان کی لسانی خصوصیات کا کھوج لگا کر یہ دیکھنا کہ ان کی ارتقائی تاریخ کیا ہے اور وہ کیسے اور کہاں سے آئیں۔

'اردو' کی لسانی اور صوتی خصوصیات باب دوم میں شمار کی جا چکی ہیں۔ اور 'اردو' کے پورے لفظی سرمایہ کی ارتقائی تاریخ کا کھوج اصل مقالے میں لگایا گیا ہے۔ میں اس مطالعے اور بحث کے بعد جس نتیجے پر پہنچا ہوں مختصر طور پر اس کا ذکر کئے دیتا ہوں۔

'اردو' ہندوستانی یا کھڑی قدیم ویدک بولیوں میں سے ایک بولی ہے۔ جو ترقی کرتے کرتے یا یوں کہیے کہ ادلتے بدلتے پاس پڑوس کی بولیوں کو کچھ دیتے اور کچھ ان سے لیتے۔ اس حالت کو پہنچی جس میں آج ہم اسے دیکھتے ہیں۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ یہ میرٹھ اور اس کے نواح میں بولی جاتی تھی (۱) پالی اس کی ترقی یافتہ ادبی اور معیاری شکل ہے۔ اردو اور 'پالی' دونوں کا منبع ایک ہے۔ 'پالی' ادب، فن اور فلسفے کی زبان ہے اور ہندوستانی روزانہ بول چال لین دین اور کاروبار کی۔ پالی ادبی درجہ کو پا کر ٹھہر گئی لیکن ہندوستانی عوام کی زبان ہونے کی وجہ سے اور بازار، ہاٹ میں بولے جانے کے باعث برابر ترشتی ترشاتی اور پھلتی پھولتی رہی۔ اس قیاس کے وجوہ باختصار درج ذیل ہیں۔

---

(۱) کیفی دتاتریہ کا مقالہ "ہماری زبان"، اردو جلد ۱۹۳۲ء صفحہ ۶۵۹

(۱) پالی کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں سنسکرت مرکب حرکات ऋ اور ॠ روپ بدل کر रि اور री ہو جاتی ہیں یہ کلیہ قاعدہ ہے جس میں استثنا نہیں (۱) اس کے مقابلے میں یہی حرکتیں रि اور रु کے روپ میں پراکرت میں ہیں (۲) اردو اس باب میں پالی کی ہم نوا ہے۔ اس میں ऋ اور रु نہیں۔ اردو کا یہ صوتی رجحان اس کی ایک امتیازی صفت ہے جو غالباً اسے اپنی اصل سے ورثہ میں ملا ہے۔ جیسے۔

चलहि = चलइ = चलै = چلے

करहु = करसु = काहू = करउ = करौ = کرو

(۲) شورسینی میں سنسکرت ت ہر جگہ د ہو جاتی ہے لیکن پالی میں بدستور وہ ت ہی رہتی ہے۔ اردو میں بھی ایسا ہی ہے۔ سنسکرت اسم حالیہ کی آخری 'ت' شورسینی میں تو "د" ہو گئی لیکن اردو میں وہ "ت" ہی رہی۔ حالانکہ پنجابی میں جو اردو سے بہت قریب ہے۔ اس نے 'د' کا روپ اختیار کر رکھا ہے۔ جیسے وہ کرتا ہے (اردو) اوہ کردا ہے (پنجابی) اس سلسلے میں یہ عرض کرنا بیجا نہ ہوگا۔ کہ قدیم فارسی کی 'ت' پہلوی میں تو 'ت' تھے لیکن جدید فارسی میں 'د' ہو گئی ہے جیسے ان تات (پہلوی) تاشند (فارسی) پہلوی گویا ایران کی پالی ہے۔

(۳) بعض لاحقے پالی اور اردو میں مشترک ہیں۔ مثلاً 'وا' (والا) پالی میں بھی ہے جیسے گمنوا (گن والا) اردو کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں بھڑوا

---

(۱) لیکچرز صفحہ ۴۶ (۲) ایضاً صفحہ ۱۸

پٹوا۔ پروا۔ بچھوا۔

(۴) ظرفی لاحقہ "میں" سنسکرت "سمن" سے پالی میں ہوتا ہوا اُردو میں آیا ہے۔ تفصیل مقالے میں دیکھی جائے۔

(۵) ضمیر واحد متکلم "میں" کی تاریخ آپ اگلی سطور میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ یہ ضمیر پالی سے لی گئی ہے۔

(۶) "ہو" فعل معاون ایک مستقل اور آزاد مادہ ہے جو پہلوی میں بھی تھا اور پالی میں بھی۔ "اردو" میں اس کا وجود بتاتا ہے کہ اردو اور پالی مشترک الماخذ ہیں۔

(۷) "تھا" سنسکرت "ستھا" سے ماخوذ بتایا جاتا ہے۔ اس کی غلطی میں واضح کر چکا ہوں۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ "ہو" سے نکلا ہے۔ اس میں یہ "ہوتھا" تھا۔ اردھ ماگدھی میں "ہوتھا" "تھا" کے معنی مستعمل تھا۔ دکنی اردو کے "اتھا" کا الف "ہ" کا بدل ہے۔ ڈاکٹر سکسینہ قدیم اردھ ماگدھی کو "پالی" سے بہت مشابہ بتاتے ہیں (۱)۔

(۸) مصدر "کرنا" سے ماضی "کیا" سنسکرت "کرتہ" سے ماخوذ ہے۔ شورسینی میں "کرتہ" کا "کدو" ہوا اور مہاراشٹری میں "کو"، لیکن "پالی" کے ایک کتبے میں اس کا روپ "کتَ" (۲) ہے۔ اُردو "کیا" "کت" کی وساطت سے بنا ہے۔

(۹) سنسکرت "त" "پراکرت" میں "द" ہو جاتا ہے۔ لیکن "پالی" میں اپنی اصلی حالت پر قائم رہتا ہے۔ اُردو کا حال بھی یہی ہے۔ اس میں "پراکرت" "द"

---

(۱) اردھ ماگدھی کا ارتقا صفحہ ۷

(۲) بھنڈارکر صفحہ ۶۷

اور سنسکرت "کم" "ک" سے بدل گئے ہیں۔

جین پراکرت یا قدیم "اردو مگدھی" غالباً پالی کے بعد کا ایک روپ ہے جسے اس زبان کے ارتقا کی دوسری منزل کہنا چاہئے۔ سب سے بڑی خصوصیت اس زبان کی یہ ہے کہ اس میں حروف "تنفیسی" سے بدل جاتے ہیں۔ "اردو گیا" کی شکل غالباً جین "پراکرت" کی اس صوتی خصوصیت کی ایک نشان ہے۔ اس زبان کے بعد کے مراحل کی نشان دہی دشوار ہے۔ اس لئے کہ زبان، جیسا کہ بارہا عرض کیا گیا، بول چال کی زبان تھی۔ اور بول چال کی زبان کے تغیرات کا پتہ چلانا آسان نہیں۔ اس سلسلے میں یہ بھی عرض کردوں کہ "اردو" جس بولی سے متفرع ہوئی اس کا قدیم فارسی اور "پہلوی" سے بہت قریب کا تعلق رہا ہے۔ "اردو" کے بہت سے صیغوں میں اور بعض ضمیروں اور اشاروں کی تاریخ "پہلوی" اور قدیم فارسی روپوں سے مقابلہ کرنے کے بعد آسانی کے ساتھ سمجھ میں آجاتی ہے۔ اس کی تفصیل قارئین آئندہ سطور میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

"اردو" کی ایک اہم صوتی خصوصیت یہ بتائی گئی ہے کہ اس کے مذکر اسماء و صفات، اور بعض افعال "ا" پر ختم ہوتے ہیں۔ اس "ا" کے متعلق آپ آئندہ سطور میں پڑھیں گے کہ یہ قدیم "سنسکرت" "ک" کا بدل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ "ک" اکثر "سنسکرت" کلمات کے آخر میں اضافہ کردیا جاتا تھا۔ یہ "ک" "پہلوی" میں بھی تھا۔ "سنسکرت" اور "پہلوی" کا یہ "ک" اصلی ہو یا الحاقی، "ایران کی جدید "فارسی" میں "ہ" سے اور ہندوستان کی بولیوں میں "ا" سے بدلا۔ یہ "ا" ماقبل حرف کے "ا" سے مل کر "ا" ہوا۔ جیسے نامک (پہلوی)، نامہ (فارسی)، ہمیشک (پہلوی) ہمیشہ (فارسی)، گھوٹکہ (سنسکرت) گھوٹ ے (پراکرت) (۱) گھوٹا۔ گھوڑا (اردو) لنگھچہ (سنسکرت)

لیا (اردو)۔ اردو کا یہ اختصاصیہ (ـــ ا) پراکرت "اور" اپ بھرنش" سے جس روپ سے لیا گیا ہے۔ اس کا ایرانی گروہ کی زبانوں سے تعلق ہے اس لئے شیام سندر داس کا یہ قیاس صحیح ہو سکتا ہے کہ "ـــے" "آ" پر ختم ہونے والے اسماء جیسا' اپ بھرنش' میں پائے جاتے ہیں اور جس کا ذکر ہیم چندر کے حوالے سے اوپر کیا گیا وہ 'پیشاچی' سلسلے کی زبان ہے۔

آخر میں یہ اور عرض کر دوں کہ اردو کو 'گریرسن' نے اصول صرف و نحو اور مفرد الفاظ دونوں کی اعتبار سے ایک عام اور مخلوط زبان بتایا تھا اور اس سے انکار کیا تھا کہ اس کا ماخذ کوئی خاص زبان ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں۔

" اردو" اپنے قواعد اور الفاظ کے اعتبار سے ایک مخلوط عام' اور مشترک زبان ہے۔ اس میں شمالی ہندوستان کی تمام مقامی بولیوں کے علاوہ عربی' فارسی' ترکی' تلیگو زبان کے الفاظ بھی ہیں۔ اور اس کے قواعد نے شمالی ہند کے ہر خرمن سے خوشہ چینی کی ہے۔ اس لئے یہ کہنا ممکن نہیں کہ وہ کسی ایک مخصوص اور متعین زبان سے نکلی ہے " (۱)

لیکن کسی زبان میں کسی قدر مشترک سرمایہ الفاظ کا وجود اس بات کا ثبوت نہیں کہ وہ زبان بقول شخصے "کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا' بھان متی نے کنبہ جوڑا" چند زبانوں کو سامنے رکھ کر وضع کر لی گئی۔ اس کے علاوہ سطور ما اُردو

(۱) شورسینی پراکرت میں اس کی تصرف و تعلیل اس طرح ہو گی۔ گھوٹ ـــ و 'گھوڑو' میں نے جو روپ دیا ہے وہ اس پراکرت کا ہے جو اردو وغیرہ ان زبانوں کا ماخذ ہے جن کے اسماء "ـــ ا" پر منتہی ہوتے ہیں۔ اس کو شیام سندر نے 'پیشاچی' سلسلے کی زبان بتایا ہے۔

کی نحوی اور صرفی خصوصیات شمار کرائی گئی ہیں۔ 'گریرسن' کے نظریہ کے بطلان کے لئے وہی کافی ہیں۔ ڈاکٹر چٹرجی نے 'پالی' کو وسطی علاقے کی بولیوں پر مبنی اور 'مغربی ہندی' کی صورت اولیٰ بتایا ہے۔ یہ صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ مغربی ہندی کو شورسینی 'اپ بھرنش' اوبھٹ اور قدیم ہندی سے الگ اور ان سے بالکل مختلف ایک بول چال کی زبان فرض کیا جائے۔ اس صورت میں اردو کا ماخذ یہی مغربی ہندی ہوگی اور اس کا شجرہ نسب یہ ہوگا۔

قدیم ہند ایرانی

|

قدیم پراکرت

پالی

جینی پراکرت

|

قدیم اردھ ماگدھی

|

مغربی اپ بھرنش

|

مغربی ہندی

|

اردو

---

(۱) کلکتہ ریویو جلد ۵۱ صفحہ ۱۵۶

'اردو' اور ایرانی 'ایک اور رجحان میں بھی شریک ہیں۔ پہلوی اور فارسی میں اکثر کلمات کے شروع سے "ا" ساقط ہو جاتا ہے جیسے یافتن (ایافتن) دام (ادام) سوار (اسوار) "آ" اور "اُ" کا سقوط اردو میں بھی ہے اور بہت ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمایئے۔

پر		آپر
بھی	پی	اپی
رہٹ	اربہٹ	ارگھٹ
لبھینگا		ابھی۔ آپنچے
جھانکنا		اودھیکش
بیٹھنا		اپ وشٹ

'اردو' کو مختلف لوگوں نے مختلف ناموں سے یاد کیا ہے۔ ہندی مصنفین نے 'برج' وغیرہ سے ممتاز بنانے کے لئے اس کا 'کھڑی بولی' نام رکھا۔ دوسری بولیاں اس کے مقابلے میں 'پڑی' کہلائیں۔ ڈاکٹر عبدالحق کے نزدیک کھڑی بولی کے معنی گنواری بولی ہیں۔ "جسے ہندوستان کا بچہ بچہ جانتا ہے۔ وہ نہ کوئی خاص زبان ہے اور نہ زبان کی کوئی شاخ۔" (۱) 'کھڑی' کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک اکھڑ اور کھردری۔ 'اردو' کو کھڑی اس لئے کہا گیا کہ 'برج' کے میٹھے اور سڈول بولوں کے مقابلے میں 'اردو' کا لہجہ ان کو کچھ اکھڑا اکھڑا سا محسوس ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ جب تک مسلمانوں نے کھڑی کو منہ نہ لگایا۔

---

(۱) رسالہ اردو جولائی ۱۹۳۲ء صفحہ ۵۹۰

ہند برج بھاشا اور اودھی میں شعر کہتے رہے۔ امیر خسرو (المتوفی ۱۳۲۵ء) غالباً پہلے شاعر ہیں جنہوں نے برج کے ساتھ ساتھ کھڑی بولی میں بھی شعر لکھے۔ دوسرے معنی کھڑی کے ہیں وہ بولی جس کے اسماء و صفات و افعال کے آخر میں "ے" "ا" ہو۔ اردو کی ہمسر اور پڑوسی بولیوں میں برج، بندیلی، قنوجی، اودھی، اس لئے پڑی کہلائیں کہ ان کے اسماء و صفات "ے" "و" پر ختم ہوتے ہیں۔ لب و لہجہ کے اعتبار سے گویا یہ بولیاں پڑی ہوتی ہیں اور اردو کھڑی ہوئی۔

اردو کو 'ہندی' یا ہندوی بھی کہا گیا ہے۔ 'برج' اس کے مقابلے میں 'بھاکا' کہلاتی تھی۔ انشاء اللہ خاں نے 'رانی کیتکی کی کہانی' میں اس کا اہتمام کیا تھا کہ 'ہندی چھٹ اور کسی بولی کی پٹ' نہ ملے۔ اس کے لئے انہیں اس کا التزام کرنا پڑا کہ اس میں 'بھاکا پن' نہ گھس جائے۔ 'بھاکا پن' سے مراد برج بھاشا کی پٹ ہے۔ اردو کو ذیل کے ناموں سے بھی یاد کیا گیا ہے۔ 'دہلوی'، 'گجری' یا گوجری، 'دکنی'، 'ریختہ'۔ ان میں سے ریختہ خاص شعر اور غزل کی زبان تھی۔ پہلے تین نام عام ہیں۔ یہ نام اردو کو ان مقامات کے تعلق سے دیئے گئے جہاں اول اول اردو کو فروغ ہوا۔ جہاں اس نے آنکھ کھولی۔ 'اردو' 'دہلی' اور اس کے نواح کی زبان تھی۔ یہیں وہ پیدا ہوئی اور یہیں پروان چڑھی۔ اس کے بعد مسلمان امراء و صوفیوں کے ہم رکاب وہ دوسرے مقامات پر پہنچی۔ 'گجرات' اور 'دکن' سے اس کا گہرا اور شدید تعلق رہا۔ یہاں اس نے اپنی زندگی کی بہت سی بہاریں، خصوصیت کے ساتھ 'دکن' میں وہ بہت پھولی پھلی۔ اس لئے ان مقامات کی اردو زبان کو ان کی طرف منسوب کر دیا گیا۔

'اردو' کو مغربی مصنفین نے 'مورس' بھی کہا ہے اور ہندوستانی بھی۔ مورس کے معنی ہیں مسلمانوں کی زبان۔ مشہور مستشرق کولبروک جب ہندوستان پہنچا تو اس نے اپنے ایک خط میں اپنے والد کو لکھا (۱)

" آپ فرماتے ہیں کہ میں یہاں کی زبانوں کے سیکھنے میں کوشش کروں میرا بھی یہی خیال ہے۔ لیکن اس بات کا کوئی اندیشہ نہیں کہ مجھے ان کی تحصیل میں غیر معمولی محنت کرنی پڑے گی۔ ان میں سے ایک مورس بے حد ضروری ہے لیکن وہ لکھی نہیں جاتی۔ اس لئے اس پر پوری توجہ درکار نہیں رہی۔ فارسی سو وہ اتنی خشک اور بے مزہ ہے کہ میری توجہ جذب نہیں کر سکتی۔ اور نہ اس کی چنداں ضرورت ہے۔ اس لئے میں بڑے اطمینان اور سکون کے ساتھ اس کو سیکھ رہا ہوں۔"

اس اقتباس میں "مورس" سے مراد اردو ہے۔ یہ نام غالباً 'اردو' کو اس لئے ملا کہ 'فارسی' و 'عربی' الفاظ کی آمیزش اس میں مقابلۃً زیادہ ہے لیکن زیادہ صحیح اور قرینِ دانش یہ ہے کہ 'اردو' (کھڑی) مسلمانوں کی آمد سے پہلے ایک نہایت ہی افتادہ اور لسانی اعتبار سے بڑی ہی پس ماندہ زبان تھی۔ بلکہ مسلمانوں کی آمد کے بعد بھی ایک مدت تک وہ صرف روزانہ کاروبار اور عام بول چال کی زبان رہی۔ مسلمانوں نے اوّل اوّل اس گھٹنوں چلنے والے بچے کو اٹھایا اور پال پوس کر بڑا کیا۔ اس سرپرستی اور مربیانہ تعلق کی بناء پر اردو کو مسلمانوں کی طرف منسوب کر دیا گیا۔

اس اقتباس سے ایک اور بات یہ دریافت ہوئی کہ کولبروک کی

---

(۱) جرنل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال جلد ۲۲ صفحہ ۵۰

آمد کے وقت اردو صرف بول چال کی زبان تھی۔ اس میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع نہ ہوا تھا۔ سید معین الدین، گنج علم رحمتہ اللہ علیہ کے صوفیانہ رسالوں کی زبان اگر اردو ہے تو یوں کہئے کہ 'اردو' میں باقاعدہ تحریر و انشا کا آغاز دکن سے ہوا۔ اور وطن سے دور دکن ہی میں 'اردو' نے چودھویں صدی عیسوی کے لگ بھگ ادب، شعر و انشا کے لئے ایک معیاری زبان کا درجہ پایا۔ 'اردو' بولی، چال کی زبان تھی اور اپنا موجودہ روپ اختیار کرنے کے بعد بھی مدتوں صرف بول چال کی زبان رہی اس لئے قدامت عہد کے باوجود نہ ہم اس کی ارتقائی تاریخ بتا سکتے ہیں اور نہ اس کے طویل سفر حیات کی مختلف منزلوں کی نشان دہی کر سکتے ہیں 'اردو' کا قدیم سے قدیم روپ وہ ہے جو خواجہ بندہ نواز گیسو دراز اور دوسرے 'دکن' اور گجرات، کے متقدمین شعرا، کے یہاں ہمیں ملتا ہے۔ اس زمانے میں شمالی ہند کی اردو زبان کا روپ کیا تھا۔ یہ بتانا کسی قدر دشوار ہے۔ اس لئے کہ ہمیں اس عہد کی کوئی مستند اور معتبر کتاب نہیں ملی جو شمالی ہند میں لکھی گئی ہو۔ محمد افضل جھنجانہ، ضلع مظفر نگر کے ایک بزرگ ہیں جن کا ذکر مولانا محمود شیرانی نے کیا ہے۔ شمالی ہند کے غالباً (خسرو کے بعد) وہ پہلے شاعر ہیں 'بارہ ماسہ' یا 'بکٹ کہانی' ان کی مشہور نظم ہے۔ ان کی زبان 'دکنی' اردو سے کچھ زیادہ مختلف نہیں۔ اور اگر ماضی مطلق بغیر اضافہ "ی" ان کے یہاں استعمال نہ ہوتی تو مجھے یہ ماننے میں بھی تامل تھا کہ وہ شمالی ہندوستان کے باشندے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ اس عہد کی دکنی تصنیفات کی پیروی میں 'افضل' نے 'دکنی' زبان لکھی ہو اور ان کی اپنی زبان اس سے مختلف ہو۔ 'وتاسی' نے مشہور تذکرہ نگار 'کمال' کے حوالے سے لکھا ہے کہ 'محمد افضل کا طرز بیان شستہ نہیں۔ اس زمانے میں جب اس نے لکھنا شروع کیا، ریختہ مقبول نہیں ہوا تھا۔ اس لئے اسے مجبوراً 'دکنی' میں لکھنا پڑا (۱)

"افضل کی زبان کا "اردوئے بادآدم" امیر خسرو کی زبان سے مقابلہ کرنے کے بعد ان میں جو فرق اور اختلاف نظر آتا ہے اس سے یہ امکان اور قوی ہو جاتا ہے۔ شمالی ہند کی زبان ہر چند دکن کی زبان سے مختلف تھی مگر افضل نے دکنی شعرا کے تتبع میں اس عہد کی ادبی زبان یعنی "دکنی" استعمال کی اس لئے کہ وہ رائج الوقت سکے کی طرح قبول عام کا تمغہ حاصل کر چکی تھی (۲)۔ دکنی زبان میں جو ایک طرح کی ناہمواری پائی جاتی ہے یا اس زبان کے جو مخصوص رجحانات ہیں وہ "دکنی" کی پڑوسی زبانوں سے تاثر کا نتیجہ ہیں۔ ہم نے کہیں کہیں اس تاثر کی طرف آئندہ سطور میں اشارے کئے ہیں۔ "دکنی" کی چند صرفی و نحوی خصوصیات کا ذکر مولانا عبدالحق" صاحب نے "سب رس" کے مقدمے میں کیا ہے جو حسب ذیل ہے۔

(۱) مذکر و مؤنث دونوں کی جمع "ان" سے آتی ہے۔ جیسے "باتاں، جھاڑاں، کتاباں" وغیرہ۔ سہائی کی جمع سہائیاں۔ غمزہ کی جمع غمزیاں۔

(۲) ایسے متعدی افعال میں جن کی ماضی مطلق، ماضی قریب، ماضی بعید، ماضی احتمالی کے ساتھ "نے" آتا ہے فعل ہر حالت میں مذکر ہوتا ہے۔ خواہ فاعل مؤنث ہی کیوں نہ ہو لیکن دکنی میں مذکر و مؤنث کے لئے مؤنث فعل ہوتا ہے۔ جیسے اس عورت نے کہی۔ لڑکی نے پانی پی۔

(۳) "نے" کا استعمال بہت بے قاعدہ ہے۔ اس حرف کے استعمال کے قواعد حالی

---

(۱) وقاسی خطبہ پنجم۔

(۲) ڈاکٹر زور بھی مانتے ہیں کہ شمالی ہند والے دکنی شعرا کی پیروی میں "دکنی زبان اور محاورے استعمال کرتے تھے اور جو دکنی طرز کے خلاف لکھتا تھا اس کو زجر و توبیخ کرتے تھے۔" (اردو جلد ہشتم صفحہ ۱۸۶)

میں مشتبہ ہو سکتے ہیں۔ میر و سودا کے زمانے میں بھی یہی ہے تاہم کہیں پائی جاتی ہے"۔

(۹) فاعل اگر جمع مؤنث ہے تو فعل کو جمع بولا۔ جیسے "اسمٰعیل عورتاں اپنے سوبیز دوسرے کو اپنا حسن دکھلا تاکید کرجاتیاں ہیں۔ اپنے منہ کو پردہ جہاں تلک پیا دیکھ دلیاں کرتیاں ہیں" پہلا اُردو میں بھی استعمال تھا۔

(۱۰) مؤنث کی صورت میں حرف اضافت "کا" بھی جمع آتی تھی: "دل کے فائدے کیاں بہت باتاں ہیں"

(۱۱) اسی طرح ایسا، جیسا، جتنی کی جمع "ایسیاں، جیسیاں، جتنیاں" آتی ہے۔

(۱۲) ایسے مصادر کی ماضی مطلق بناتے ہیں علامت مصدر سے قبل "ا" یا "و" جیسے ہوتا اس طرح بنتی ہے کہ امر کے آگے "ا" بڑھا دیتے ہیں۔ جیسے دیکھنا سے دیکھا۔ لیکن دکنی میں بجائے "ا" "یا" لگاتے ہیں۔ جیسے دیکھیا، لیا، کیا۔

(۱۳) "سی" مستقبل کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ یہ علامت ہندوستان کی کئی زبانوں میں خفیف تغیر کے ساتھ استعمال ہوتی ہے۔ اور پنجابی میں تو بالکل اسی کا اسی طرح استعمال ہوتا ہے جس طرح قدیم دکنی میں۔ جیسے "لشکر سوں خدا کوں دیکھیں گے تو خدا نظر میں نہ آسی"

(۱۴) "کر" کا استعمال۔ یہ میر امن کے یہاں بھی پایا جاتا ہے۔ جیسے "دانا ہمنا سنکر جانے لگا"

---

(۱) گریرسن کے نزدیک "نے" کے استعمال کے قواعد ۱۷۷۸ء میں مرتب ہوئے۔ پرتگالی زبان اردو کی ایک گرامر میں یہ تصریح ہے کہ فعل متعدی ماضی مطلق کے ساتھ "نے" کو استعمال کرنا چاہئے۔ (جرنل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال جلد ۱۸۹۳ء صفحہ ۹۹)

(۱۰) ضمائر میں بھی کسی قدر تغیر پایا جاتا ہے۔ یہ (یہ) وو (وہ) الو (انھیں/انہوں نے) الوکو (ان کو) انو کا (ان کا) ہمنا (ہم کو) جنو (جنہوں نے) جنوکو۔ جنوکا۔

(۱۱) الفاظ کے آخر میں "ch" تاکید کے لئے اکثر لگا دی جاتی ہے۔ جس کے معنی عموماً "ہی" کے ہوتے ہیں۔ خدا منا کیا سو بر سے فصلانچ خاطر۔ یہ پنچ یا رکھیتی یا سکنے۔

(۱۲) مانگتا بمعنی چاہنا۔ اگر کچھ اونچا پڑھنے مانگتا۔ ہے تو شراب پی۔

(۱۳) الفاظ کی تذکیر و تانیث کا بھی کچھ زیادہ خیال نہیں۔ مثلاً شراب۔ نجر بعنت دنیا کو مذکر لکھا ہے۔

(۱۴) اکثر عربی الفاظ کے املا کو سادہ کر دیا ہے۔ یعنی جس طرح بولتے ہیں ویسا ہی لکھ دیتے ہیں جیسے نفع کو نفا۔ واقعہ کو واقا۔ منع کو منا۔

(۱۵) اردو کے جس لفظ میں دو ڈالیں یا ایک "ڈ" اور "ٹ" ہوتی ہے پہلی ڈال دال بولی جاتی ہے جیسے ڈھونڈو کو دھونڈو، ڈانٹ کو دانٹ کہیں گے۔

(۱۶) "اردو" میں اکثر الفاظ کی تکرار ہوتی ہے۔ اور یہ تکرار خاص معنی پیدا کرتی ہے جیسے گھر گھر۔ در در وغیرہ۔ قدیم "دکنی" میں ان دو کے درمیان "ی" کا اضافہ کرتے تھے جیسے گھر سے گھر۔ شارے ہمارے کبھی "ے" کی جگہ "یا" استعمال کرتے ہیں جیسے گھریں گھر۔ اس کے علاوہ بعض حروف اور کلمات کی شکلیں اور ان کے لہجے ان سے مختلف ہیں جن شکلوں اور لہجوں میں آج یہ حروف استعمال ہوتے ہیں۔ اور قیاس کیا جاتا ہے کہ شمالی ہندوستان میں اس وقت بھی یہ اپنی موجودہ شکل میں بولے جاتے تھے۔ جیسے سوں، سینی، دکوں، تیں (تو) ۱۱۶۔

دکنی اردو کی یہ خصوصیت دکن کی پیداوار ہیں (۲) شمالی ہند کا

"دلی" اور میرٹھ کی زبان اس وقت بھی دکنی اُردو سے مختلف تھی۔ اس کا ایک قرینہ اُردو میں "حاتم، میر، مرزا" اور "ناسخ" کے اصلاحی تحریک ہے جس کا مقصد یہ تھا کہ "اردو" کو دوسری زبانوں کے اثر سے پاک کیا جائے۔ اور شعر و ادب کی زبان کو جو دکنی کی تقلید میں اس عہد کی رائج اور چالو زبان سے دور جا پڑی تھی۔ عام بول چال اور "دلی" و میرٹھ کے روزمرہ سے قریب لایا جائے۔

اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ وہ صرفی و نحوی استعمالات و محاورات جو دکنی اُردو کی خصوصیات بتائے جاتے ہیں۔ شمالی ہند کی زبان میں بھی تھے اور اس اعتبار سے اس عہد کی اُردو اور دکنی میں کوئی فرق نہ تھا۔ تو حاتم و "ناسخ" کی اصلاحی تحریک ایک بے معنی اور استبدادی فعل سے زیادہ کچھ نہ ہوگی۔ جس کے جواز کی گرامر لسانیات میں کوئی گنجائش نہیں۔ لسانیات کا مانا ہوا اصول ہے کہ

(۱) "نحو دکن میں "سوں" کے ساتھ "سے"، "نے" کے ساتھ "میں" اور "سینا" کے ساتھ "سنا" مستعمل تھے۔ ملا غنی بیجاپور کا ایک شاعر ہے۔ جس نے گیارہویں صدی ہجری میں "تحفہ نامہ" کے نام سے ایک مثنوی لکھی۔ اس میں یہ کلمات دلی کے محاورے کے مطابق استعمال ہوئے ہیں۔ مثلاً "نے" "ازل سے بنی ہے نہیں آج کا"۔ "میں" "ترے تن "میں" یوجیو سب ہے نہ "سنا" جیسے"۔ "جو کوئی نہیں "سنا" سے محمد کی بات"۔ (ملاحظہ فرمائیں رسالہ "ہندوستانی" جلد ۱۰ صفحہ دوم)۔

(۲) مولانا عبدالحق فرماتے ہیں "دکنی اور گجراتی ایک زبان ہے جو دلی سے ان علاقوں میں پہنچی البتہ اس میں مقامی الفاظ اور ترکیبیں بھی شامل ہو گئیں" ("اردو" جنوری سنہ ۱۹۵۶ء صفحہ ۱۲)۔

کسی لفظ کو رواج دینے یا ٹکسال باہر کرنے کا حق کسی ایک فرد کو نہیں چاہے وہ شعرو ادب کی دنیا میں کتنا ہی بلند مقام رکھتا ہو۔ یہ حق عوام کو ہے۔ وہ جس لفظ کو چاہیں چلن دیں اور جسے چاہیں کھوٹے سکے کی طرح زبان سے نکال باہر کریں۔ لسانیات کا یہ اصول اتنا عام اور مشہور ہے کہ میں اس کی مزید شرح و تفصیل غیر ضروری سمجھتا ہوں۔

اردو کا اولین مصلح 'حاتم' ہے۔ اس نے اپنے 'دیوان زادے' کے دیباچے میں ان اصول کا مختصر طور پر ذکر کیا ہے جو اس کے پیش نظر تھے وہ یہ ہیں۔

(۱) 'ہندی بھاکا' کا لفظوں کو چھوڑ کر روزانہ بول چال میں آنے والے الفاظ و محاورات اختیار کرنا جنھیں عوام و خواص سبھی سمجھتے ہیں۔

(۲) ان 'عربی' و فارسی' الفاظ کا استعمال جو قریب الفہم ہیں اور بکثرت استعمال ہوتے ہیں یا 'دلی' میں عام طور سے بولے جاتے ہیں۔

اصلاح کے یہ اصول بتاتے ہیں کہ 'حاتم' سے پہلے 'دکنی' اور دہلوی بولیوں میں فرق تھا۔ دونوں کا روزمرہ الگ الگ تھا۔ بہت سے الفاظ جو دکنی میں مستعمل تھے 'دلی' میں ان کا چلن نہ تھا اور 'عربی' و فارسی' الفاظ جو دکن میں غلط بولے جاتے تھے اور جیسے بولے جاتے تھے ویسے ہی لکھے بھی جاتے تھے۔ 'دلی' والے انہیں صحیح بولتے تھے۔ اور ٹھیک لکھتے تھے۔ اسی بنیاد پر 'سعد اللہ گلشن' نے حسب روایت 'قدرت دلی' کو مشورہ دیا تھا کہ "فصاحت زبان دکھنی را ریختہ موافق اردو ئے معلیٰ شاہجہان آباد موزوں بکنید تا موجب شہرت و رواج و قبول خاطر صاحب طبعان عالی مزاج گردد"

میر و مرزا نے جن کلمات و محاورات یا صرفی و نحوی تصرفات کو غیر فصیح

ناصیح قرار دیا ان کی ایک تشنہ سی فہرست جلوۂ خضر میں ہے۔ مولانا عبدالسلام نے 'شعر الہند' میں اس کو نقل کر دیا ہے۔ اس فہرست پر ایک سرسری نظر ڈالتے ہی سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ مخصوص دکنی الفاظ و محاورات میں جنھیں متروک ٹھہرایا گیا ہے۔ سون، سین، سیتی، لگ، کتے، تیئں، اچھن، یہ الفاظ دکن میں مستعمل تھے اسی طرح آنکھ کی جمع 'انکھیاں' جاری کیا ہے۔ میں نے کی جاری کیا ہوں۔ کرنا سے ماضی 'کیتا' یہ استعمالات دکن میں جائز سمجھے جاتے تھے۔ میر و مرزا نے ان الفاظ، محاورات، اور استعمالات کو ناجائز اور غیر فصیح قرار دیا۔ دلی میں اس طرح ان کا استعمال نہ تھا۔

'حاتم' اور میر و مرزا کی مصلحانہ کوششوں کے بعد بھی جو الفاظ اور محاورے زبان میں باقی رہ گئے۔ ناسخ نے ان کے خلاف جہاد کیا۔ اور اُردو زبان سے یہ کوڑا کرکٹ کی طرح نکال باہر کئے گئے۔ 'ناسخ' کا یہ کام اصلاحی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ ذیل میں ناسخ کی اصلاحات کا ایک خاکہ دیا جا رہا ہے۔ یہ ان متروکات کی بنیاد پر تیار کیا گیا ہے۔ جن پر 'ناسخ' نے خط نسخ کھینچا۔ (۱)

(۱) اس سے پہلے مؤنث کے لئے فعل کو "اں" سے جمع بنایا جاتا تھا۔ مثلاً گھٹائیں۔ چھائیاں۔ ندیاں۔ بہتیاں ہیں۔ ناسخ نے اسے ناجائز قرار دیا۔

(۲) اسم کی جمع بھی 'اں' کے اضافے سے بنتی تھی۔ جیسے سُرخ ردیاں۔ ہوا خواہاں۔ ناسخ نے "وں" سے جمع بنائی۔ ہمسایہ سے ہمسایوں۔

(۳) اکثر 'نے'، 'کو'، 'پر'، 'سے'، وغیرہ حروف معنوی ترک کر دیئے

---

(۱) ملاحظہ فرمایئے راقم کا مقالہ "اصلاح زبان اردو" مطبوعہ نگار۔ دسمبر ۴۸ء

جاتے تھے۔ ناسخ نے اسے زبان کا مجہول ٹھہرایا۔

(۴) مضارع پر 'ہے' بڑھا کر فعل حال بنایا جاتا تھا۔ جیسے پھرے ہے۔ رہے ہے۔ ناسخ نے "تا ہے" کے اضافے سے فعل حال بنایا پھرتا ہے۔ رہتا ہے۔

(۵) ماضی معطوفہ اور امر میں صورۃً کوئی فرق نہ تھا۔ ناسخ نے امر پر "کر" بڑھا کر ماضی معطوفہ بنائی۔ مثلاً لگا کر۔ دیکھ کر۔

(۶) 'مجھ' اور 'تجھ' اضافی حالت میں بھی استعمال کئے جاتے تھے۔ مثلاً تجھ گھر۔ مجھ پاس۔ ان کی جگہ 'میرا' اور 'تیرا' استعمال کیا۔

(۷) ان مصادر سے فعل مضارع وضع کرتے وقت جن کے آخر میں 'ی' 'و' یا 'ا' ہے ایک 'و' اور بڑھا دیتے تھے۔ جیسے 'ہو' سے 'ہووے' دے سے 'دیوے' جانے سے 'جاوے'، ناسخ نے ان کو ہوے دے اور جائے کہا اور لکھا۔

(۸) جو الفاظ اور کلمات دکن یا گجرات کے لہجے میں استعمال ہوتے تھے۔ انہیں اپنے ہاں کے لہجے میں استعمال کیا۔ مثلاً آگو کو آگے۔ تمین کو تو۔ سین اور سیتی کو سے۔ کسو کو کسی۔ کبھو یا کدھی کو کبھی۔ جدکو جب۔ تدکو تب۔ تس پر کو اس پر (۱)

(۹) کچھ الفاظ سرے سے غیر فصیح قرار دے کر چھوڑ دیئے۔ یہ الفاظ یقیناً وہی ہیں جو دکن میں مستعمل تھے لیکن دہلی اور لکھنؤ میں ان کا رواج نہ تھا۔ جیسے جون، اتیس، اتنک، نپٹ، بن یا باج، نداں وغیرہ۔

اس فہرست کا مولوی عبدالحق صاحب کی، اس فہرست سے مقابلہ کیجئے جس میں دکنی 'اردو' کی صرفی و نحوی خصوصیات شمار کرائی گئی

ہیں۔ آپ کو اس میں شبہ نہ رہے گا کہ 'ناسخ' کی اس اصلاحی کوشش کا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ شمالی ہند کی 'اردو زبان کو' دکنی' الفاظ، دکنی محاورات، دکنی استعمالات اور بعض دوسرے اجنبی و نامانوس عناصر سے پاک کیا جائے اور اس طرح شعر و ادب کی زبان کو عام بول چال کی زبان سے قریب لایا جائے۔ ڈاکٹر محی الدین صاحب قادری زور کی رائے بھی یہی ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ "دکنی" بھی فارسی کی طرح ان کی (شمال والوں) اپنی زبان نہ تھی۔ اس میں بھی خیال ادا کرنے کے لئے انہیں تکلف کرنا پڑتا تھا۔ اب انھوں نے اس بات کی کوشش کی کہ اپنی مادری اور بول چال کی زبان میں 'فارسی' اجزا ملاکر شاعری کریں۔ اگرچہ پہلے پہل بعضوں نے اس کی مخالفت بھی کی لیکن یہ چونکہ فطری چیز تھی وہ اس تبدیلی میں کامیاب ہو گئے۔ اور بہت جلد اردو نے

---

(۱) ان میں سے کچھ الفاظ ایسے ہیں جو برج بھاشا سے اردو میں آ گئے۔ ان کو متروک قرار دینے کی وجہ ظاہر ہے۔ یہ اردو کے مزاج کو سازگار نہ تھے اور ابھی اچھی طرح اردو میں جڑ نہ پکڑ سکے تھے۔ ان کو ٹکسال باہر قرار دینا ہی مناسب تھا۔

معلیٰ کی زبان میں شعر و شاعری شروع ہوگئی۔ اس کا آغاز "مظہر" نے کیا اور اس کی ترقی "ناسخ" کے زمانے تک جاری رہی۔" (۱)

---

(۱) رسالہ "اردو" جلد نہم صفحہ ۸۷؛

تحقیق

باب اوّل

"صوتی تبدیلیاں"

آوازیں دو طرح کی ہیں۔ کچھ منہ میں محض ہوا کی سرسراہٹ سے پیدا ہوتی ہیں۔ یہ 'حرکات' و 'علل' کہلاتی ہیں۔ کچھ زبان اور منہ کے دو حصّوں کے باہم ٹکرانے سے وجود میں آتی ہیں۔ انہیں حروف "صحیح" کہتے ہیں۔ ان دونوں قسم کی آوازوں کے خاص خاص مقام ہیں جو اصطلاح میں 'مخارج' کہتے ہیں۔ ان کی تشریح و تفصیل کا تعلق 'صوتیات' سے ہے۔

اردو آوازوں کی بھی ایک تاریخ ہے۔ زبان کا آغاز اور اس کا ارتقا جاننے کے لئے ضروری ہے کہ ان آوازوں کی تاریخ دریافت کی جائے۔ لفظوں میں جو تبدیلیاں ہوتی ہیں ان کے دو بڑے سبب ہیں۔ ایک کا تعلق معنی سے ہے اور دوسری کا صورت سے۔ کبھی لفظ میں ردوبدل نئے معنی حاصل کرنے کے لئے کیا جاتا ہے۔ جیسے چلنا سے چلون' یا چلے گا۔ یہ معنوی یا صرفی تغیر کہلاتا ہے۔ اس کی تفصیل آپ کو اگلے ابواب میں ملے گی۔ کبھی آلاتِ صوت، امتدادِ زمانہ، تلفظ میں سہل نگاری، اور بعض دوسرے گوناں گوں اسباب

کی بنا پر لفظ کی شکل بدل جاتی ہے۔ لیکن اکثر معنی وہی رہتے ہیں یہ صوتی تغیر ہے اس باب میں اس تغیر کی تاریخ بیان کی جائے گی۔ صوتی تغیر کی کئی منزلیں ہیں انہیں درمیانی منزل زیادہ اہم ہے یہ منزل وہ ہے جب ہماری زبان نے پراکرت دور میں قدم رکھا اس منزل میں بڑی بڑی تبدیلیاں ہوئیں انہیں خاص قسم کا تسلسل پایا جاتا ہے اسکے بعد کی منزل جو اس وقت ہمارے سامنے ہے اتنی اہم نہیں۔ اس منزل میں توڑ پھوڑ کم ہوئی ہے۔ اس کے اسباب کیا ہیں۔ اس وقت اس سے بحث نہیں البتہ یہ ضروری ہے کہ صوتی تغیرات کے سمجھنے کے لئے اس راہ کی ساری منزلیں اور ان کے نشان روشن کئے جائیں اور جہاں جہاں نئے موڑ آئے ہیں ان کو بتایا جائے۔ حروف و حرکات کے تغیرات کی حسب ذیل چھ قسمیں ہیں۔

(۱) کسی حروف یا علت کا سرے سے مٹ جانا۔ جیسے ऋ - ॠ - ऌ یا ॡ یہ حروف سنسکرت میں تھے لیکن پراکرت اور اردو نہیں پائے جاتے۔

(۲) کسی حرف یا حرکت کا وجود میں آنا جو پہلے نہ تھی۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔

الف۔ یہ حرف یا حرکت کسی اجنبی زبان سے مستعار ہے جیسے ص۔ ق۔ ژ وغیرہ پہلے دو عربی کے ہیں اور تیسرا فارسی۔

ب۔ یا ہماری زبان میں ارتقا کے اثر سے وجود میں آئے جیسے ڑ۔ ڑھ۔ اور ئے ے۔ ے و (۱)

(۳) کسی حرف یا حرکت کا گر جانا جیسے "بہن" یہ لفظ سنسکرت میں "بھگنی" تھا

---

(۱) ملاحظہ فرمائیے صفحہ ۶۹ و نمبر ۳

(۴) کسی حرف یا حرکت کا دوسرے حرف یا حرکت سے بدل جانا جیسے سنسکرت ... اردو میں "ت" ہوگیا ہے۔ 'چونچ' کی اصل سنسکرت چنچ ہے۔

(۵) دو حرکات یا حروف کا مدغم ہوکر ایک تیسری حرکت یا حرکت کی شکل اختیار کر لینا۔ اسے اصطلاح میں تعلیل (سندھی) کہتے ہیں۔ جیسے "چلئی" سے "چلے"۔ "مرتکا" سے "مٹی"۔

(۶) کسی حرف یا حرکت کا جگہ بدلنا۔ اسے قلب کہتے ہیں۔ جیسے "موچھ" (شمشیر) "گھر" (اگرہ)

ان میں بہت کم تغیرات ایسے ہیں جنھیں عام یا مسلّم کہا جا سکے۔ ان میں ایک طرح کی ناہمواری پائی جاتی ہے۔ اس لئے ان کو ہمہ گیر اصولوں میں منضبط کرنا دشوار ہے۔ حرکات اور حروف علت سے متعلق کچھ تبدیلیاں جو بہت عام ہیں نیچے دی جارہی ہیں۔

(ا)

حرکات و علل

(۱) سنسکرت الفاظ کے آخر کی حرکات اکثر اردو میں گر جاتی ہیں اور یہ الفاظ ساکن الاواخر رہ جاتے ہیں۔

رِیکھ	آگ	ہاتھ
بیس	کِرشن	آگِن
باتھ	وِنشتِ	

کبھی ان حرکات کا اشباع ہو جاتا ہے۔ خصوصیت کے ساتھ اس وقت جب آخر سے کوئی حرف گرا دیا گیا ہو یا حرکت (۱) "فتحہ" الف ہو جاتا ہے جیسے۔

کُتّا	کُکّرُ
چیتا	چترک
پوتا	پُتْرہ

کسرہ "ی" سے بدل جاتا ہے۔ جیسے۔

مالی	مالِن
پجاری	پُجارِن
دَہی	دَدُھ
تیلی	تیلِک
بھی	اَپِ
تالی	تاڑیتَرِ

ضمہ "و" ہو جاتا ہے۔ جیسے۔

آنسو	اشْرُو
بالُو	بالکا

اول یا وسط کلمے کی حرکات بھی کبھی کبھی کھنچ جاتی ہیں۔

کھاٹ	کھٹوا
بیس	وِنشتِ
تیس	ترنشت
جیبھ	جِھوا

منفصل	موصل
ٹُبڑ	پھُم

اس کی وجہ "بیمز" یہ بتاتے ہیں کہ آخر سے کسی حرف یا حرکت کے ساقط ہو جانے کے بعد کلمے کے آخری جزو پر جو زور دیا جاتا تھا وہ پہلے جزو پر آ پڑا۔ اور اس کے زیر اثر اس کی حرکت کھینچ گئی۔

مثلاً "پڑ" میں زیادہ زور 'ر' کی حرکت پر تھا۔ جب وہ گری اور لفظ احادی المقطع بن گیا تو سارا زور "پ" پر آ پڑا اس لئے اس حرکت کو کھینچ دیا گیا۔ اس کے برعکس جب کلمے کے آخر میں کوئی تعمیری جزو یا لاحقہ جوڑا جاتا ہے تو پہلے کلمے کی طویل حرکت (علت) کو قصیر بنا کر ہلکا کر لیا جاتا ہے۔ جیسے پن چکی۔ (پانی + چکی) پھلیل (پھول + تیل) وغیرہ۔

(۲) مرکب یا مشدد حروف کی ماقبل حرکات کا کبھی اشباع ہو جاتا ہے۔ اور کبھی تھ اور کھ یہ ترتیب چ اور اُچ سے بدل جاتے ہیں اصطلاح میں اسے گن کہتے ہیں۔ اشباع کی مثالیں (۲)

سنسکرت	پراکرت	اردو
اگنی	آگی	آگ
×	پتی	باپ
ہستی	ہتھی	ہاتھی
اکش	اکھ	ایکھ
جہوا	جبّھا	جیبھ

(۱) تقابلی گرامر جلد اصفحہ ۱۵۹ (۲) کیلاگ پارہ ۳

بھیک	بھکھا	بھکشا
بھوک	بُھکھ	بُھکشا
دودھ	دُدّھ	دُگدھ
پوت	پُتّ	پُتر
اونچا	اُچّچ ۔ اُچّ	اُچّ

یہ کلیہ نہیں۔ کچھ الفاظ جو غالباً براہ راست 'پراکرت' سے لئے گئے ہیں۔ مشدد استعمال ہوتے ہیں۔ ان میں ماقبل حرکت کا اشباع نہیں ہوتا۔ جیسے مٹی۔ کچھا؛ 'شورسینی' اور 'ماگدھی' میں عام طور سے مشدد حروف باقی رکھے جاتے ہیں اور ماقبل حرکت اگر ممدود ہے تو مقصود کرلی جاتی ہے۔ تقصیر کا یہ رجحان پالی میں بھی تھا۔ (۱)

اس کے برعکس مشدد کی تخفیف اور ماقبل حرکت کا اشباع مہاراشٹری اور اودھ ماگدھی کی خصوصیت ہے۔ 'اردو' مہاراشٹری کی ہمنوا ہے۔ 'پنجابی' کا رجحان وہی ہے جو شورسینی کا تھا (۲) "گن" کی مثالیں۔

توند	توند	تُند
کوکھ	کوکھی	کُکش
کوڑھ	کوڑھ	کُشٹھ
پوتھی	پوتّھا	پستکم
سیندور	—	سِندور
بیل	—	بِلوَ

(۱) بھنڈارکر صفحہ ۴۴ (۲) وولنر صفحہ ۲۷

سیم	—	شھما
بھوندو	مودھو	مگدھ

قاعدے کے مطابق ان مثالوں میں بھی حرکتوں کا اشباع ہونا چاہیئے۔ بیمز کی رائے ہے کہ غیر آریائی زبانوں کے زیرِ اثر ایسا نہیں ہوا(۱) تحقیقی طور پر اس سلسلے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اردو میں مشدّد یا مرکب حروف کی ماقبل حرکت کا اشباع ضرور ہونا چاہیئے۔ اس صورت میں حرکت کا گُن اُردو کے عام رجحان اور اس کے مزاج کے خلاف ہے۔ بیمز اسے اجنبی زبان کا اثر بتاتے ہیں۔ کلمے کو اپنی حالت پر رکھنا اور اشباع نہ کرنا بھی اردو کی فطرت نہیں۔ یہ 'شورسینی' میں تھا۔ وہاں سے 'پنجابی' اور 'سندھی' میں آیا۔ لیکن 'سندھی' میں کلمے کی تخفیف کر لی گئی۔ 'پنجابی' نے اس کو بھی گوارہ نہ کیا(۲) 'اردو' میں مشدّد کلمات کی کثرت سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ یہ پنجابی کا اثر ہے۔ مثلاً۔ پتھر۔ پٹا۔ پکا۔ بتی۔ بھٹی۔ یہ کلمات بنگالی میں مخفف ہیں اور یہاں ان کی ماقبل حرکت کھینچ کر پڑھی جاتی ہے۔ 'بیمز کا بیان ہے' کہ ہندی (اردو) کے دو رُخ ہیں۔ ایک 'مغربی' دوسرے 'مشرقی'۔ غربی علاقے میں اس کا میلان قصیر حرکات کی طرف ہے اور مشرقی حصے میں طویل حرکات کی طرف (۳) میرے خیال میں یہ صحیح نہیں۔ ہریانی میں جو 'اردو' ہی کا ایک گروپ ہے' وہ تمام کلمات مخفف کر لئے گئے ہیں اور اشباع حرکت سے پڑھے گئے ہیں جو 'اردو' میں مشدّد تھے۔ اس کی چند مثالیں جو اوپر درج کی جا چکی ہیں پھر لکھی جاتی ہیں۔

---

(۱) تقابلی گرامر جلد ۱ صفحہ ۱۵۷ (۲) تقابلی گرامر جلد ۱ صفحہ ۱۵۳ (۳) ایضاً صفحہ ۱۵۳۔

اُردو	سریائی
مکھن	ماکھن
ہڈی	ہاڈ
مٹی	ماٹی
رکھے	راکھے

صحیح بات یہ ہے کہ تخفیف اور اشباع اُردو کی اپنی چیز ہے۔ یہ کسی دوسری اپنی یا پرائی زبان کا اثر نہیں (۱)

(۳) سنسکرت ऐ اور औ اُردو میں روپ بدل کر ے اور و ہوگئے ہیں۔ یہ رجحانات قدیم ہے۔ پالی اور پراکرت میں تھا (۲)

گورا		گورَہ
تیل		تیلَ
چوز		چوَرَ
جوبن	حودن	یوَوَن
موتی		موکتکم
گیرو		گیرک
جھولی		جھولکک

اُردو میں مجہولی "ے" اور "و" بھی ہیں۔ یہ جدید حرکات میں غالباً अइ (ے) [illegible] (ی) اور अउ (ے) [illegible] (و) کی تالیف و ترکیب سے وجود میں آئیں۔ اس کے مقابلے میں سنسکرت ऐ اور औ کی ترکیب अइ (ے) [illegible] (ے) اور [illegible] (ے) ، [illegible] (ے) سے ہوئی ہے۔ ان حرکات کی ایک مرکب صورت اور بھی ہے جو دہر حرکت۔ ... بعض دیسی بولیوں میں

مستقل ہے۔ وہ یہ ہیں ۔ अइ (اَے) اَو (اَو) یہ سب ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ سنسکرت مرکب سوَر (حرکات) کو کسی قدر سُرعت کے ساتھ اور زور دے کر تلفظ کیا جاتا ہے اور اُردو حرکات کا ٹھہر کر۔ جیسے "میں" اور وغیرہ؛ پراکرت میں الگ الگ دو حرکتیں ہیں۔ الگ الگ، دونوں کو ادا کیا جاتا ہے۔ جیسے "۔ے ا ی" "نائی" میں اور "ے ا و" "ناؤ" میں۔ اُردو "ے" اور "۔و" ایسے ہیں جیسے "عرشیا" آئے اور "آؤ"، عیب اور طور وغیرہ میں۔

ایسا، جیسا، کیسا، تیسا، یہ کلمات وہ مشتق ہیں جو "ایہ" اور "شا" یا "سا" کی ترکیب سے خود "اردو" میں گھڑے گئے تھے۔ بیل میلا اور تھیلی سنسکرت "بلی۔ ملی اور تھلی" سے ڈھالے گئے ہیں۔ بیمز کے خیال میں ان کی "ی" آخری "ی" کی شرمندۂ احسان ہے۔ (۱)

(۴) کبھی شروع سے حرف علت ساقط ہو جاتا ہے۔ "آ" کے سقوط کی مثالیں:-

بھیتر	—	آبھیتر
پجی	پی	اپی
ریٹھ	اریٹھ	اریگمٹ
بھینگا	ابھینگ	ابھر۔ اُنج
جیا نگنا	اجھینگ	ادھیاکش

---

(۱) مقالۂ گرامر جلد ۱ صفحہ ۱۵۸

'آ' کے سقوط کی مثالیں :-
بیٹھنا : اُٹو اِٹھو۔ اُپ وِٹھ اپ وشٹ۔
(۱) کی مثال
چاہنا اچّھا (۱)
جان بیمز کے خیال میں ابتدائی حروف علت صرف ان کلمات سے گرتے ہیں جو آپ سرگ (سابقوں) کی مدد سے بنائے گئے ہیں (۲)
(۵) آخر سے بھی حروف علت گر جاتے ہیں اور یہ بکثرت ہوتا ہے۔
'ا' کی مثالیں :-

نیند — ندرا
چھال — چھایا
بات — وارتا
پرکھا — پریکھا — پریکشا
بانگ — وانگا
جیبھ — جہوا

'ی' کی مثالیں :-

گابھن — گربھنی
بہن — بھگنی

'ے' کی مثالیں :-

سسرال — شوشرالے
چھنال — کیشالے

پیچھے" کی مثالیں۔

پاس		پارشوے
سنگ		سنگے

تیجے، پاد، تلے، اپنی اصلی حالت میں ہیں۔

(۷) سنسکرت ... اردو میں نہیں۔ اس کی جگہ ... اور ... بیچ ... ملتی ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

گھٹ	گھٹو	گھرشٹ
مٹی		مرتکا
گدھ		گردھر
گھس		گھرنا
گھی	گھئم	گھرتم
پیہر	پترگھر	پترگرہم
میٹھا	مٹھا	مرشٹم
بڈھا		وردھ
پوچھ	پچھ	پرچھ
مُوا		مرتہ
بھائی		بھراتر
مائی		ماتر

بعض جگہ سنسکرت (ر) کا روپ اختیار کر لیتی ہے جیسے گھرت سے گھر۔ بعض کہتے ہیں کہ سنسکرت، اور پراکرت میں گرہ کا بدلا ہوا روپ گیہ ہے اس لئے اردو "گھر" کا ماخذ "گرہ" نہیں بلکہ

اس کا کوئی اور قدیم روپ "گرہ" ہے (۱) بھتیجا اصل میں "بھرا آترجا" تھا اور بھاوج "بھرا اترجایا"۔ درانے ایک جگہ تے کا روپ اختیار کیا اور دوسرے جگہ 3 کا: "بھتی" "بھاتی" کا مخفف ہے۔ یہ لفظ آج بھی "اردو" میں بولا جاتا ہے۔ اور "پراکرت" "بھاآ" سے زیادہ قدیم ہے: "بھاتی" وہ لوگ جو بھات لے کر آئیں یعنی بھائی۔ بھتیجے وغیرہ۔

(۷) اردو میں اکثر حرکات جگہ بدل کر کہیں سے کہیں پہنچ جاتی ہیں۔ اسے قلب حرکت کہہ سکتے ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

الی	آنکا
اُنگلی	اُنگلی
بوندی	بندر
مُوچھ	شمشیر
کھمبل	کھرچ
چُونچ	چیخ

"بمیز" نے حرکات کے ردوبدل کا ایک اصول بتایا ہے کہ اگر دو حرکتوں کے درمیان مخلوط حروف صحیح حائل ہوں تو بعد کی حرکت پہلی حرکت کی جگہ آجائے گی۔ اور اگر بسیط حروف صحیح ہو تو دونوں حرکتیں ایک دوسرے میں مدغم ہو جائیں گی ے اور ـِ مل کر "ــے" ہو جائیں گے اور ے اور ـُ سے "ـو" وجود میں آئے گا۔ جیسے چنچ سے چونچ۔ پتر سے پیٹر۔ ملی سے بیل (۲)

---

(۱) جلد ۱ صفحہ ۱۲۶ (۲) جلد ۱ صفحہ ۱۳۷۔

(۸) بسیط حرکات کا باہمی تبادل بہت ہوا ہے۔ اس کا کوئی بندھا ٹکا ضابطہ نہیں۔ ذیل میں چند مثالیں دی جا رہی ہیں: "ے" کا تبادل "ِ" سے

پینتیس — پنځ دِرشت
سینتالیس — شپیته څلوارښت
بینگن — ډِنگر

"ِ" سے جیسے

پنجرا — پنجرَ
گنا — گنړَ

"ُ" "ے" سے جیسے

نیول — نکل
کیلا — کدولی
ربڑ — بدرَ

"ُ" کا تبادل "ُ" و "ے" سے

سونگھ — شنگھَ
بچھو — ونچھا — ورشیچک
گیرو — گیرگ

"ی" کا "ے" سے جیسے۔

پریکشا

"ی" کا "ئی" جیسے

بھائی — وائی

(۹) دو بسیط

(۹) دو بسیط حرکتوں کا اجتماع اردو میں ثقیل سمجھا جاتا ہے۔ اگر یہ حرکتیں ہم جنس ہیں تو مدغم ہو کر حرف علت کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔
"ے × ے" سے "ا" وجود میں آتا ہے۔

میلا	میلَ × ے	مَیلکہ
گھوڑا	گھوٹ × ے	گھوٹکہ

اور اگر مختلف الجنس ہیں لیکن قابل تعلیل ہیں تو تعلیل (سندھی) ہو جاتی ہے۔ [illegible] اور [illegible] سے [illegible] بنتا ہے۔

(نہ) چلے	چلَ × ے	چلتی (چلیت)
(تو) کرے	کرَ × ے کرَ × و	کرسی (کرسِ)

[illegible] اور [illegible] سے [illegible] ہوتا ہے۔

گرو گرَ × ے	گرَ × و	گرس۔ گرسو

کبھی "ے و" کی جگہ "ے و" بھی ہو جاتا ہے۔ جیسے، چوتھا۔]
چ × ے تھ۔ چ + ارتھ چترتھ۔ یا چودہ چ + ادہ۔ چ × اردش۔ چتردش۔ یا انول۔ ناول۔ بمگل۔
اور اگر قابل تعلیل نہ ہوں تو اپنی حالت پر قائم رہتی ہیں۔]
لیکن اردو میں عام طور سے [illegible] یا [illegible] کے بعد [illegible] (ی) سے بدل جاتا ہے، جیسے۔

رکھی	رکھ × ے	گھرتہ
بیاہ	ب × ے اہ	وِواہ (۱)

(۱) "وِواہ" میں "و" ما قبل کسرہ کی وجہ سے "ی" ہو سکتا ہے "یا" کی "ی" اور "کنواں"

گھوڑی	گھوڑیا۔ گھوڑ ـــ ا	گھوڑیکا
پپاسا	پ × ـــ اسا	پپاسہ
ریا	ر × شـــا۔ رشا	ردیپ (۱)

ड़ یا ढ़ کے بعد ण ण (ن) ہو جاتا ہے۔ جیسے۔

کالو	بال × ـــ	کالک
کوا (کنواں)	ک × ـــ	کوپ
موا	م × ـــ	مرشہ (۲)

(۱۰) ऋ کے بعد آنے والے त اور थ ساکن کر دیئے جاتے ہیں اور ऋ ष سے "ش" اور त्र سے "ٹ" نئے وجود میں آتے ہیں۔

جیسے

میں	نیم	ویم
اوڈ	اوڑ	اکڑ
نیش	نینَ	نمینَ
سمے	—	سمجے
لونگ	—	لونگ
لون۔ لونَ	—	لونڑ
سوت	سوتی	سیتکنی
کوڑی	کوڑکیچ	کیرو
بھنا	بھاون	دامن
پچوڑی	چاوُر	چامر

---

(۱) ہیر چلد اصلح ۱۸۰، (۲) ایضاً

(۱۱) جھ یا جھ کے بعد آنے والے تھ اور ڈ بترتیب جھ اور ڈھ سے بدل جاتے ہیں۔

باولا	با × ڈ لا	وَاتُلہ
کویل	کو ـــ ل	کوکِل

لیکن وہ اور سے اگر کلمے کے آخر میں ہوں تو اپنی حالت پر قائم رہتے ہیں۔ دستور کے مطابق ان کا اشباع ہو جانا چاہئے۔ جیسے

کوئی		کوپ
نائی	(ناپ)	ناپِت
پانی (سوئی)	(ا ت)	پانیہ (سوچی)

کچھ کلمات اردو میں وضع کئے گئے ہیں جن میں ے، یا، ئے کا اجتماع وے اور ے، کے ساتھ ہوگیا ہے۔ جیسے لائی۔ دھلائی۔ کتائی۔ بھنوئی۔

(۱۲) مرکب یا ممدود حروف علت کے بعد آنے والی حرکتیں با مقصود علتیں زد جاتی ہیں۔

زونا	وہ ــ نا	دُوگُنا =	(دُوِگُنتِرِک)
رونا	رو ـــ نا	رُدنَم	(۱)

(۱۳) سنسکرت ـ اور ـ پالی میں غنہ ہو جاتے تھے۔ (۲)

اردو میں یہ رجحان بہت شدید ہے۔ جیسے۔ گودھوم

چلول	چلا ـ م	چلامی

---

(۱) ہمیز جلد ا صفحہ ۱۹۸ (۲) بھنڈارکر صفحہ ۵۰

دھواں	دھوم
گاؤں	گرام
کنوارا	کمار
کانپنا	کمپن
کانٹا	کنٹک
چاند	چندر
بھونرا	بھرمر
سائیں	سوامی

کچھ کلمات اردو میں ایسے ہیں جن میں غنہ پایا جاتا ہے۔ لیکن اصلی کلمات جن سے وہ بنے ہیں "م" یا "ن" سے خالی ہیں۔

آنسو	اشرو
سانس	شواس
پھانس	پاش
بھوں	بھرو
جوں	یوکا
جونک	جلوکا
پاؤں	پاو

(۴)

حروفِ صحیح

شروع میں آنے والے حروفِ صحیح میں عام طور سے کوئی تغیر نہیں ہوتا لیکن کبھی کبھی مابعد حروف کے زیرِ اثرات میں خفیف سی تبدیلی ہو جاتی ہے۔ مثلاً ذیل کے کلمات میں "ہ" یا "ش" کی وجہ سے شروع کا حرفِ صحیح مخلوط ہوگیا ہے۔

پھانس		پاشا
کھاپ		کشیپ
پھول	پہپھ	پُشپ
کھانسنا		کانس
جِھی (دبیجی)		دُھکّتر
گھر		گرہ
بھینس	مہیس	مَہیش

"کھیل" کی بابت کہتے ہیں کہ وہ "سنسکرت" ۵ "کریڈ"[1] سے ماخوذ ہے لیکن خود سنسکرت میں ایک مادہ "کھیل" ہے جس کے معنی ہلانے اور کھیلنے کے ہیں (۱)

(۱) ویراکرت میں (ماگدھی کو چھوڑ کر) "ش" "س" سے بدل جاتا تھا۔

(۱) بمبیز جلد ۱ صفحہ ۲۳۹

یہ رجحان اُردو میں بھی ہے اور بہت عام ہے۔

سِل	شِلاً
سائک	شَاکَ
سو	شَتَ
سولہ	شوڈش

(۲) الف، پنجابی، میں اکثر "ہ" سے بدل گیا ہے؛ اور پنجابی میں "ہ" ہو، بولا جاتا ہے، اُردو میں بھی اس کی دو ایک مثالیں ہیں۔

ہونٹ	اوشٹ

(۳) "ی" کا "ج" سے بدل جانا، ماگدھی کے علاوہ تمام پراکرتوں میں تھا۔ اُردو میں یہ تغیر کلمات کے شروع میں بھی دیکھا گیا ہے۔

جب	جاو	یاوت
جد	جدھا	یَدٰ۔ یتھا
جُو	—	یدٰ۔ یو
جوگی	—	یوگی۔

(۴) "ن" "ل" سے بدل جاتا ہے۔

لاد(نا)		نی
لوٹنا	نوٹے	نوتریت

(۵) "بھ" شروع کلمے میں ہوتے ہوئے بھی "ہ" کا روپ اختیار کر لیتا ہے۔

ہانڈی	بھانڈکا
ہنڈی	بھنڈکا

مشہور ماہر لسانیات "گریم" کا یہ اصول کہ شروع کلمے کے حروف صحیح جوں کے توں باقی رہتے ہیں اور ان میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں ہوتا جہاں تک "اردو" کا تعلق ہے کلیہ کے طور پر پیش نہیں کیا جاسکتا۔

(۱) وسط میں آنے والے حروف میں بہت کچھ ردو بدل ہوتا ہے قدیم "پراکرت" یعنی "پالی" میں حرکات کے درمیان واقع ہونے والے حروف "ک، ت، پ" بترتیب "گ، د، ب" سے بدل جاتے تھے۔ مہاراشٹری میں یہ حروف حذف ہو جاتے تھے اور ان کی حرکتیں ان کی جگہ لے لیتی تھیں۔ (جین پراکرت) میں ساقط شدہ حروف کی جگہ ایک خفیف التلفظ "ی" اضافہ کر دی جاتی تھی (۲) "ماگدھی" اور "شورسینی" وغیرہ میں اکثر ان حروف کو گرانے کے بجائے "پالی" کی طرح "ک۔ د۔ ب" سے بدل کر خفیف کر لیا جاتا تھا۔ اردو میں دونوں رجحان ملتے ہیں۔

الف۔ یہ حروف ساقط ہو جاتے ہیں۔
"ک" کے سقوط کی مثالیں۔

لوہار	لوہ کار
سنار	سُورن کار
کمہار	کُمبھ کار
پیول	پَنکل
مول	مُکل

"گ" کی مثالیں۔

دونا	دوگُنو	دوگُنتہ
نیہر (ہیکانیوں میں)	نیہرُو	نگرہ

سوندھا ۔	شاندہ	سُگندھ
بہن		بھگنی
سچ، کی مثالیں		
سوئی		سوچی
ج، کی مثال ۔		
راؤ	را۔ ۔۔و	راجا
ت، کی مثالیں ۔		
باؤلا		واتُل
پیارا		پریَتَر
کئی		کتی
سو	سُو	شَتَ
گھاؤ		گھات
د، کی مثالیں		
ہیا		ہِرِدَے
رونا		رودَنم
کیلا		کدَلی
پ، کی مثالیں		
پانا		پراپنم
دیا		دِیپ
کنواں		کوُپ
پیاسا		پِپاسِتہ ۔ پیاس

'بیمز' کا کہنا ہے کہ 'ٹ' اور 'ڈ' کبھی ساقط نہیں ہوتیں۔ غیر آریائی لفظوں میں تو اس کا امکان ہی نہیں اس لئے کہ وہ یہاں کلمے کا ایک اصلی اور حقیقی جزو ہیں۔ آریائی لفظوں میں 'ت' اور 'د' کا بدلا ہوا روپ ہونے کی وجہ سے ان میں مزید تصرف روا نہیں سمجھا جاتا۔ اردو میں بہت کم یہ حروف اپنی اصلی حالت پر قائم رہتے ہیں۔ اس کا تفصیل آپ آئندہ ملاحظہ فرمائیں گے۔ 'ب' ابھی بہت کم گرتی ہے۔ ان حروف کے ساقط نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جہاں ضرورت پڑتی ہے یہ اپنا جوڑا بدل لیتے ہیں اس طرح ان کی ثقالت کم ہو جاتی ہے اور ان کو گرانے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

اب، شدیدہ رخوہ سے بدل جاتے ہیں:۔

'ک'، 'گ'، ہو جاتا ہے۔

لوگ		لوک
آنگلس (ابلیں)		آکاش
سُوگ		شوک
کنگن		کنکڑو
پلنگ	پلنکو	پرینک
نسگلا (اسپ)		نسگلگ
بگلا		وُلاک
کاگ (کوّا)		کاک

'چ'، 'ج'، ہو جاتی ہے اور 'چھ' 'جھ'۔

کنجی	کنجک
جھائی	چھایا

'ٹ'، اول 'ڈ' کا روپ اختیار کرتی ہے۔ پھر 'ڈ'، 'ڑ' ہو جاتی ہے۔

گھوڑا	گھوڑو	گھونگر
گھڑا	گھڑو	گھنگرہ
کڑاہی	کڑاہو	کنٹاہ
بھاڑا		بھاٹک
کواڑ	کواڈو	کپاٹ
کپڑا	کپڈو	گرپٹ
ساڑی	ساڈی ے	شٹکا
بڑ	وڈو	وٹا
کیڑا	کیڈو	کٹیک

'پ'، 'ب' کا روپ اختیار کرتی ہے اور 'ب'، 'و' کا پھر 'و' حسب دستور ساکن ہو جاتا ہے۔

سُونا (سونا)		سُوَرنَ
کوڑی	(اگودہ)	گپرو
اوپر	اُوَر	اُپَر
تاؤ		تاپ
سوت		سُپتنی
لنگوٹ		لنگ پٹ

ان حروف کے حذف و ابدال کے سلسلے میں 'بیمز' نے یہ اصول بتایا ہے کہ ان سے پہلے اگر ممدوح حرکت یا علت ہو تو یہ گر جاتے ہیں اور اگر ان سے

پہلے مقصود حرکت ہو تو یہ علی حالہٖ قائم رہتے ہیں یا تبادل کے ذریعے اُن کی تسہیل کرلی جاتی ہے (١) لیکن مندرجہ مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کلیہ نہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ اگر کسی وجہ سے ان کی تسہیل نہیں کی جا سکتی تو یہ حذف ہو جاتے ہیں۔ زبان کا اصلی اور طبعی رجحان یہی ہے کہ ان کو بدل کر سہل اور ہلکا کرلیا جائے۔

(٦) 'سنسکرت' 'ٹھ' جو پراکرت میں 'ڈھ' ہوگئی تھی' 'اردو' میں 'ڑھ' ہو جاتی ہے۔

پڑھ	پڈھو	پیٹھ
پیڑھا	پاڈھو	پیٹھک

'سنسکرت' 'ڈ' اُردو میں 'ڑ' ہوگئی ہے جیسے :-

آڑنا	اوڈی
جاڑا	جاڑے

'سنسکرت' 'ت' 'اردو' میں کبھی 'ٹ' سے اور 'ڈ' 'د' سے بدل جاتی ہے۔

ٹیکا	تِلک
ڈر	در
ڈسنا	دَنش
ڈنڈا۔ ڈانڈ	دَنڈ
ڈولا	دُل
ڈالی	دَل

چند کلمات ایسے ہیں جن میں 'ت' 'ٹ' اور 'ڈ' ہوتی ہوئی 'ڑ'

---

(١) جلد ١ صفحہ ٧٥۔

ہو گئی ہے۔

پڑتا	پیٹ	پٹھ	پنت
پڑوسی	پیٹ وسی	پٹد وسی	پرتی ویشی
اکھاڑا	اکھاسٹ	اکھ ٹر	اٹ کھاٹ

(۸) ان حروف نے 'ی' کار" بھی اختیار کیا ہے۔ جیسے:-

گیا	گتہ
رائے	راجا

(۹) 'سنسکرت' کے مخلوط بہ حروف میں ۔ ت ' وتقفیہ' گر جاتا ہے اور صرف 'د' باقی رہ جاتی ہے۔ یہ تغیر 'تھ' 'گھ' 'دھ' ۔ اور 'بھ' میں زیادہ ہوا ہے۔

کہنا	کتھنم
مینھ	میگھ
بہرا	بدھر
اہیر	ابھیر
گیہوں	گودھوم
منھ	مکھ
دھی	دَدھی
بہو	ودھو
سُہاگ	سُوبھاگیہ

(۱۰) 'صفیریہ' حروف میں سے 'ش' عام طور سے 'س' ہو جاتا ہے۔ اور 'س' 'ہ' سے بدل جاتا ہے۔ 'پنجابی' اور 'سندھی' میں غالباً 'فارسی'

کے زیر اثر "س" "ہ" سے تبادل بہت عام ہے۔

تیہا	ترشنا
پاپا	پاش
سہرا	خشوشتر
بارہ	دوادش
اکہتر	ایک ستپتتی
نہان	سنان
(ہ) دہاڑ سے دھڑو	دروکشہ

(۱۱) "س" اور "ش" کو "چ" اور "چھ" سے تبادل ہند ایرانی عمل کی یادگار ہے۔ "سنسکرت" "چہایا" "فارسی" میں "سایہ" ہے۔ اردو میں بھی اس کے آثار ملتے ہیں۔

لالچ	لالسا
بچھ	شرش
چھٹا	ششٹھ
چھوکرا چھاچھ سے	شاوک

(۱۲) اردو کے بعض الفاظ میں "س" اول "ہ" "ب" اور "ح" حذف ہو گیا

(الف) کرسے کر سے کرہ کرش

کرۂ کرسے کرہٗ کرس کرشو

(۱۳) "سنسکرت" "کہ" جو در اصل "ہ" اور غنہ سے مرکب ہے کبھی "گ" سے بدل جاتا ہے اور ماقبل حرکت کو غنہ بنا دیتا ہے۔ جیسے:-

گانو	گرام

آنولا	آنک
سانولا	شامک
گنوارا	گمار
آنولا	آم
کنول	کمل

ذیل کی مثالوں میں غنہ حذف کر دیا گیا ہے اور مشفوعی 'و' کو ماقبل حرکت میں مدغم کر دیا گیا ہے یا یوں کہیے کہ ساکن کر دیا گیا ہے۔

بھونا	بامن
گونا	گمن

اس کے برعکس کبھی 'و' 'م' کا روپ اختیار کر لیتا ہے۔ یہ تبادل زیادہ قدیم ہے۔ اس کی مثالیں پالی میں بھی ہیں۔ 'م' 'و' سے تبادل بعنڈارکر کے خیال میں حال کی چیز ہے۔ زیادہ سے زیادہ اپ بھرنش عہد میں اس کا آغاز ہوا۔

نیم	نیو	نیپ
میا	میم	دیم
وغیرہ		وغیرہ

(۴۱) 'سنسکرت' کہہ اکثر اردو میں 'ر' ہو جاتا ہے۔ 'ر' اور 'ل' کے ہم جنس ہونے کی وجہ سے ماگدھی اور قدیم ویدک میں 'ر'

۱۱۱۔ بھگوڑ صفحہ ۱۷۵

'ل' سے بدل جاتی ہے۔ (۱)

لنگر		لانگل
سیار		شرگھل
سراسنا	سلاہ	شلاکھ
ڈلارا		ڈرلل
اٹاری		اٹالکا

(۱۵) 'ی' کی بابت پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ وہ شروع کلمے میں 'ج' سے بدل جاتی ہے۔ وسط کلمے میں عام طور سے وہ 'ج' کی شکل اختیار کرتی ہے۔ یا یوں سمجھیے کہ ساکن ہو جاتی ہے اس کی متعدد مثالیں اوپر دی جاچکی ہیں۔ آخر میں بھی 'ی' نے کہیں کہیں 'ج' کا روپ اختیار کیا ہے۔ جیسے 'کاریہ' سے 'کاج'۔ اردو 'لاٹھی' کو سنسکرت 'یشٹی' سے ماخوذ بتلایا جاتا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو 'ل' کو بھی 'ی' کا بدل ماننا پڑے گا۔ بیمز، اس اشتقاق کو شبہ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ وہ پراکرت 'لٹھی' کو مادہ "لٹ" سے مشتق مانتے ہیں۔ (۲)

(۱۶) 'و' قریب قریب ہر جگہ 'ب' سے بدل گیا ہے

سنب	سنرو
بس	وِش
بیل	ولی
بلی	وڈالکا

(۱۷) عام طور سے کلمے کے آخر کا 'و' (اصل ہو یا 'ب' کا بدل) حذف

---

(۱) مبادیات پراکرت صفحہ ۷ و صفحہ ۹۲ (۲) جلد ا صفحہ ۲۵۰

ہو جاتا ہے۔

جی		جیبھ
پا (نا)	پاؤ	پراپ
تا (نا)	تاؤ	تاپ

خصوصیت کے ساتھ متعدی بالنفس افعال کا 'و' جو 'پ' کا بدل ہے اُردو میں گر گیا ہے۔ قدیم 'اردو' میں یہ بولا جاتا تھا 'اُردو' کا لاحقہ تعدیہ سے 'او' پراکرت سے 'اپے' سے ماخوذ ہے۔

جلانا	جلاونا	جلاوے	جلاپیتی
چلانا	چلاونا	چلاوے	چلاپیتی
اٹھانا	اٹھاونا	اٹھاوے	اٹھاپیتی

ج۔ حروف مخلوط

جان بیمز نے صوتی تبدیلیوں کے پیشِ نظر حروف کی دو قسمیں کی ہیں:۔ 'ضعیف' وہ یہ ہیں۔ م۔ ی۔ ر۔ ل۔ و۔ ن۔ س۔ ش۔ ہ۔ باقی سب حروف 'قوی' ہیں۔ اس حساب سے 'مخلوط حروف' کی حسب ذیل تین قسمیں ہوئیں۔

(۱) قوی حروف کے مخلوط جیسے پت۔ گدھ۔ بچ۔ وغیرہ۔

(۲) ضعیف حروف کے مخلوط جیسے شتر۔ ری۔ ئو۔

(۳) ملے جلے حروف کے مخلوط جیسے۔ تن۔ دھی۔ دی۔

ان مخلوط حروف کی صوتی تبدیلیوں کے اصول جو بیمز نے لکھے ہیں ذیل میں دیئے جاتے ہیں (۱)۔

(۱) پہلی قسم کے حروف میں 'مخلوط' کا پہلا حرف ساقط ہو جاتا ہے۔ اور

اس کے ماقبل حرکت کھینچ دی جاتی ہے۔ 'پراکرت' میں پہلا حرف دوسرے میں مدغم ہوجاتا ہے۔ اس قسم کے تمام الفاظ 'پراکرت' دور سے گزرتے ہوئے اردو میں آئے اس لئے اردو میں مدغم حروف میں سے ایک کو گرا کر اس کی جگہ ماقبل حرکت کا اشباع کردیا گیا۔

مونگ	مگ	مُدگ
دودھ	دُدھ	دُگدھ
سات	ست	سپت

بعض کلمات اردو میں ایسے بھی ہیں جن میں 'پراکرت' کی طرح پہلے کو دوسرے سے بدل کر ایک کو دوسرے میں ادغام کردیا گیا۔ جیسے ستر جو اصل میں 'سپتتی' تھا۔ اس کے تغیرات یہ ہیں۔ سپتتی۔ ستتی۔ ستری۔ ستر۔ اس کی متعدد مثالیں اوپر آچکی ہیں۔

اس سلسلے میں 'بیمز' نے ایک اور امر کی طرف توجہ دلائی ہے۔ جو بہت اہم ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ موجودہ دیسی بولیوں میں ماقبل حرکت کا اشباع اس صورت میں نہیں کیا جاتا جب مخلوط حرف کے بعد طویل یا کسی قدر ثقیل جزو ہو (۲) جیسے مٹی اور کپڑا جو مرتکا اور کپچ سے بنے ہیں۔

(۳) دوسری قسم کے حروف میں جو حرف زیادہ ضعیف ہوتا ہے۔ وہ حذف ہوجاتا ہے اس کی کئی صورتیں ہیں۔

الف۔ دونوں غنہ ہوں۔ یہ بہت کم ہوتا ہے۔ 'ن' اور 'م' کے خلط ملط ہونے کی صورت میں 'ن' اول 'م' ہوتا ہے پھر ایک 'م' گر جاتا ہے۔ جیسے۔

---

(۱) تقابلی گرامر جلد ۱ باب چہارم

(۲) جلد ۱ صفحہ ۲۸۲

جھنا (دانگنا)،	جھم	جھنم

ب۔ اگر ایک غنہ اور دوسرا نصف حرفِ علت (ی۔ ر۔ ل۔ و) ہو۔ اس صورت میں نصف حرفِ علت گر جاتا ہے۔ چاہے غنہ سے پہلے ہو یا بعد میں۔

شونا		شُونیہ
اون		اورنئر
کان		کَرنئر
کام	کَم	کَرم
دھام	دھم	دَھرم
چام	چم	چرم
رن		اَرنیہ
مان		منیہ
آم		اَمر
تانبا		تامُر
پان		پَرنئر

'چھدا' اور 'پودا' کی اصل اگر وہ 'چھورنئر' اور 'پورنئر' ہیں تو ان کو مستثنیات میں شمار کرنا پڑے گا۔ اس لئے کہ ان میں 'نئر' ۔۔۔ غنہ حذف ہوا ہے۔ 'بیمز' ان کلمات کو براہ راست سنسکرت 'چھد' اور 'پود' سے ماخوذ بتاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں انہیں اپنے طریقے سے خود اُردو میں وضع کر لیا گیا۔ اُردو چھدن کا ماخذ 'سنسکرت' 'چھورنئر' ہے۔ یہ قاعدے کے خلاف ہے۔ اس میں غنہ اور نصف علت دونوں موجود ہیں۔ 'املی' کی کیفیت بھی یہی ہے۔ یہ سنسکرت 'املکا' سے لیا گیا ہے۔ اس میں 'م' بھی ہے اور 'ل' بھی۔ 'بیمز' 'چھدا' کو بھی 'چھورنئر' ہی سے

ڈھلا ہوا مانتے ہیں (۱) گھومنا اور گھورنا دو مختلف مادے ہیں۔ بیمز ان دونوں کی اصل "گھورنٹر" بتاتے ہیں۔ جس کے معنی ہیں گردش اور دوران۔ گھورنا میں 'ر' قائم رہی ہے۔ اور گھومنا میں "نٹر" لیکن 'ر' کے ضم ہو جانے کے بعد 'نٹ' نے 'م' کا روپ اختیار کر لیا۔ بیمز نے اشتقاق کو کچھ زیادہ تسلی بخش نہیں بتاتے (۲)

ج۔ ایک غنہ اور دوسرا صفیری (س۔ ش۔ ص۔) ہو۔ اس میں کوئی خاص اور منضبط اصول نہیں۔ کبھی غنہ گر جاتا ہے۔ جیسے۔

راس۔ رسّی۔	رشمی۔ (رشم)
مسان	شمشان

کبھی صفیری 'ہ' سے بدل جاتا ہے اور دونوں قائم رہتے ہیں۔

نہاں	سناں
کنہیلا	کرشن

د۔ دونوں نصف حرف علت ہوں۔ کبھی ایک ساقط ہو جاتا ہے اور یہ عام طور سے 'ی' ہوتی ہے۔ جیسے۔

مول	مولیہ
سکل	سکلیہ (لغوی معنی فجر)

اور کبھی 'و' جیسے۔

بسیل	بلو

کبھی دونوں قائم رہتے ہیں لیکن ایک اپنا روپ بدل دیتا ہے۔

پورب	پوروَ

---

(۱) جلد اصفحہ ۲۴۴ (۲) ایضاً صفحہ ۳۴۵

سورج — سوریہ
چھری — چھُریہ

کبھی دونوں اپنا روپ بدل دیتے ہیں۔

اناڑی — اَناڑیہ
پلنگ — پلنک — پریَنک
پلیٹا — پلیٹھ — پریَسیت

۵۔ صفیری اور نصف علت کا اجتماع۔ اس صورت میں کبھی نصف علت ساقط ہو جاتی ہے۔ جیسے۔

پس — پارشو
سانولا — شیاملک، شیامل
اُسرہ — مشٹیہ

کبھی صفیری گر جاتا ہے۔ جیسے۔

سر — شِرش

صحیح یہ ہے کہ "سر" فارسی ہے ہندی "سیس" "شیرس" سے وضع کیا گیا تھا۔

کبھی دونوں باقی رہتے ہیں۔ روپ بدل کر یا اصلی حالت میں۔

آسرا — آشرے
سراہنا — شلاگھا

(۳) تیسری قسم کے مرکبات کی بھی کئی قسمیں ہیں۔

الف۔ قوی اور غنہ (۱) کا اجتماع۔ اگر قوی پہلے ہو اور غنہ بعد میں تو غنہ گر جاتا ہے۔

آگ	اگن	اگنی
لاگ	لگ	لگن

اردو میں 'لاگ' کے معنی عداوت کے ہیں، دوستی کے لئے 'لگن' ہے۔ جو لاگ کا ماخذ ہے لیکن اس میں 'گ' اور 'ن' ایک دوسرے سے الگ کر لئے گئے ہیں۔

اور اگر غنہ پہلے ہے تو ماقبل حرکت کا گنا یا اشباع کر دیا جاتا ہے۔ اس صورت میں 'ن' کا اظہار تو بڑی بات ہے 'م' بھی غنہ ہو جاتا ہے۔

جانگھ	جنگھ
چاند	چندر
کانٹا	کنٹک
کھانبا	کمب
چونچ	چنچ
سونٹھ	شنٹھ
کاندھا	سکندھ

۱۱ غنہ سے مراد 'م' 'ن' وغیرہ حرف ہیں۔ جو سنسکرت میں انوناسک یعنی انفی کہلاتے ہیں۔ میں نے ہر جگہ ان کو غنہ کہا ہے۔ سنسکرت کے انوناسک اردو میں 'ن' سے بدل گئے ہیں۔ 'ن' کی دو حالتیں ہیں۔ اظہار اور اخفا۔ پہلی حالت میں اسے انوناسک کہنا چاہئے اور دوسری حالت میں غنہ۔

کنجی (کن + جی) میں 'ج' حذف ہوجاتا ہے اور غنہ باقی رہ جاتا ہے۔

جنیو		یجنوپویت
رانی	راگنی	راجنی
جاننا		جناں

ب۔ قوی اور نصف علت کا اجتماع۔ اس صورت میں نصف علت جو ضعیف ہے گر جاتا ہے۔

جوگ	جوگّ	یوگیہ
چونا (ٹپکنا)		چیو
باگھ	وگّھ	ویاگھر
آگے	اگّ	اگر
چاک	چکّ	چکر
دبلا	دُبّل	دُربل
پکا	پکّ	پکّو
جلنا		جوِل

اگر نصف علت کے ساتھ اسنانی حروف (ت۔ تھ۔ د۔ دھ) میں سے کوئی ایک ہو تو نصف علت ساقط ہو جاتا ہے اور اسنانی نصف علت کے مناسب کسی حرف سے بدل جاتا ہے۔ مثلاً 'ی' کے تعلق سے جن کی (چ۔ چھ) ہو جاتا ہے۔

---

(۱) جنیو کا 'ج' 'ی' کا بدل ہے۔ اصل کلمے کا 'ج' حذف ہوگیا ہے۔

ناچ		نرتیہ
سچ		ستیہ
آج		اَدْیہ
بانجھ		بندھیا
سانجھ		سندھیا
بجلی		ودیُت
اچنبھا	اپ ہچ	اُتت پدتی
بوجھا		بُدھیت

"ر" کے تعلق سے لسانی ہو جاتا ہے۔

بٹیر	وٹ ٹ و	وَرتک
کاٹنا	کٹنم	کرتن
کوڑی	گپنڈ	کپرد
گاڑی		گنتر

گاڑی میں "ت" نے کئی روپ بدلے ہیں۔ ت۔ ٹ۔ ڈ۔ ڑ، گنتی۔ گنی۔ گنٹی۔ گلای۔ گاڑی۔

"د" کی نسبت سے شفوی (پ۔ ب) ہو جاتا ہے۔ اس اصول کے مطابق سنسکرت [illegible] یا [illegible] اردو میں [illegible] یا [illegible] ہو گئے ہیں۔ یہ تغیر بہت قدیم بتایا جاتا ہے (۱)

بڑھاپا	وردھتو

میرا خیال ہے کہ بارہ اور بیس وغیرہ اعداد میں "دو" کی "د" نہیں

گی۔ بلکہ قاعدے کے مطابق 'و' حذف ہوا ہے اور اس کی نسبت سے 'د' نے 'ب' کا روپ اختیار کرلیا ہے۔ اس کی دو وجہ ہیں۔ ایک یہ کہ 'د' قوی ہے اور 'و' ضعیف۔ دوسرے 'دگنا' میں 'د' تو موجود ہے لیکن 'و' حذف ہوگیا ہے۔

یہ کلیہ نہیں۔ اردو میں ایسی مثالیں بھی ہیں جہاں 'ر' کے جذب یا حذف ہو جانے کے بعد بھی اسنانی حروف 'ت' اور 'د' اپنی حالت پر قائم رہے۔ اور ان کو لسانی نہیں بتایا گیا۔

مثلاً

کھیت	کشیتر
رات	راتر
پوت	پتر

'کھیڑا' کی بابت 'بیمز' کی رائے ہے کہ وہ کھیت کی طرح سنسکرت 'کشیتر' کی پیداوار ہے اور 'کھیت' سے زیادہ قدیم ہے۔ اس لفظ میں معنوی اعتبار سے کئی تصرفات ہوئے۔ اول اول یہ میدان اور مقام کے معنی میں بولا گیا۔ پھر اس جگہ کو کہنے لگے جہاں کسی زمانے میں کوئی شہر آباد تھا۔ اور اب کسی قدیم شہر کے آثار 'کھنڈر' 'ڈھنڈر' یا ٹیلے کو کہتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ یہ لفظ سنسکرت 'کھیٹ' سے وضع کیا گیا ہو۔

---

(۱) لیکن یہ بہت ہی نادر اور کمیاب ہے۔

بیمز جلد ا صفحہ (۳۲۵)

جس کے معنی گاؤں کے ہیں یہ دوسری بات ہے کہ ماہرین لسانیات کھیٹ کا بھی کشیتر ہی سے جوڑ لگا لیتے ہیں۔

ج قوسی کا صفیریہ کے ساتھ اجتماع (س، ش) اس صورت میں صفیریہ گر جاتا ہے۔ لیکن گرتے گرتے بھی 'وقفیہ' کو ہائیہ بنا دیتا ہے۔ یا یوں کہئے کہ 'صفیریہ' 'ہ' کا روپ اختیار کرکے 'وقفیہ' میں ضم ہو جاتا ہے۔ 'ش' کی مثالیں

اِچھ	اکشُ
آنکھ	اَکشِ
دیکھ	درکش
سوکھا	شُشک
تیکھا	تیکشنر
پیچھے	پشچا
کھیت	کشیتر
کھیر	کشیر
پیٹھ	پرشٹ
آٹھ	اَشٹ
کاٹھ	کاشٹ
کھار	کشار

'س' کی مثالیں یہ ہیں:-

تھن	ستن

۱) بیمز صفحہ ۳۲۸

تھم (ستون)	سٹمبھ
ہاتھ	ہست
ہاتھی	ہستن
ماتھا	مستک
پوتھی	پستک

یہ بھی ممکن ہے کہ مذکورہ بالا مثالوں میں اول 'صیغریہ' وقفیہ کے اثر سے 'وقفیہ' ہوا پھر اپنے اثر سے اس نے وقفیہ کو "ہائیہ" بنا دیا۔ اس کے بعد 'اردو' میں ایک وقفیہ حذف ہو گیا۔ ذیل کی مثالوں میں دونوں موجود ہیں۔

بچھو	ورشچک
پچھم	پشچم
مٹھی	مشٹی
پتھر	پرستر
لٹھ	یشٹ

'بھاپ' کی اصل واشپ ہے۔ قاعدے کے مطابق 'باپھ' ہونا چاہیے تھا۔ 'صیغریہ' نے یہاں اپنے سے پہلے حرف کو متاثر کیا ہے۔ 'پھول' کا حال بھی یہی ہے۔ یہ 'سنسکرت' میں 'پشپ' اور پراکرت میں 'پپھ' تھا۔ 'تس' اردو میں 'چھ' ہو جاتا ہے۔ جیسے۔

مچھلی۔ مچھی	مستیہ۔ لی
بچھڑا	وتسکہ

"تہا 'س' اور 'ش' میں دو طرح کی تبدیلیاں ہوتی ہیں۔ (۱)

---

(۱) بیمز جلد ا صفحہ ۳۰۴

"ہ" کا روپ اختیار کر لیا ہے "تیسرا" تیسری یا "ترندی" میں بھی تھا۔ اور "چھ" کا "چ" "ح" سے بدل جاتا ہے۔ پراکرت میں زیادہ تھا۔ اردو "چھ" جو سنسکرت "ششٹھ" کا روپ ہے۔ "پراکرت" میں "چھ" ہی بولا جاتا تھا۔ اور "سنسکرت" "چھ" نے جو "کس" اور "ش" کا مرکب ہے پراکرت میں "چھ" کا روپ اختیار کیا تھا۔ مخلوط میں یہ دونوں رجحان ہیں۔ اگر "صفیریہ" پہلے ہے اور "وقفیہ" بعد میں تو "صفیریہ" "و" سے بدل جاتا ہے۔ اس کی مثالیں آپ ملاحظہ کر چکے ہیں اور اگر "صفیریہ" آخر میں ہے تو وہ "چھ" کا روپ اختیار کرتا ہے۔ پھر اس کی نسبت سے "وقفیہ" بھی "ہکاری" ہو جاتا ہے۔ لیکن اردو میں یہ رجحان ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ کلمات براہ راست "پراکرت" سے اردو میں آ گئے ہوں جس طرح "چھیرا" پراکرت سے لیا گیا ہے اس لئے کہ اس کی اصل "کشر" ہے اور دستور کے مطابق "کش" کا بدل "اردو" میں "چھ" چلا ہے۔

حرکات کی طرح حروف صحیح میں بھی قلب ہوتا ہے۔ اس کی چند مثالیں درج کی جاتی ہیں۔

نہان	سنان
گھر	گرہ
بلاری	ڈالکا

آخری مثال میں یہ ممکن ہے کہ اول "ب" کو "ل" سے بدلا گیا اور پھر آخری "ل" کو "ر" سے۔ سنسکرت "ڑ" کا "ل" سے تبادل تالاب میں بھی ہوا ہے۔ جس کی اصل "تڈاگ" ہے (۱) اور "ر" کا "ل" سے تبادل ہوتا ہی رہتا ہے۔

---

(۱) صفحہ ۱۴۴ پر دیکھئے۔

آخر میں یہ عرض کرنا بے جا نہ ہوگا کہ مذکورہ بالا صوتی تبدیلیوں کا مطلب یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ حروف روپ بدل کر سنسکرت سے اُردو میں چلے آئے ان کا موجودہ 'تلفظ' سنسکرت 'تلفظ' سے بعد کا ہے۔ دراصل یہ حروف کسی زمانے میں کچھ اس طرح ادا کئے جاتے تھے کہ وہ سنسکرت اور موجودہ بولیوں کے مختلف تلفظ کے درمیان کی چیز معلوم ہوتے تھے۔ مثلاً سنسکرت آج کا 'ش' اور 'کھ' کے درمیان تلفظ کیا جاتا تھا۔ 'س' اور 'ہ' ایک دوسرے سے مشابہ تھے۔ 'ی' 'ج' سے ملتا جلتا ادا کیا جاتا تھا۔ 'ر' اور 'ل' میں کچھ زیادہ فرق نہ تھا۔ 'ت' اور 'ٹ' اور 'و' 'ڑ' میں بھی اس وقت امتیاز نہ تھا۔ جوں جوں زمانہ گزرتا گیا ان حروف کا تلفظ واضح ہوتا چلا گیا۔ اور دو ملی جلی آوازوں میں سے ہر ایک کو اختیار کر لیا گیا۔ اس لئے جہاں قدیم زمانے میں ایک آواز کسی قدر غیر واضح طور سے ادا کی جاتی تھی۔ اس کی جگہ دو آوازیں دو ہمسر بولیوں میں استعمال ہونے لگیں۔ لوگوں نے سمجھا کہ ان میں سے ایک دوسری سے زیادہ قدیم ہے یا ایک اصل اور دوسری اس کی فرع ہے۔ 'اردو' اور 'سنسکرت'

(۱) شاید 'تالاب' ایک جدید لفظ ہے جو 'تال' اور 'آب' سے مرکب ہے۔ 'تال' 'تٹ' (کنارہ) یا 'تد' کا بگاڑ ہو سکتا ہے۔ لیکن اس میں شبہ ہے کہ 'آب' 'آک' یا 'آگ' سے وضع ہوا ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ 'آک' اول 'آد' ہوا اور پھر آب۔ اُردو میں تلاو بھی کہتے ہیں۔

میں آوازوں کا جو اتار چڑھاؤ دیکھا گیا ہے۔ بالکل اس سے ملتا جلتا قدیم 'فارسی اور 'سنسکرت' میں بھی تھا۔ اس لئے جب تک کہ کوئی واضح لسانی شہادت نہ ہو ہم ان متشابہ آوازوں میں سے کسی ایک کو دوسرے کی اصل قرار نہیں دے سکتے۔

باب دوم

"اخذو اشتقاق

"اردو" ہند آریائی خاندان سے ہے۔ اس خاندان کی زبانوں میں اخذو اشتقاق کی صرف یہ ایک صورت ہے کہ لفظوں کو پہلو بہ پہلو رکھ دیا جاتے۔ لفظوں کی دو قسمیں ہیں۔ اصلی اور تعمیری۔ اسی لئے اشتقاق کی دو صورتیں ہوئیں۔ اصلی الفاظ پہلو بہ پہلو رکھے جائیں یا اصلی لفظ کے ساتھ کوئی تعمیری لفظ جوڑ دیا جائے۔ پہلی قسم کے اشتقاق کو ترکیب کہتے ہیں۔ جیسے آنکھ پھوڑ اس میں "آنکھ" اور "پھوڑ" دونوں اصلی لفظ ہیں جن کو برابر برابر رکھ کر آنکھ پھوڑ ایک صفتی صیغہ بنا لیا گیا ہے۔ دوسری قسم کے اشتقاق کے لئے کوئی خاص لفظ نہیں۔ میں نے اس کا نام تالیف رکھ لیا ہے۔ تالیف بھی ایک طرح کی ترکیب ہی ہے لیکن اس میں لفظوں کا تال میل مرکب کے مقابلے میں کسی قدر زیادہ گہرا، زیادہ شدید اور زیادہ پختہ ہوتا ہے۔ جیسے اچھوت اور گویا۔ اچھوت "ا" نافیہ اور چھوت سے بنا ہے۔ اور گویا "گا" اور "دیا" سے پہلی مثال میں "ا" نافیہ اور دوسری میں "دیا" دونوں تعمیری کلمے ہیں۔ جو چھوت اور "گا" کے ساتھ گھل مل کر ایک ہو گئے ہیں۔ اردو اشتقاق کو اچھی طرح سمجھنے اور اس کی ارتقائی تاریخ جاننے کے لئے ضروری ہے کہ اشتقاق کی ان دونوں قسموں پر الگ الگ بحث کی جائے۔

الف۔ تالیف الفاظ

یہ پہلے بتایا جاچکا ہے کہ آریائی زبانوں میں ہر کلمے کے دو ٹکڑے کئے جا سکتے ہیں۔ اصلی اور تعمیری کلمے کے اصلی جزو کو مادہ کہتے ہیں۔ تعمیری جزو کی بھی دو قسمیں ہیں۔ اصلی جزو کے شروع میں آنے والے۔ یہ 'سابقے' (سنسکرت "اپ سرگ" اور انگریزی (PREFICES) ہیں۔ اصلی جزو کے آخر میں جوڑے جانے والے لاحقے' (سنسکرت "پرتے" اور انگریزی (SUFFIXES) کہلاتے ہیں (۱)

۱۔ سابقے

اردو میں سابقے کئی طرح کے ہیں۔ کچھ براہِ راست فارسی سے لئے گئے ہیں۔ ان میں عربی سابقے بھی ہیں۔ یہ سب اپنی اصلی حالت پر ہیں کچھ سنسکرت سے ماخوذ ہیں یا یوں کہئے کہ سنسکرت اور اردو میں مشترک ہیں۔ یہ دو طرح کے ہیں۔ کچھ اپنی قدیم شکل و صورت میں استعمال ہوتے ہیں۔ یہ تت سم (جوں کے توں) کہلاتے ہیں۔ اور کچھ مسخ ہوکر کچھ سے کچھ ہو گئے ہیں۔ یہ تدبھو کے نام سے موسوم ہیں۔ ارتقا کے زبان کے سلسلے میں سنسکرت تت سم اور تدبھو سابقے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ وہ یہ ہیں۔

---

(۱) سابقہ اور لاحقہ کی اصطلاحیں ان مفہوموں کیلئے سب سے پہلے مولانا وحیدالدین سلیم نے استعمال کیں۔

(۱) 'ا' نافیہ

یہ سابقہ سنسکرت अ سے ماخوذ ہے۔ یہ پالی' پراکرت اور اوستا میں بھی تھا۔ اور اغلب یہ ہے کہ یہ 'ان' کا مخفف ہے۔

امر۔ اتھا (ا+ستھا) یا اناہ (ا+ناہ) اچھوت۔اٹل۔ اکارت امٹ۔ اوبر اصل میں اویلا تھا۔ ویلا سنسکرت میں وقت کو کہتے ہیں۔ 'ل' 'ر' سے بدل گیا ہے۔ بنگلہ میں یہ ابیر ہے۔

'ان' سنسکرت اور اوستائی میں ان کلمات کے شروع میں اضافہ کیا جاتا تھا۔ جن کا پہلا حرف۔ کوئی حرف علت ہوتا تھا (۱) جیسے انیک (ان + ایک) اور انرتھ (ان + ارتھ) لیکن اردو اور پہلوی میں اس قسم کا کوئی فرق نہ کیا جاتا۔ جیسے اراست (ناراست) اور ان شات (ناشاد) اردو کی چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

ان بن۔ ان پڑھ۔ ان گڑھ۔ ان مل۔ ان مول۔ ان ہوت۔ انوکھا۔ (ان + دیکھا)۔ ان گنت۔ فارسی 'ن' بھی 'ان' ہی سے تراشا گیا ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ 'ا' نافیہ کا استعمال جدید فارسی میں کم دیکھا گیا ہے۔

(۲) 'آ': ضد' قریب' طرف

اردو آنا 'آ' اور 'ری' (جانا) سے مرکب ہے۔ اصل میں آینا आइ + आया تھا 'ی' تخفیف ہو گئی ہے۔ (۲)

---

(۱) اوستائی گرامر جیکسن جلد ۱ صفحہ ۲۰۹ (۲) کیلاگ صفحہ ۲۶۳

(۳) 'آ' نیچے، دوسری طرف

سنسکرت [Devanagari] کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ یہ قدیم فارسی میں بھی تھا(۱)، جدید فارسی میں اردو کی طرح بگڑ کر 'ا' ہوگیا۔ افتادن اصل" اوتپتم" (افتاون - افتادن) اترنا (آ+تر) آلٹ (آ+لٹ) ارے (درے) کی اصل 'آوارے' ہے۔ شروع سے 'ا' گر گیا ہے (۲)

(۴) 'اُ' : اوپر

سنسکرت میں بھی (اُد) قدیم فارسی اور ژندی میں 'اُز' (۳) ہے مگر جدید فارسی میں کٹ کٹا کر صرف (زِ) رہ گیا ہے۔ زدودن' اصل میں 'ازدودن' تھا۔

اٹھنا - (اُد + ستھا + اُتھا + اُٹھ) اکھاڑ (اُد + کر) اُدھیڑ (اُد + دھر) (۴)

(۵) 'اُن' : ایک کم

سنسکرت میں بھی 'اُن' ہی ہے "ایکون" بمعنی 'ایک کم۔

---

(۱) فارسی گرامر پلیٹس صفحہ ۱۰۳ (۲) کیلاگ صفحہ ۲۶۹ (۳) فارسی گرامر صفحہ ۱۰۵۔
(۴) ہورنلے 'اکھاڑ' کو 'ات کرشٹ' سے ماخوذ مانتے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے جرنل ایشیاٹک سوسائٹی جلد ۴۹ صفحہ ۶۴)۔

انیس (اُن + بیس) انتیس (اُن + تیس) انتالیس۔ انچاس۔ انسٹھ۔ انہتر۔ اُناسی۔

(۶) 'پ': دوسری طرف

سنسکرت परा اور اُردو 'پرے' یا 'پار' سے ماخوذ ہے۔ جیسے پلٹ (پ + لٹ = پر + ورت)

(۷) دُ۔ دُر: بد بُرا

یہ سنسکرت میں 'دُر' یا 'دُس' اور پہلوی میں 'دُش' یا 'دُژ' ہے دُبلا (دو + بلا + دُر + بَلا) دُرگت (دُر + گت)

(۸) 'ن': نافیہ

سنسکرت میں "نِر" تھا۔ بھاشا اور پراکرت میں بھی 'نِر' ہی ہے مگر اُردو میں صرف 'ن' رہ گیا ہے۔
نِکما۔ نڈر۔ نچنت۔ نچپا۔ نرالا (نِ + رلا) نتھار (نِ + ستھر) نہتھا (ن + ہتھیار) نگوڑا (ن + گنٹرا)

(۹) 'س' : ساتھ

سنسکرت [illegible] سے لیا گیا ہے جو غالباً [illegible] کا مخفف ہے 'سویرا' اصل میں سویلا تھا (س + ویلا) تڑکے۔ علی الصباح۔ اس کی ضد 'اویا' ہے 'س' ضد ہے 'ا' نافیہ کی۔

(۱۰) سُ۔ سَ : نیک۔ خوب

سنسکرت میں [illegible] ہے۔ سپوت۔ سپڑھ۔ سڈھب وغیرہ۔

(۱۲) 'ب' : جدا، بغیر

سنسکرت میں [illegible] ہے جو غالباً قدیم آریائی 'دوبت' سے لیا گیا ہے۔ پہلوی میں "دوبت گوہری" کے معنی ہیں اصل سے جدا ہونا یعنی بد گوہری۔ بڈول۔ بکھیڑا۔ (کھیل بکھیڑا ← کھیل کھیلا)

(۱۳) "بہ" : بہت

سنسکرت "بہو" کا مخفف ہے۔ بہروپ (بہو + روپ) کجھ چپکا۔ (بہو + اُچکا) بہت اُچکنے والا (۱)

(۱۴) بن : بغیر

سنسکرت میں "بنا" ہے جن بیاہا۔ بن سرا۔ بن جُتی۔ (زمین)

---

(۱) وضع اصطلاحات صفحہ ۲۴

(۱۵) اودھ : آدھا

سنسکرت "اردھ" کا مخفف ہے۔ ادھ کچا۔ ادھ موا وغیرہ۔

فارسی و عربی سابقے بہت ہیں۔ لیکن زیادہ تر وہ مستقل کلمے ہیں جن کا ذکر مرکب الفاظ کے سلسلے میں ہونا چاہیے۔ ان میں سے چند جو بطور جزو کلمہ مستعمل ہیں درج ذیل ہیں۔

نا ۔ نفی	ناپسند ۔ نالائق ۔ ناکارہ
ب : ساتھ	بدستور ۔ بدولت
بے ۔ بغیر	بے ایمان ۔ بے راہ ۔ بے خوف ۔ بے ڈھب۔
تہ : نیچے	تہ بند ۔ تہ بازاری ۔ تہ خانہ ۔ تہ نشین
شاہ ۔ شہ ۔ بڑا	شہ باز ۔ شاہراہ ۔ شہ رگ ۔ شہ سوار
ہم : شریک	ہم آغوش ۔ ہم آواز ۔ ہم پیشہ ۔ ہم پیالہ
ذی : والا	ذی ہوش ۔ ذی شعور ۔ ذی اختیار۔

۲۔ لاحقے

اردو میں لاحقے بھی دو طرح کے ہیں : تدبھو اور تت سم ۔ تدبھو لاحقے اپنی تاریخ رکھتے ہیں اور ضرورت ہے کہ ان کا کھوج لگایا جائے۔

(۱) 'ا' : اسمی، مصدری، صفتی

سنسکرت وسرگ : اور 'اوستائی' 'اہ' سے لیا گیا ہے۔

وسرگ 'ہ' کی آواز دیتا ہے۔ 'ہ' اور 'ا' کا تبادل قدیم ہندی میں بھی تھا۔ اردو 'ہار' اصل میں 'آر' تھا۔ اردو کا 'اور' پنجابی میں 'ہور' ہے کیونکہ اس کی اصل سنسکرت بتاتے ہیں [۱۱]۔ چٹرجی وغیرہ علماء لسانیات کے نزدیک 'اردو' 'ا' کی اصل 'سنسکرت' کہ ہے۔ ان کا خیال ہے کہ 'پراکرت' میں اکثر 'سنسکرت' کلمات کے آخر میں کہ کا الحاق کر دیا جاتا تھا۔ یہ الحاق 'ک' پہلوی میں بھی تھا۔ گھوڑا سنسکرت میں 'گھوٹک' تھا۔ گھوٹک۔ گھوٹ۔ ئے۔ گھوٹا۔ گھوڑا۔ اس صورت میں 'ک' کی جگہ صرف ایک ئے ہوگا۔ دوسرا "وسرگ" سے لیا جائے گا۔ صحیح بات یہ ہے کہ 'اردو' 'ا' 'سنسکرت' اور پراکرت کلمات کی آخری حرکت کے اشباع سے پیدا ہوا ہے۔ خود سنسکرت وسرگ اور فارسی ہائے مختفی اس آخری حرکت 'ـَـ' کے اظہار کے لئے ہیں۔ البتہ فاعلی 'ا' 'اک' یا 'اک' تھا۔ پہلوی گویاک۔ داراک 'فارسی' میں گویا اور دارا ہیں۔ سنسکرت جھنجک جھونجا (جھڑ جھونجا) اور لنچک لچا بنا۔ 'ا' کہ کا بدل ہے۔ اس خیال کا اظہار سب سے پہلے ڈاکٹر ہورنلے نے کیا۔ مسٹر بیمز وبیمز تو اس سے متفق ہیں لیکن ان کے نزدیک زیادہ بہتر یہ ہے کہ 'ا' کو سنسکرت طرز تلفظ کا اثر سمجھا جاتے اور یہ کہا جائے کہ وہ آخری حرکت کے اشباع سے پیدا ہوا۔ وہ کہتے ہیں کہ جو لوگ 'ا' کو پراکرت یا سنسکرت کہ کا رہین منت بتاتے ہیں آخر وہ اس کی کیا وجہ بتائیں گے کہ یہ کہ بغیر کسی معقول وجہ کے بعض کلمات کے آخر میں اضافہ کیا جاتا رہا ہے۔ اور 'اردو' کے وہ اسماء جو ساکن الاواخر ہیں اس 'ک' کے بے پناہ اثر سے محفوظ ہیں۔ 'سنسکرت' انڈاک'

---

۱۲ سگھر پاپہ ۱۸۱م

سوال یہ تھا کہ جس سے "انڈا"، "بنا" لیکن اوشٹھ جو ہونٹ کی اصل ہے اس سے محروم رہا۔ آخر کیوں؟

بیمز نے سنسکرت اسما و صفات کی دو قسمیں کی ہیں۔ اول وہ جن میں تلفظ کے وقت آخری جزو پر زور دیا جاتا تھا۔ ان سب کی آخری حرکت کو اردو میں اشباع ہو گیا ہے۔ جیسے انڈا، کیڑا۔ دوسرے وہ جن کے ماقبل آخر پر زور پڑتا ہے۔ اردو میں یہ ساکن الآخر ہیں۔ جیسے ہونٹ، مکان، تیل وغیرہ (۱)۔ جو کلمات اس اصول کے خلاف بولے جاتے ہیں وہ غالباً اس زمانے کی پیداوار ہیں جب "سنسکرت" طرز تلفظ کو فراموش کر دیا گیا اور کسی کو علم نہ تھا کہ "سنسکرت" بولنے والے کلمے کے کس حصے پر زور دیتے تھے۔

اسمی کی مثالیں۔

گھوڑا، کتا، بلا، چونا، چھرا، بھالا، نالا، کیڑا، کھمبا۔

مصدری کی مثالیں۔

جھگڑا، کھٹکا، تڑکا، ٹپکا، دھڑکا۔

صفتی کی مثالیں

اچھا، اندھا، کالا، گاڑھا، گھنا، بہرا، سوکھا۔

ذیل کی مثالوں میں "ا" فاعلی ہے۔

جھوٹا، بھوکا، لچا، اُچکا، کھمبا۔ بڑبولا۔ لمبا، اکھلا، گہرا وغیرہ۔

---

(۱) جلد ۲ پارہ ۱۳، ۱۴

(۲) وتـ نت، مصدری

'دھیریندر ورما' کے نزدیک سنسکرت علامت فاعل [illegible] اس کی اصل ہے (۱) یہ صحیح نہیں۔ یہ 'ان' (سنسکرت [illegible] اور 'ت' (سنسکرت [illegible]) دو لاحقوں سے مرکب ہے۔ پڑھنت اصل میں [illegible] تھا 'سودا' نے ایک قصیدے میں اس قسم کے مصادر استعمال کئے ہیں۔ جیسے 'گھڑنت'، لڑنت' بھڑنت' وغیرہ۔

(۳) ـــ 'کڑ' : فاعلی

دھیریندر اسے دیسی لاحقے بتاتے ہیں حالانکہ یہ سنسکرت 'کار' کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ 'ڑ' 'ر' کا بدلا ہوا روپ ہے۔ یہ اردو کا عام رجحان ہے۔ اناڑی اصل میں 'اناریہ' تھا۔ 'ک' کی تکرار غالباً حذف الف کی وجہ سے ہے۔ بھلکڑ، بوجھکڑ وغیرہ۔

یہ بھی ممکن ہے کہ 'سنسکرت' لاحقہ [illegible] کو جو 'پراکرت' میں [illegible] ہو گیا تھا۔ اس کی اصل مانا جائے۔ ہڑک (راگڑی) اصل میں ہروک تھا یا ہگے، اگئے۔ اکم۔ اہم (میں) 'ڑ' بعد میں اضافہ کردی گئی۔ جیسے گود۔ گودتا۔ گودکڑ۔ یہ ڈھاوڑی لاحقہ 'اکل' سے بھی ماخوذ ہو سکتا ہے، جیسے نڈ (چلنا) سے نڈکل۔ 'ل' کا 'ڑ' سے تبادل بہت عام ہے۔

---

(۱) ہندی بھاشا کا اتہاس پارہ ۱۸۰

(۱۴) ــــ اندھ : اسمی

(ہیمر بیمز) سنسکرت 'اگندھ' کا مخفف بتاتے ہیں (۱) لبا اندھ۔ سڑاندھ۔

(۵) ــــ ای: مصدری

بیمز نے اس لاحقہ کی اصل ' سنسکرت' علامت "تانیث [illegible]" بتلاتے ہیں۔ پراکرت میں یہ [illegible] تھا۔ 'اردو' میں ــــ 'ای' ہوا' جیسے 'مٹھکا' اول مٹھایا اور پھر مٹھائی (۲) ڈاکٹر چٹرجی کے نزدیک یہ لاحقہ پراکرت عہد کا ہے یہ اصل میں 'آپ کا' تھا۔ اس کے تغیرات یہ ہیں' آپ کا۔ آؤ۔ ا' آدیا۔ اؤہی۔ آئی (۳) یہ سب دور از کار قیاسات ہیں۔ یہ لاحقہ مرکب ہے۔ ' ــــ ا' اور 'ی' سے۔ ' ــــ ا' لاحقہ فاعلی ہے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے اور 'ی' علامت مصدر ہے جو پہلوی میں' ایہ' اور 'پالی' سنسکرت' اور اوستانی' میں [illegible] ہے (۴)۔ 'اردو' کے تمام الفاظ جن کے آخر میں یہ لاحقہ ہے۔ اسمار صفات ہیں اور ان میں سے جو سنسکرت' تدبھو ہیں وہ اسم مفعول ہیں۔

لڑائی ڈھلائی' بندھائی۔ جھلائی۔ چڑھائی۔ اترائی۔ سلائی۔ بھلائی' مٹھائی۔ کچائی۔ کھٹائی۔ بڑائی۔ چھوٹائی۔

مصدری 'ی' ان کلمات میں بھی ہے جن کے آخر میں الف نہیں۔ جیسے چوری' بے ایمانی' نوابی وغیرہ۔ بکیلاگ کا خیال بھی یہی ہے کہ یہ لاحقہ [illegible] (ای)

---

(۱) ایضاً پارہ ۱۰۳ (۲) گوڑین گرامر پارہ ۲۲۳

(۳) بنگالی پارہ ۴۰۰۔۳ (۴) فارسی گرامر پارہ ۱۱۹ اور ہندوستانی گرامر پارہ ۲۸۸

ہے لیکن وہ اس کی اصل سنسکرت ' [illegible] ' قرار دیتے ہیں۔ انہوں نے ایک لاحقہ ' ئی ' اور مانا ہے جو ان کے نزدیک [illegible] کی تخفیف ہے۔ یہ جن اسما کے آخر میں جوڑا جاتا ہے وہ متعدی مصادر سے ماخوذ ہیں اور ان افعال کی اجرت بتاتے ہیں۔ مثلاً دھلائی۔ دھلانے کی اجرت۔ ڈھلائی ڈھلوانے کی اجرت (۱) بیمز نے اس لاحقہ کو ہندی الاصل یا دیسی بتایا ہے وہ کہتے ہیں اس لاحقے کا سنسکرت اور پراکرت میں وجود نہ تھا۔ اس لئے قیاس کیا جاتا ہے کہ یہ کسی مشترک الماخذ زبان سے لیا گیا ہے۔ (۲) ہورنلے کا قیاس صحیح معلوم ہوتا ہے۔ وہ اس لاحقے کا روپ ' اوائی ' بتاتے ہیں ' ے ائی ' اس کا مخفف ہے۔ دھلائی اور ڈھلائی اصل میں دھلوائی اور ڈھلوائی تھے۔ یہ کلمے اس طرح بھی بولے جاتے ہیں۔ ' اوائی ' ان کے نزدیک ' او ' یا ' ے او ' اور ' ے ' ای سے مرکب ہے ' ے ' ' ای ' علامت مصدر ہے ' او ' ان کے خیال میں سنسکرت [illegible] سے لیا گیا ہے۔ ڈھلو اور دھلو کے معنی ہیں دھلوایا جانے والا اور ڈھلوایا جانے والا اس لئے دھلائی یا ڈھلوائی کے معنی ہوئے دھلائے جانے والا ہونا یعنی اس کی اجرت۔

(۶) ' ے او ' : حاصل مصدر

بیمز اس کی اصل [illegible] یا [illegible] بتاتے ہیں۔ (۲) کیلاگ (۱) اور ہورنلے کے نزدیک سنسکرت [illegible] یا [illegible] پراکرت [illegible] یا [illegible] اور اپ بھرنش [illegible] اس کی اصل (۳) ہے۔ چٹرجی اس سے اختلاف رکھتے

---

(۱) ہندی گرامر پارہ ۴۶۹۔ (۲) تقابلی گرامر جلد ۲ صفحہ ۶۱

(۳) بیمز جلد ۲ پارہ ۱۶۔

ہیں۔ ان کے خیال میں اس کی اصل آپ کا ہے۔ اُردو میں تعدیہ کی دو علامتیں ہیں۔ 'ے' اور 'وا' جیسے جلانا اور جلوانا۔ لکھانا، لکھوانا وغیرہ جلوانا اور لکھوانا۔ اصل میں 'جلاونا' اور 'لکھاونا' تھے۔ سنسکرت کے متعدی افعال کا [illegible] پراکرت میں [illegible] ہوا اور [illegible] حسب قاعدہ 'و' سے بدل گیا۔ سنسکرت [illegible] (وہ پکواتا ہے) پراکرت میں पचावेइ ہے۔ اگر اس کے آخر سے [illegible] علامت واحد غائب گرا کر اس کی جگہ (نا) علامت مصدر بڑھا دی جائے تو پچا دینا یا پچاونا ہوگا اور اس کا ماحصل مصدر بچاؤ۔

بناؤ۔ چناؤ۔ رکھاؤ۔ بچاؤ۔ سمجھاؤ، وغیرہ۔ آخر میں 'ا' بڑھا کر بلاوا۔ ڈراوا۔ پچھتاوا۔ وغیرہ بھی کہتے ہیں۔ کبھی 'ت' اضافہ کر دیتے ہیں۔ جیسے کہاوت کبھی یہ 'ت'، 'ٹ' سے بدل جاتی ہے۔ جیسے سجاوٹ، لکھاوٹ، لگاوٹ، بناوٹ، ملاوٹ، رکاوٹ، 'و' کی جگہ 'ہ' بھی دیکھی گئی ہے۔ جیسے گھبراہٹ۔ جھنجھناہٹ، آہٹ اردو میں آواز کے معنی میں مستعمل ہے۔ اس لئے بیمز کے نزدیک ممکن ہے آہٹ کی ترکیب سے یہ کلمے بنے ہوں۔ دوسری طرف ان کے نزدیک یہ بھی محتمل ہے کہ یہ لاحقہ ان کلمات سے الگ کر لیا گیا اور آواز کے لئے استعمال ہونے لگا۔ (۲)

(۱۷) "ی": مصدری، اسمی وغیرہ

"ی" کا مسئلہ کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ یہ کیلاگ اور بیمز کے نزدیک

---

(۱) ہندوستانی پارہ ۲۲۷ کیلاگ ۲۵۳ (۲) جلد ۲۔ صفحہ ۷۸۔ عجیب بات یہ ہے کہ آہٹ (آہ) اور 'ہٹ' سے مرکب ہے۔

'سنسکرت' इ سے ماخوذ ہے (۱) جس نے دیسی زبانوں میں ई کا روپ اختیار کر لیا ہے۔ چوری 'سنسکرت' चौर्य پراکرت चोरिआ یہ بھی ممکن ہے کہ 'اردو' 'ـی' 'سنسکرت' لاحقہ مصدر ति کا بقیہ ہو۔ چیٹرجی کا خیال ہے کہ فارسی یائے مصدری کا اس پر گہرا اثر ہے۔ (۲)

دھلائی وغیرہ کلمات کی 'ـی' بھی مصدری ہی ہے اس کی بابت کیلاگ کی یہ رائے اوپر دی جا چکی ہے کہ وہ आनीका سے حاصل کی گئی تھی۔

اسمی 'ـی' بھی 'اردو' میں استعمال ہوئی ہے۔ اس 'ـی' کے ماخذ 'سنسکرت' کے دو لاحقے ہیں इन् اور इक سنسکرت میں یہ دونوں صفتی ہیں لیکن 'اردو' میں ان سے جو کلمات بنے ہیں وہ بطور اسم استعمال ہوئے ہیں۔

الف ۔ इन् جیسے مالی (مالن) پجاری (پجارن) بڑھئی اور (دھکن) بھکاری (بھکارن)

ب ۔ इक جیسے تیلی (تیلک) تنبولی (تنبولک) کاچھی، (کگشک) صفتی یا نسبتی ۔ ی کی اصل سنسکرت ईय ہے۔ اس پر عربی یائے نسبت کا گہرا اثر معلوم ہوتا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

ہندی، مہاراشٹری ۔ دیسی ۔ دکھنی یہ کلمات سنسکرت سے ماخوذ ہیں ۔ ہندوستانی پہاڑی وغیرہ الفاظ ان کی مثال پر بعد میں گھڑ لئے گئے۔

'ـی' جو تانیث یا تحقیر کے لئے ہے۔ اس کا سرچشمہ سنسکرت علامت

---

(۱) ہندی گرامر ص ۴۶۹ و تقابلی گرامر ج ۲ صفحہ ۸۰

(۲) بنگالی کا آغاز و ارتقا ص ۶۱۹

تانیث [illegible] ہے ۔ اردو میں جو اسمار مونث ہیں وہ یا تو براہِ راست سنسکرت مونث کلمات سے لیے گئے ہیں یا "ــــی" علامت تانیث ان پر بعد میں اضافہ کردی جاتی۔ جیسے ایلی (ایلا) ٹوکری (ٹوکرا) رسی (رسا) بوڑھی پنگلی وغیرہ۔

حسب ذیل اسمار سنسکرت سے ماخوذ ہے۔

گھوڑی (گھوٹکا) چھچھڑی (کشرکا) روٹی (روٹکا) پاتی (پادکا)

دھوتی (دھوترکا) چھتری (چھترکا) مٹی (مرتکا) بتی (ورتکا وغیرہ)

(۸) ــِ یا : نسبت، علامت تصغیر

یہ علامت تانیث بھی ہے۔ پہلی صورت میں اس کا ماخذ [illegible] اور دوسری صورت میں [illegible] یا [illegible] ہوگا۔ تحقیر کا پہلو غالباً اس میں تانیث سے آیا۔ لیکن تصغیر کی وساطت سے۔ "ــِـی" اور "ــِـ یا" دونوں کا ماخذ واحد ہے۔

چوہیا۔ لٹیا۔ کتیا۔ بڑھیا۔ گھڑیا۔ (چھوٹا گھڑا) چولھیا وغیرہ۔ یہ لاحقہ عربی و فارسی کلمات میں بھی جوڑا گیا ہے۔ جیسے بگیا (باغیچہ) کتبیا (کتابچہ) اور انہ فارسی کلمات میں بھی جوڑا گیا ہے مصغر ہیں جیسے دیگچیا (دیگچی) بقچیا (بقچی) منسوب کی مثالیں۔

قنوجیا۔ پہاڑیا۔ پوربیا۔ کالیا۔ نیچریا۔ بڑھیا۔ نیا ٹیا نٹ کی طرف منسوب ہے یا ناتی کی طرف۔

(۹) ــُـ و : صفتی

اردو میں بہت مستعمل ہے۔ جیسے ڈاکو۔ اڑاؤ۔ بگاڑو، بکاؤ ۔

بھاڑو، جڑاؤ وغیرہ۔

ہورنلے سنسکرت [illegible] سے اس کا تعلق بتاتے ہیں جو پراکرت میں [illegible] یا [illegible] ہو گیا تھا۔ مثلاً کھادِ تزک ہے کھائی اور ہے کھاؤ (۱) چٹرجی کہتے ہیں مناسب یہ ہے کہ ا سے سنسکرت [illegible] (علامت فاعل) سے ماخوذ مانا جائے جو سنسکرت الفاظ کا تُک۔ (عاشق) اور بھاؤک (خوش) وغیرہ میں (۲) ہے۔ لاحقہ 'ے و' پالی میں بھی تھا۔ جیسے بھکو (بھکاری) کرو (کرنے والا) (۳) یہ غالباً 'سنسکرت' ک کا قائم مقام ہے اُبھکو ہے بھکش)

سنسکرت میں چار مستقل علامات ہیں۔ جو فاعلی معنی ادا کرتی ہیں 'ے' جیسے بھکش۔ 'ے ک'۔ جیسے کا تک۔ 'ے' وک' اور تر' جو پالی اور موجودہ بولیوں میں 'ت' یا 'تو' سے بدل گیا ہے جیسے 'کرتر' (کرنے والا) سے کتو) اُردو میں یہ تمام علامات ممدود 'ے و' کی شکل میں ہیں۔ جب تک کسی لفظ کا ماخذ معلوم نہ ہو یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کی علامت کا ماخذ کیا ہے۔ مثلاً ذیل کے کلمات جن کی آخر میں 'ے و' ہے۔ بیمز کے نزدیک مختلف مادوں سے لئے گئے ہیں۔ کارو (کرنے والا) کاٹو (کاٹنے والا) جاجرو (جاگنے والا) ناٹو (پونا) (۴)

(۱۰) 'ے وا۔ وا۔ صفتی، تحقیری

یہ پالی میں بھی ہیں (۵)۔ جیسے گنوا (گن والا) ہو سکتا ہے کہ 'وا'

---

(۱) گوڑین گرامر ص ۳۳۳ (۲) بنگالی ص ۴۲۸ (۳) پالی گرامر ص ۲۸۰
(۴) تقابلی گرامر ج ۲ صفحہ ۵۸ (۵) پالی گرامر پارہ ۲۴۵۔

سنسکرت 'وان' سے مخفف کر لیا گیا ہو۔ اردو میں یہ لاحقہ فارسی الفاظ کے آخر میں بھی استعمال ہوا ہے۔

بھڑوا، کلوا، نکھوا، جوروا، مردوا، بندھوا، پٹھا۔ (پیٹ سے کپڑا) پوا۔ پچھوا۔ لیوا، دیوا، کھلوا، کیچھا۔ (کیچھ + وا) وغیرہ۔

چٹرجی کہتے ہیں کہ یہ لاحقہ 'ے' و' کی توسیع ہے جس میں 'ا' کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ یہ تعلق اور نسبت ظاہر کرتا ہے۔ (۲) 'کیلاگ' کا خیال ہے کہ 'وا' 'یا' کی بدلی ہوئی صورت ہے اور 'یہ' بہاری' اودھی' وغیرہ۔ مشرقی زبانوں میں خصوصیت کے ساتھ تصغیر و تحقیر کے لئے استعمال ہوا ہے۔ جیسے گھوڑوا۔ بٹوا وغیرہ (۳)۔ گریرسن 'یا' اور 'وا' کو اسمار کی اشباعی علامت بتاتے ہیں۔ جو اسمار کو کھینچ دیتے ہیں۔ معنی میں ان کی وجہ سے کوئی فرق نہیں ہوتا۔ مثلاً گھوڑا گھوڑوا۔ سیٹھ۔ میٹھا۔ مٹھوا۔ (۳) بیمز اس کی اصل علامت تصغیر بتاتے ہیں۔ 'و' دو حرکتوں کے اجتماع کا نتیجہ ہے۔ لیکن اسمار کی آخر کا 'و' سے مختلف ہے جو نسبت اور تعلق کے لئے ہے اور جس کا ماخذ [illegible] یا [illegible] سے الگ کوئی اور صفتی لاحقہ ہے۔ کیلاگ نے اپنی گرامر کے دوسرے ایڈیشن میں اس 'وا' کا ماخذ [illegible] کو قرار دیا ہے اور اسے 'وہا' کا ہم رشتہ بتایا ہے (۴)۔

(۱۱) 'ـــیت' : فاعلی

سنسکرت 'آنیت' یا 'آنیتا' پراکرت 'آونت' یا 'آانت'

---

(۲) بنگالی پ ۴۲۹ (۲) ہندی گرامر ب ۱۷۳ (۳) بہاری گرامر ۳ اپ ۱۲
(۴) ہندی گرامر پارہ ۳۵۷۔

ترنڈی، منت، فارسی 'مند' سے بنا ہے۔ کیلاگ اس کی اصل 'سنسکرت' [illegible]
بتلاتے ہیں جو اصل کلمے کی آخری حرکت سے مل کر [illegible] ہوگیا (۱) بیمز بھی
اس سے متفق ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ [illegible] اصل میں ان کلمات کے آخر میں
جوڑا جاتا تھا جو 'ا' پر منتہی ہوتے تھے۔ [illegible] اور [illegible] کے اجتماع و
ادغام سے [illegible] وجود میں آیا۔ لیکن 'اردو' میں اس کا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔
[illegible] ساکن الآخر کلمات کے آخر میں بھی اضافہ کر دیا جاتا ہے اور اس کا
تلفظ [illegible] ہوتا ہے۔ جیسے ڈھال سے 'ڈھلیت'۔ دوسری دیسی زبانوں میں بھی
ان کے عام مزاج کے مطابق لاحقہ کی [illegible] اور کلمے کی آخری [illegible] کا جدا جدا
تلفظ کیا جاتا ہے۔ جیسے 'رہٹا' ڈھائیت (۲)
پلیت، ونگیت (ونگا + ہیت)؛ ڈکیت (ڈک + شور کرنا) لٹھیت۔
پچیت۔ پھکیت۔

(۱۳) ے وتی : اسمی، مصدری

یہ لاحقہ سنسکرت' علامت مصدر [illegible] ہے جو متعدی مصدر کے
آخر میں اضافہ کیا جاتا ہے۔ قاعدے کے مطابق مصدر کا 'ے' اور جب اسم کے
آخر میں 'ت' بڑھایا جاتا ہے [illegible] ہو جاتا ہے۔ جیسے کٹاؤ سے کٹوتی۔ بیمز کہتے
ہیں کہ یہ سنسکرت 'وت' سے بھی ماخوذ ہو سکتا ہے۔ اُس لاحقہ ان کے نزدیک
[illegible] ہے 'وتی' کو وہ اس کی اشباعی شکل بتاتے ہیں۔ اس لئے اصرار ہے
کہ اس کو فاعلی یا صفتی لاحقہ شمار کیا جائے۔ اس سلسلے میں انہوں نے جو

---

(۱) ہندی گرامر ص ۲۷۹ (۲) تقابلی گرامر ۱ ص ۱۹

خالص پیشرو کی ہیں۔ اردو میں وہ مستعمل نہیں (۱)
'ق' کو مؤنث سمجھ کر اس کا ایک مذکر روپ 'تا' بعد میں وضع کر لیا گیا۔
جیسے سمجھوتا۔ میں کسوٹی کو بھی اسی سلسلے کی چیز سمجھتا ہوں۔ (۲) اس میں لفظی اور معنوی دونوں قسم کے تغیرات ہوئے۔ لفظی تو یہ کر 'ت' کو 'ٹ' سے بدل دیا گیا۔ اور معنوی یہ کہ پرکھ کو پرکھنے والے آلے کے لئے استعمال کیا گیا۔
چکوتی کے معنی ہیں حساب چکانا اور بند کرنا۔ کرنے کی چکوتی وہ ہے جہاں اس کی تراش کو بند کر دیا جاتا ہے۔ ہرنوٹا اور بلوٹا کی اصل ہرن پیتر اور بلا پتر ہے۔ پیتر۔ پت۔ اَتّ۔ اَٹ۔ یہ اس کے تغیرات ہیں۔

(۱۳) ت: مصدری

اس کی اصل سنسکرت علامت مصدر تو ہے جو پراکرت میں تت ہو گئی تھی۔ اردو میں ایک 'ت' حذف ہو گئی۔ کیلاگ اور پلیٹس اس کی اصل سنسکرت تر بتاتے ہیں۔ جس کے آخر سے تیچ گر گیا ہے۔ لیکن 'اردو' میں 'ق' کا جداگانہ استعمال بھی ہے اس لئے یہ اشتقاق میرے نزدیک صحیح نہیں۔
منت۔ چاہت۔ بچت۔ لاگت۔ کھپت۔ رنگت۔ آڑت۔ (اردو) (ودھ۔ بڑھنا) چلت پھرت۔

---

(۱) تقابلی گرامر ۲ پارہ ۲۰۔
(۲) کیلاگ اور ہورنلے کی رائے ہے کہ ان میں سے اکثر کی اصل 'سنسکرت' ورتی (حالت) ہے 'اردو' بتی اور پنجابی وتی کی اصل بھی یہی ہے اس لئے کسوٹی کا اشتقاق کس + وتی بھی (کسنے کا آلہ) صحیح ہے۔

(۱۴) تی : مصدری

• کیلاگ کے نزدیک اس کی اصل سنسکرت 'تی' یا 'تکا' ہے پلیٹس سنسکرت 'تا' کو اس کی اصل قرار دیتے ہیں۔ ہورنلے سنسکرت 'آتپکا' سے ماخوذ مانتے ہیں جو لاحقہ تعدیہ 'آپ' اور علامت مصدر 'تی' سے مرکب ہے (۱) اور بعد میں جوڑا گیا۔ مثلاً بڑھتی = وردھاتپکا = وڑھاتیا = وڑھائی = بڑھتی۔ چٹرجی، اس سے متفق نہیں۔ وہ اس کو دو لاحقوں سے مرکب مانتے ہیں ایک 'ات' (اسم فاعل 'انت') دوسرے 'ی' علامت مصدر، جیسے ڈکیتی۔ ڈکیت + ی بمعنی لوٹنے کی حالت۔ یہ لاحقہ فارسی کلمات میں بھی اضافہ کیا گیا ہے۔

چڑھتی۔ بڑھتی۔ ملتی۔ بھرتی۔ گھٹتی۔ گنتی۔

• چٹرجی کی رائے صحیح معلوم نہیں ہوتی۔ ڈکیتی میں 'ی' علامت مصدر ہے اور ڈکیت ایک مستقل کلمہ ہے لیکن چڑھتی۔ کمتی وغیرہ مثالوں میں چڑھت اور کمت نہ مستقل کلمات ہیں اور نہ صفتی معنی میں کبھی استعمال ہوئے۔

(۱۵) 'ن' : مصدری، اسمی

• یہ چار لاحقے ہیں۔

(۱) 'ن'۔ یہ حاصل مصدر کے معنی دیتا ہے۔ جیسے پھسلن، اکھن، سنن، چلن، مرن، ملن، دکھن۔ ان میں سے کچھ اسم آلہ ہیں۔ یہ وہ ہیں جن پر

---

(۱) گوڑین گرامر پارہ ۳۲۵

اسمیت غالب آگئی ہے۔ جھاڑن بیلن۔ ڈھکن۔ بندھن وغیرہ۔

(۲) 'ـُـ ان' یہ بھی حاصل مصدر کے لئے ہے۔ جیسے اٹھان۔ اڑان لگان۔ (بعد میں مجازاً اسم مفعول کے لئے استعمال ہونے لگا) یہ لاحقہ اسم صفت سے حاصل مصدر بنانے کا کام بھی دیتا ہے۔ لمبا سے لمبائی۔ اونچا سے اونچان۔

(۳) 'ـَـ ونا'۔ جیسے بچھونا کھلونا۔ اس کی اصل 'ـَـ + ونا' ہے جو متعدی مصدر کی علامت ہے۔ (۱)

(۴) 'نا' یہ مادے سے مصدر بناتا ہے۔ اٹھنا۔ چلنا۔ پھرنا۔ ان سب کی اصل کیلاگ اور پلیٹس کے نزدیک سنسکرت [illegible] ہے (۲) لیکن 'ـُـ ان' اور 'ـَـ ونا' متعدی مصادر سے کئے گئے ہیں۔ اس لئے اُن کی اصل اَپن ہونی چاہئے۔ مثلاً چالان اصل میں چلاپن تھا۔ جس طرح 'نا' اُن کی اشباعی شکل ہے اسی طرح 'ـَـ ونا' کو بھی 'ـَـ اون' کی ممدود شکل سمجھنا چاہئے۔ 'ـَـ' ان اصل میں 'ـُـ' اون تھا۔ ہورنلے نے ان تمام لاحقوں کی اصل استقبالی علامت [illegible] بتائی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ 'سنسکرت' 'ان' کا استعمال ہندو پاک کی موجودہ بولیوں میں سے کسی میں بھی آزادانہ بطور لاحقہ نہیں ہوا۔ (۳) میں سمجھتا ہوں صحیح راہ وہی ہے جو ان دونوں کے درمیان ہے۔ یعنی جو اسماء اردو میں بطور مصدر یا حاصل مصدر مستعمل ہیں۔ ان کے لاحقوں کا سرچشمہ سنسکرت [illegible] یا [illegible] ہے اور جو بطور اسم مفعول 'ـِ ان' استقبالی استعمال ہو رہے ہیں ان کے لاحقے سنسکرت علامت '

---

(۱) بیمز جلد ۲ صفحہ ۷۰ (۲) ہندی گرامر صفحہ ۲۵۰ و ہندوستانی گرامر صفحہ ۲۰۲۔ (۳) گوڈین گرامر ۳۲۱ پ

استقبال अनीय سے لئے گئے ہیں۔ 'نا' کی مثالیں۔

کرنا یا کرنی (جو کچھ کیا جائے) ہونا یا ہونی۔ بھرنا یا بھرنی۔ اوڑھنا یا اوڑھنی 'ن — ان' کی مثالیں۔

لگان (جو کچھ لگایا جائے) دان (جو دیا جائے) کہانی (جو کہلائی جائے) وغیرہ — 'نا' جیسے بچھونا۔ کھلونا۔ (جو بچھایا جائے) اور جس سے کھلایا جائے) '— انا' جیسے چھاؤنی (جیسے چھایا جائے) پڑاؤ غالبًا پڑاونا تھا۔

(۱۶) — ن: علامت تانیث

اردو میں تانیث کے لئے ذیل کے لاحقے ہیں۔

(۱) '— ن' جیسے چمارن۔ لوہارن۔ دھوبن۔ "سونن" اصل میں "سپنی" تھا۔

(۲) — ائن' جیسے۔ منشائن۔ نائن۔

(۳) 'نی' جیسے ملانی، بنینی۔ فقیرنی۔ مورنی وغیرہ۔

(۴) '— انی' جیسے مہترانی۔ شیخانی۔ سیدانی۔

یہ لاحقے سنسکرت आनी؛ इनी اور नी سے لئے گئے ہیں۔ اردو میں ایک 'نی' اور بھی ہے جو غالبًا 'نا' مصدری اور یائے تانیث کی ترکیب کا نتیجہ ہے۔ یہ لاحقہ ویسے تو حاصل مصدر کے لئے ہے لیکن کبھی آلہ کے معنی دیتا ہے اور کبھی ظرفیت کے۔ جیسے چھپنی۔ یا چھننی۔ چھاونی (مصدر متعدی چھاؤنا) اس 'نی' کا ماخذ سنسکرت لاحقہ مستقبل अनीय بھی ہوسکتا ہے۔ فارسی 'نی' بھی اسی سے ہے۔ گروی (کرنے کے قابل)

ڈراونی، ان ہونی، دھونکنی۔

اردو میں 'ـی'۔ کبھی بطور لاحقہ تانیث مستعمل ہے۔ جیسے چماری۔ لوہاری وغیرہ ہر چند 'ـی' خود 'سنسکرت' میں علامت تانیث ہے۔ (۱) لیکن زیادہ بہتر اور قرینِ قیاس یہ ہے کہ اس کو 'سنسکرت' 'نی'، 'ـے انی' کا مخفف مانا جائے (جس طرح 'ن' کو مانا گیا ہے) یا 'ـیے' کا 'کا'۔

(۱۷) 'نی' : استقبالی

'سنسکرت' میں [illegible] اور 'فارسی' میں 'نی' ہے جیسے ہونی، انہونی دیکھنی وغیرہ۔

(۱۸) 'نا' : تصغیر

جیسے بھوت سے بھتنا۔ مٹکا سے مٹکنا۔ چھٹکا سے چھٹکنا۔ (۱)

(۱۹) ـَک ـَـ اک : اسمی مصدری

ہورنلے کے نزدیک اس کا تعلق 'سنسکرت' [illegible] سے ہے جو ان کے نزدیک [illegible] اور [illegible] سے مرکب ہے۔ اول الذکر اسمی اختتامیہ ہے اور ثانی الذکر [illegible] کا مخفف (۲) لیکن چیٹرجی اسے [illegible] سے ماخوذ مانتے ہیں۔ 'پراکرت' میں یہ لاحقہ [illegible] کی صورت میں تھا۔ 'سنسکرت' 'چمت کرت'، 'پراکرت' میں 'چمکت' ہوا اور 'اردو' میں 'چمک'۔ جیسے۔

---

(۱) سنسکرت گرامر دیسے صفحہ ۳۱ (۲) کیلاگ گروپ ۶۱۶ (۳) گوڑین گرامر پ ۲۲۸۔

پھاٹک (پھاٹ۔ باٹنا) بیٹھک۔ دھمک۔ ٹھنڈک۔ کالک۔ جھلک۔ دھڑک۔ کھٹک۔ لچک۔ لپک۔ سڑک۔ (سڑک) بھڑک (۱) بیمز کا خیال ہے کہ 'ک' مصدر 'کر' سے تراشا گیا ہے۔ انہوں نے اصل کے اعتبار سے اس لاحقہ کو فاعلی قرار دیا ہے۔ لیکن وہ کہتے ہیں کہ اس کے یہ معنی دھندلے ہوتے ہوتے بالکل مٹ گئے۔ پھاٹک اور سڑک اسی قسم کے ہیں۔ ان میں سے بعض اسمار ایسے ہیں جو لاحقہ 'ک' الگ کئے جانے پر بھی استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے بیٹھک (بیٹھنا) ٹھنڈک (ٹھنڈا) کالک (کالا) باقی اس لاحقے کے ساتھ مکمل مل گئے ہیں۔ یہ سب وضعی افعال ہیں جو کسی فعل یا اسم اور فعل 'کر' کی ترکیب سے بعد میں ڈھال لئے گئے۔ ان کی تفصیل فعل کی بحث میں دیکھی جائے۔

ان اسمار کے آخر میں 'ا' بھی بڑھا دیا جاتا ہے۔ جیسے دھڑکا۔ دھمکا۔ چمکا۔ کھٹکا۔ لپکا۔ تڑکا۔ کبھی 'ی' بڑھا دی جاتی ہے جو تصغیر اور تانیث کا کام دیتی ہے۔ ہچکی۔ چمکی۔

'اک' آواز یا حرکت فجائی ظاہر کرتا ہے جیسے تڑاک۔ پڑاک۔ کڑاک۔ جھپاک۔ ان اسمار کے آخر میں بھی 'ا' بڑھایا جاتا ہے۔ جیسے کڑاکا۔ دھماکا۔ جھپاکا۔ تڑاکا (تڑاخا) (پٹاخہ) یہ اسمار حکایت اصوات سے متعلق بھی ہو سکتے ہیں۔ اس صورت میں یہ اردو کی اپنی چیز ہوں گے۔

---

(۱) ان میں سے بعض اسما مستقل فعل کی صورت اختیار کر گئے ہیں اور ان پر 'نا' بڑھا کر گردانا جاتا ہے۔ جیسے جھلکنا۔ کھنکنا۔ وغیرہ۔

یہ لاحقہ پہلوی میں بھی ہے اور فعل سے حاصل مصدر بناتا ہے۔ جیسے پوشاک۔ (پوشیدن) سوزاک۔ خوراک۔

(۲۰) ـــ ک : تصغیر

یہ قدیم آریائی 'ک' ہے۔ پہلوی، قدیم فارسی، اور سنسکرت تینوں زبانوں میں یہ '[illegible]'(۱) تھا۔ اسپک (فارسی) اشوک (سنسکرت) ڈھولک۔ گولک۔ (گول۔ تجوری) پھٹک (سنسکرت سپھٹکا) چھٹکا میں 'ا' اور بڑھا دیا گیا ہے جو تانیث کی صورت میں 'ی' ہو جاتا ہے۔ جیسے پھلکا پھلکی۔ (پھل۔ کھلنا) ڈھولک۔ ڈھولکی۔ گنگا (گدا = گرز)

(۲۱) ـــ اک ـــ اکو : فعلی

(سنسکرت، [illegible] یا [illegible] اور پہلوی (اک' ہے جیسے چالاک (چال سے) پیراک۔ تیراک۔ لڑاکا۔ لڑاکو۔ لڑاکا میں 'ا' تانیث کا ہے۔ کیلاگ اور پلیٹس اس کی اصل سنسکرت [illegible] بتاتے ہیں۔

(۲۲) ـــ الو : فاعلی

(سنسکرت، تت سم لاحقہ [illegible] ہے۔ جیسے کرپالو، دیالو، جھگڑالو، نِدرالو، (سونے والا) لجالو (شرمیلا)

(۲۳) ـــ ال ـــ ل ـــ یل، ـ ریلا : وصفی

بیمز ان لاحقوں کی اصل سنسکرت [illegible] اور پراکرت [illegible]

---

(۱) ہندی گرامر صفحہ ۳۵، ہندوستانی گرامر صفحہ ۲۰۴

بتاتے ہیں۔ اس لاحقے کا تج اصل کلمے کے मूल یا मूल سے مل کر ﷲ یا ﷲ کا روپ اختیار کر لیتا ہے۔ نے "ال" "او" کا مخفف بھی ہو سکتا ہے۔ 'چھڑ جی' 'ا' بطور علامت تذکیر اور 'ی' بطور علامت تانیث بعد میں اضافہ کر دی گئی۔ منڈھال سنسکرت ندسال ہے (ندیا + ل) بمعنی خواب زدہ۔ گھڑیال۔ گھنٹال۔ ودھیال۔ گھیال۔ گھایل۔ پایل۔ گٹھیلا (گانٹھ سے) بسیلا۔ پتھریلا۔ بیا لونیلا۔ رنگیلا۔ منڈیالا۔ کوڑیالا۔ وڑھیالا۔ جوالا (جو والا) اڑیل اور مریل کے اصل میں اڑیل اور مریل تھا۔ ہیلی بھنیلی یا بھنیلی۔ ان میں وڑھیال جوالا وغیرہ۔ کلمات کا لاحقہ 'والا' بھی ہو سکتا ہے۔

(۲۴) ال : ظرفی

'سنسکرت' आलय سے حاصل کیا گیا ہے۔ وِدیا لے (وِدیا + آلے) علم کی جگہ سسرال (سسر کی جگہ) نانہیال (نہانی کی جگہ) ددھیال (دادی کی جگہ)

(۲۵) وال۔ والا : فاعلی

ہورنلے اس کی اصل 'پالک' (محافظ) یا 'پال' بتاتے ہیں 'سنسکرت' 'پ' 'و' سے بدل گئی ہے۔ جیسے گوالا۔ (گوپالک) رکھوالا۔ متوالا۔ گاڑی والا۔ کوتوال (کوٹ + پالک = محافظ۔

(۲۶) ہار۔ ہارا : فاعلی

'والا' کا ہم معنی ہے۔ ہورنلے، اس کا جوڑ 'سنسکرت' कारक

سے لگاتے ہیں۔ یہ صحیح نہیں۔ یہ 'کار' یا 'کارک' تھا 'ک' 'ہ' سے بدل گیا ہے۔ (۱) سنسکرت 'دھار' بھی اس کی اصل ہو سکتی ہے 'کہار' کی اصل 'سکندھ دھار' (کندھے پر رکھنے والا) ہے۔ ہونہار۔ پالنہار۔ چھنیارہ۔ لکڑہارا۔ لیسن ہارا۔

(۲۷) ے۔ ار ے۔ ارا ــــ یرا: فاعلی

یہ سب لاحقے سنسکرت 'کار' یا 'کارک' کی تحریف ہیں۔ جن کے آخر میں 'ی' ہے وہ 'کارن' سے ڈھالے گئے ہیں۔ 'ک' درمیان سے حذف ہو گیا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ 'ہار' اور 'ہارا' کی وساطت سے بنے ہوں۔ اس صورت میں 'ہ' کا حذف ماننا پڑے گا۔ جیسے۔

کمہار (کنبھ + ہار) سونار (سورن + کار) چمار (چرم + کار) بنجارا (ونج کارک) گھسیارا (گھس کارک) پنہار کو پنیارا بھی کہتے ہیں۔ 'گھسیارا' اور 'پنیارا' میں 'ی' اس لئے اضافہ کی گئی ہے کہ 'ا' سے پہلا حرف 'س' یا 'ن' ساکن ہے۔ پجاری (پوجا + کارن) بھکاری (بھکشا + کارن) جواری۔ 'ر' 'ڑ' بھی ہو جاتی ہے۔ کھلار۔ کھلاڑی۔ کھلاری وغیرہ۔

'یر' یا 'یرا' کی اصل پراکرت 'کیر' یا 'کیرک' ہیں جو پانو 'کر' مادے سے براہ راست وضع کئے گئے ہیں (۲) یا سنسکرت 'کاریہ' کا بگڑا ہوا روپ ہیں (۳)۔ 'کاریہ' 'کیر' جیسے پریہ سے 'پیر'۔ اردو میں یہ لاحقہ بطور علامت اضافت بھی مستعمل ہے۔

---

(۱) پلیٹس ۸۱۵ کیلاگ ۴۱۳ چیٹرجی پارہ ۵۴۴ (۲) ہندی گرامر ۳۵۶ (۳) بھنڈارکر صفحہ ۲۵۰۔

لٹیرا۔ کمیرا۔ کمیرا (کاٹنے کا کام کرنے والا) چپیرا (چھپری تزاد) عمیرا (ماموں زاد) میرا، تیرا وغیرہ میں 'ے' 'یرا' اضافی ہے۔ قرین قیاس یہ ہے کہ 'ے' 'یرا' فاعلی کو 'کاریہ' کی جگہ 'کر' یا 'کار' کا روپ مانا جائے۔ اور یہ کہا جائے کہ 'ک' 'ت' سے بدل گیا ہے۔ ایک صورت اس میں اور بھی ہے وہ یہ کہ 'ے' 'یرا' کو 'ے' 'یل' کا بدل مانیں۔ 'ل' کا تبادل 'ر' سے ایک عام بات ہے۔

(۲۸) 'ے' وڑے 'وڑا': فاعلی

'کیلاگ' کے خیال میں سنسکرت 'ہتھ' سے لیا گیا ہے (۱) 'ہ' 'ڑ' سے بدل گئی ہے۔ جیسے ہنسوڑ (ہنس + آر) بھگوڑا۔ ہتھوڑا غالباً ہتھ 'ار' تھا (۲) 'اڑا' بھی مستعمل ہے۔ جیسے بھنگڑ۔ جیگڑ۔ لنگڑا وغیرہ۔

(۲۹) 'واڑ' 'واڑا' 'واڑی': ظرفی

'چیٹرجی' سنسکرت 'واٹ' سے ماخوذ بتاتے ہیں۔ 'واٹ' اصل میں 'ورت' تھا جو فعل 'ورت' بمعنی گھیرنا اور احاطہ کرنا کا اسم مفعول ہے۔ اکھاڑا۔ یہ اکش + واٹ۔ اکش واڑ۔ اکھوڑ۔ اکھاڑا۔ 'واڑا' مقامات کے ناموں میں بکثرت استعمال ہوتا ہے۔ جاٹ واڑا۔ بیجواڑا۔ رجواڑا۔ 'و' کی جگہ 'ب' بھی دیکھی گئی ہے۔ امام باڑہ۔ قصائی باڑا۔ پھلواڑی۔ پھول واٹکا۔ (پھولوں کی بگیا) پنواڑ ہیں 'ی' نسبتی لگا کر پنواڑی وضع کر لیا گیا۔

---

(۱) ہندی گرامر ۳۶۰

(۲) ہاتھیا اور ہتھیا کے معنی ہاتھ یعنی قبضہ کے ہیں۔

(۳۰) 'ڑا' 'ڑا' 'ڑی' 'ڑی' : تصغیر

'سنسکرت' کی 'ر' اردو میں 'ڑ' ہوگیا ہے (۱) چیٹرجی' اسے الحاقی بتاتے ہیں جو 'پراکرت' میں 'ڈ' کے روپ میں تھی۔ (دوچھڑا = بچھڑا۔ ہیم چندر کی کتاب میں ہے) اور 'سنسکرت' 'ٹ' یا 'ت' سے بدل کر آتی تھی۔ لاحقہ 'تا' 'سنسکرت' میں اسم اور صفت بنانے کے کام آتا ہے۔ جیسے ایکتا۔ ٹکڑا: ٹکڑی (ٹوک) پنگڑی۔ سنگرتا: لنگوڑکا۔ کیڑی (سپٹ = ٹکڑا) چمڑا (چام) انتڑی (آنت) انکھڑی (آنکھ) (پگڑی) (اگ پھٹکری) (کھٹڑا) (گٹھ) جیوڑا (جیو) دکھڑا۔ (دکھ)۔

ہورنلے کی رائے میں 'ر' 'ڑا' 'ڑ' 'ڑا' 'ڑی' 'ڑا' 'ل' 'ل' 'ل' وغیرہ لاحقے سب الحاقی ہیں ان کے جوڑنے سے کلمے کے معنی میں کوئی تغیر نہیں ہوتا مثلاً چام (چمڑا) گھنا (گھنیرا) ٹھٹھا (ٹھٹھول) گگی (گگلیا) آنکھ (انکھڑی) آنت (انتڑی) وغیرہ۔ وہ ان تمام لاحقوں کی اصل پراکرت [illegible] بتاتے ہیں جو 'سنسکرت' 'درش' سے نکلا ہے۔ درش۔ دس۔ د۔ ڈھ۔ ڈ۔ پراکرت 'ڈ' 'ڑ' 'ر' اور 'ل' تینوں کا روپ اختیار کر لیتی ہے (۲)

(۳۱) 'وتیا' : فاعلی

ہورنلے اس کی اصل 'سنسکرت' [illegible] اور پراکرت [illegible]

---

(۱) ہندوستانی گرامر (۲) قواعد اکبر جلد صفحہ ۱۲ (۲) گوڈین گرامر پارہ ۲۰۹ تا ۲۱۸۔

یا [illegible] بنا ہے۔ (۱) کیلاگ اس سے متفق ہیں۔ (۲) پلیٹس کہتے ہیں کہ اصل میں [illegible] تھا۔ 'ک' 'ی' سے بدلا تو 'آیا' یا 'آئیا' ہوا اور جب 'د' تزیین کلام کے لئے بڑھایا گیا تو 'دیا' ہو گیا۔ گویا بھیریا۔ لیکن خود سنسکرت میں فاعلی لاحقے [illegible] اور [illegible] ہیں (۳) جن میں سے ہر ایک 'دیا' کا ماخذ ہو سکتا ہے۔

(۳۲) واں: صفتی

'سنسکرت' [illegible] یا [illegible] سے نکلا ہے۔ یہ [illegible] پراکرت عہد میں [illegible] ہو گیا تھا۔ جیسے گرام سے گاؤں۔

پانچواں۔ ساتواں۔ بیسواں۔ تیسواں، وغیرہ۔

(۳۳) پا۔ پن۔: مصدری

یہ لاحقہ اردو میں بکثرت مستعمل ہے اور 'سنسکرت' [illegible] یا [illegible] سے بنا ہے۔ 'پراکرت' میں اس نے '[illegible]' یا [illegible] کی شکل اختیار کی۔ 'سنسکرت' 'وردھتوم' 'پراکرت' میں 'بڈوپم' ہوا۔ یہی اردو میں 'بڑھاپا' بنے ہے (۱)، (۲) لڑکپنا بچپن۔ موٹاپا۔ بہناپا وغیرہ۔

(۳۴) ـے۔ س ـے اس: مصدری

پلیٹس اس کی اصل 'سنسکرت' آشا (آرزو) بتاتے ہیں۔ لیکن

---

(۱) گوڑین گرامر پارہ ۳۱۳ (۲) کیلاگ ۳۵۶ (۳) سنسکرت گرامر وِہٹنے پارہ ۱۲۲۸ (۱) ۱۲ ویر ہیندر ورما پارہ ۲۲۳۔

کچھ بعید نہیں کہ یہ 'سنسکرت' علامت اضافت [illegible] ہو۔ 'پراکرت' روپ اس علامت کا [illegible] تھا۔ مٹھاس کے معنی ہیں میٹھے کا اور کھٹاس کھٹے کا۔ یعنی وہ صفت جس کا تعلق کھٹے اور میٹھے سے ہے۔ پھیکاس بھڑاس کاس (کالا + سیہ) آپس (آتم + سیہ) لٹس پیٹس یا ٹپاس اسی طرز پر ڈھال لئے گئے۔

'چٹرجی' اسے 'سا' کا مخفف بتاتے ہیں: مٹھاس یعنی میٹھا سا اگر ایسا ہے تو پھر بہتر یہ ہے کہ اسے قدیم آریائی 'سار' (بچھڑ) کا زائیدہ مانا جائے کاس وغیرہ کی اصل پہلوی 'اش' اور 'فارسی' 'ش' بھی ہو سکتا ہے لیکن 'کالڈویل' بتاتا ہے کہ یہ قدیم آریائی 'اچ' (نسبتی لاحقہ) 'چ' اور 'س' کی صوتی مجانست ظاہر ہے۔

(۳۵) سا: مثل

ہورنلے 'سنسکرت' 'سدش' (مانند) سے ماخوذ مانتے ہیں۔ (۱) چٹرجی کہتے ہیں کہ صوتی طور پر یہ ممکن نہیں۔ ان کے خیال میں 'سنسکرت' 'ش' جدید دیسی زبانوں کا 'س' ہے۔ بعض 'سنسکرت' الفاظ میں 'ش' اس معنی میں دیکھا گیا ہے۔ کبھی ش (بندر کی مثل)، کوک ش (کنگی مثل) 'ش' ان کے نزدیک ہند آریائی 'کو' سے بنا ہے۔ (۲) 'فارسی' 'سا' یا 'سان' لفظی اور معنوی طور پر اس لاحقے سے اس قدر ملتا ہے کہ یہ 'فارسی' سے ماخوذ نظر آتا ہے۔ ممکن ہے اردو 'سا' اور 'فارسی' 'سان'

گولڈین گرامر پاراگراف ۳۹۲ (۲) بنگالی پارہ ۵۰۴ (۳) فارسی گرامر پلیٹس صفحہ ۱۴۳

سنسکرت' سمان' کی بگڑی ہوئی صورتیں ہیں۔ (۱) 'اوستائی' میں اس کا روپ 'س' ہے (۱) ایسا (اے + سا) ویسا (وے + سا) پیسا (پائی + سا) جیسا تیسا۔ روسا۔ بتاسا۔ (بات بمعنی ہوا) جھلسا (جلا ہوا سا)۔

'بیمز' اور 'کیلاگ' دونوں 'سے س' اور 'سا' کی اصل 'سنسکرت' طلبی فعل کا ماخذ [illegible] یا [illegible] + [illegible] بتاتے ہیں۔ ان کے نزدیک اس کی عام مثال 'پیاس' اور 'پیاسا' ہے جن میں سے پہلا اسم ہے اور دوسرا صفت پیاسا اصل میں پیاستہ تھا۔ (۲) 'بیمز' پیاس کا ماخذ 'سنسکرت' 'پیاسا' بتلاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں اردو میں ایسے کلمات بھی ہیں جن کا سنسکرت ماخذ واضح نہیں۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ وہ 'سنسکرت' طلبی فعل کی وضع پر ڈھالے گئے تھے۔ اور ان میں کسی نہ کسی درجے میں طلب فعل پائی جاتی ہے۔ 'بیمز' نے اس قسم کے کلمات کو تین طبقات میں رکھا ہے۔

الف۔ جو براہ راست سنسکرت طلبی فعل سے لئے گئے ہیں۔

ب۔ جو حالیہ افعال سے وضع کئے گئے ہیں۔

ج۔ جو حال کے اسمار سے اخذ کئے گئے ہیں۔

پہلی قسم کے مثال پیاس یا پیاسا ہے جو اوپر دیا جا چکا ہے' روا سا' بگاسی اور متاس دوسری قسم کے ہیں۔ مٹھاس۔ کھٹاس۔ وغیرہ کو انہوں نے تیسری قسم میں رکھا ہے۔ (۳) 'منڈسا' کی اصل 'بیمز' 'منڈواسک' بتاتے ہیں۔ منڈ بمعنی 'سر' اور واسک 'دس' (پہنانا) سے ماخوذ ہے۔ اور پوشش کے معنی میں ہے۔ اسی طرح 'گنڈاسا' کو وہ 'گرنتھ (گانٹھ) اور

---

(۱) اوستا گرامر پارہ ۸۲۷ (۲) ہندی گرامر پارہ ۶۱۹ (۹)

(۳) تقابلی گرامر جلد ۲ پارہ ۱۷

آشو (قطع کرنے والا) سے مرکب مانتے ہیں: مہاسا' ومنڈ ہ اسک: مقابلہ یعنی منہ کو چھپانے والا؛ منڈاسا' کے معنی مڑھا ہوا سا اور لپٹا ہوا سا بھی ہو سکتے ہیں اس صورت میں 'سا' کا تعلق اس لاحقے سے ہوگا۔ ہورنلے 'سے' اس' نے اسا کو 'دانس' یا 'وانچھ' (خواہش) سے ماخوذ مانتے ہیں۔ 'و' حذف ہوا اور 'چھ' 'س' سے بدل گیا (۱)

(۳۶) 'سال' : ظرفی

سنسکرت میں 'شالا' ہے۔ آخر سے الف گرا اور 'ش' حسب قاعدہ 'س' ہو گیا۔ گھوڑسال۔ کھنڈسال۔ (کھانڈ بنانے کی جگہ) ٹکسال (ٹکا = روپیہ)

(۳۷) رو : مشل

سنسکرت 'روپ' کا مخفف ہے۔ اردو کے چند کلمات میں یہ لاحقہ استعمال ہوا ہے۔ جیسے 'گبرو' (گربھرو) بمعنی جوان" پکھیرو" پاکھ (پکش) رو بھا اور 'گنوارو' گانورو۔ ہورنلے پکھیرو کی اصل پاکھ (بازو) 'سے پیرو' بتاتے ہیں۔ ان کے نزدیک 'سے پر' اور 'سے پرو' کی اصل سنسکرت 'ورش' (مشل) ہے۔ اس کے تغیرات جو انہوں نے بتلائے ہیں (۲) ان میں تکلف نظر آتا ہے۔

(۳۸) ت امی : اسمی

چاٹرجی اس کی اصل 'مام' بتاتے ہیں جو سنسکرت کرم کا ایک روپ ہے

---

(۱) گوڈین گرامر پاپہ ۲۸۲ (۲) گوڈین گرامر پاپہ ۲۵۹۔

کرم کم ۔ بہتم ۔ گمراہی کا گمر رہا تھا اور باگی پا جوانی اور پاجو کا نی ۔ (۱)

(۳۹) جا : نسبت

سنسکرت ' جات ' (پیدا شدہ) کا مخفف ہے ۔ جیسے بھتیجا ۔ (بھاتی + جا) بھانجا (بہن + جا)

(۴۰) ہا : فاعلی

اس کی اصل مشتبہ ہے ۔ کیلاگ کے نزدیک اس کا محتمل ماخذ [illegible] ہے ۔ (۲) جیسے چرواہا (چرواہک) ، جو نالکھی شاید اسی سلسلے کا ہے ۔ اس کی سنسکرت [illegible] اور پراکرت [illegible] معلوم ہوتی ہے ۔ ایگ (سنسکرت میں ' چرنا ' ہے ۔

فارسی لاحقے

اُردو میں فارسی لاحقے بھی ہیں اور بڑی تعداد میں ہیں ۔ ان میں سے چند جو گھل مل کر جزو زبان ہو گئے ہیں ذیل میں دیئے جا رہے ہیں ۔

---

(۱) چٹرجی پارہ ۱۴۱

(۲) ہندی گرامر پارہ ۲۱۲ (۵)

(۱) ے ـ انہ : نسبتی

پہلوی میں ـ ے انک تھا۔ یہ لاحقہ نسبت اور تعلق بتاتا ہے۔ جیسے راجپوتانہ۔ ہندوانہ۔ گھرانہ۔ سمدھیانہ۔ بچکانہ۔ آخر میں یائے تانیث بڑھا کر کہتے ہیں۔ بچکانی جوتی۔ ہندوانی ٹوپی۔ ممکن ہے یہ لاحقہ سنسکرت علامت اضافت 'آنا' کو ہلکا کرکے بنالیا گیا ہو۔ راجپوتانہ کی اصل اس صورت میں راجپوتانام ' ہوگی۔ یعنی راجپوتوں کی (سرزمین) اسی طرح ہندوانہ اور بچکانہ کو سمجھیے۔

(۲) بان' ران : فاعلی

پہلوی 'پان' ' پانک' قدیم فارسی اور سنسکرت 'پال' اس کی اصل ہے۔ اس کے لغوی معنی محافظ کے ہیں۔ اس سے جو کلمات وضع ہوئے ہیں ان میں پاسبانی کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ گاڑی بان۔ شتربان' پہلوان وغیرہ۔ کوچوان انگریزی کا کوچ میں کی بگڑی ہوئی صورت بھی ہوسکتا ہے۔

(۳) وار' تار : فاعلی' اسمی' مفعولی

پہلوی تار' قدیم فارسی 'تر' اور سنسکرت تر سے ماخوذ ہے۔ جیسے امیدوار۔ کردار۔ گفتار وغیرہ۔ اگر کلمے کے آخر میں 'ت' یا 'د' ہو تو حرف 'ے ار' اضافہ کیا جاتا ہے۔ (۱)

---

(۱) دستور پہلوی صفحہ ۴۹

(۴) دان : ظرفی

قدیم فارسی 'دا' اور سنسکرت 'دھا' (رکھنا) سے بنا ہے۔ آتش دان۔ نمک دان۔ پان دان۔

(۵) ستان : ظرفی

فارسی 'ستان' اور سنسکرت 'ستھان' ایک ہی مادے سے ہیں۔ جس کے معنی ٹھہرنا یا قیام کرنا ہیں۔ ریگستان۔ گلستان۔ بہارستان۔

(۶) زار : ظرفی

پہلوی 'چار' قدیم فارسی میں چاری ہے جو چر (چلنا) سے ماخوذ ہے۔ بازار (پہلوی میں باچار) گلزار۔ لالہ زار وغیرہ۔

(۷) سار : فاعلی

فارسی میں بھی ہے اور سنسکرت میں بھی۔ پلیٹس اسے سنسکرت لاحقہ بتاتے ہیں۔ ملن سار۔ شرم سار۔ خاک سار وغیرہ۔

(۸) گر : فاعلی

فارسی 'گار' کا مخفف ہے لیکن 'گر' بھی مستعمل ہے یہ لاحقہ سنسکرت اور ژند میں 'کار' ہے۔ بازی گر۔ کاری گر۔ آخر میں یائے مصدری بڑھا کر کہتے ہیں۔ بازی گری۔ کاری گری۔

(۹) چہ - یچہ - چی : تصغیر

یہ لاحقہ قدیم ہند آریائی "اچ" سے ماخوذ ہے جس کے معنی مثل اور مشابہ کے ہیں۔ سنسکرت شویتاچ (سفید سا) میں یہ لاحقہ موجود ہے۔ دیگچی - باغیچہ - پارچہ -

(۱۰) مند : فاعلی

سنسکرت منت اور فارسی مند ایک ہی اصل سے ہیں۔ عقلمند، زورمند وغیرہ۔

ان کے علاوہ اور لاحقے بھی ہیں جو خالص فارسی اور عربی کلمات میں جوڑے جاتے ہیں۔ یہ ان کلمات کے ساتھ ساتھ اردو میں آئے تھے۔ جداگانہ کوئی حیثیت نہ ہونے کی وجہ سے اردو زبان کی ارتقائی تاریخ میں انکی اہمیت نہیں۔

ب - ترکیب الفاظ

اردو مرکبات کی دو قسمیں ہیں۔ تت سم اور تد بھو۔ تت سم سنسکرت کے بھی ہیں اور فارسی عربی کے بھی۔ ان کی تفصیل ان زبانوں کی صرف و نحو کی کتابوں میں دیکھی جائے۔ تد بھو مرکبات کی پانچ قسمیں ہیں۔ (۱)

(۱) مرکب عطفی

یہ سنسکرت کا "دوند و سماس" ہے۔ یہ دو کلموں سے بنتا ہے جیسے

---

(۱) کیلاگ پیراگراف ۲۵۹ - وضع اصطلاحات ۲۱۹ تا ۲۲۱ -

درمیان کا حروف عطف گرا دیا جاتا ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔

الف۔ دونوں کلمے معنی کے اعتبار سے مختلف ہوں۔ دونوں اسم ہوں۔ جیسے ماں باپ۔ دن رات۔ نانا نانی۔ گھٹا بڑھتی۔ دل گروہ۔ کام دھام۔ لال پیلا۔ چھلیل۔ (پھول تیل) رساول (رس چاول)۔

یا دونوں فعل یا مشتقات فعل ہوں۔ جیسے توڑ جوڑ پڑھا لکھا۔ بیاہ دیا۔ ہار جیت۔ اُدھیڑ بن۔

ب۔ دونوں کلمے ہم معنی ہوں۔ دونوں اسم ہوں۔ جیسے بھلا چنگا۔ خاک دھول۔ کام کاج وغیرہ۔

یا دونوں فعلی ہوں۔ جیسے بھول چوک، دیکھ بھال۔ پکڑ دھکڑ۔ مار دھاڑ۔ تاک جھانک۔ کاٹ چھانٹ۔ اچھل کود۔ کتر بیونت۔ پالا پوسا۔ بھولا بھٹکا۔

مرکب عطفی میں حروف عطف کی جگہ اس کا قائم مقام الف انفصال بھی دیکھا گیا ہے۔ بیچا بیچ۔ جھڑا جھڑ و۔ دھینگا مشتی۔ دھکا پیل۔ وہ مرکبات بھی اس میں شامل ہیں جو توابع مہمل کی ترکیب سے بنے ہیں جیسے اول بدل اُنڈس پھڈس۔ بھیڑ بھاڑ۔ روٹی ووٹی۔

فارسی مرکبات کو بھی اس میں شامل کیا جا سکتا ہے جو کسی حرف عطف سے جڑے ہوئے ہیں۔ جیسے شبا شب۔ روزبروز۔ سرو پا وغیرہ۔

(۲) مرکب توصیفی یا نحوی

یہ سنسکرت 'تت پرش' کا قائم مقام ہے۔ یہ جن دو کاموں سے بنتا ہے ان میں ذیل کے نحوی تعلقات میں سے کسی ایک کا ہونا ضروری ہے۔

(۱) اضافی۔ پہلا مضاف ہو دوسرا مضاف الیہ۔
باگ ڈور (باگ کی ڈور) بھوج پور (راجہ بھوج کا پور) پن چکی (پانی کی چکی) کال کوٹھری۔ (کال یعنی موت کی کوٹھری) منڈی دل (منڈی کا دل) لکھ پتی (لاکھ کا پتی) گھوڑدوڑ۔ پن گھٹ۔ بہت جھڑ وغیرہ۔

(۲) مفعولی۔ پہلا دوسرے کا مفعول ہو جیسے
انگرکھا۔ (انگ رکھا = جسم کو محفوظ رکھنے والا) شوربا چٹ (شوربے کو چاٹنے والا) بٹ مار (بٹ = راہ) کھال اُپاڑ۔ ہری چگ۔ کفن کھسوٹ۔

(۳) ظرفی۔ پہلا ظرف ہو دوسرے کا۔ بھڑ بھونجا (بھاڑ میں بھونجنے والا) کپڑچھن (کپڑے میں چھاننا) چادر چھپول۔ گھر گھسنا۔ کوٹھوں چڑھی۔

(۴) مجروری یا ابتدائی۔ جن کے درمیان حرف جر "سے" مقدر ہو۔
دیس نکالا۔ آنکھوں دیکھا۔ منہ بولا۔ رس بھری۔ منہ لگائی۔ قدموں لگی۔

(۳) مرکب عددی

(سنسکرت) کا دوگو سماس ہے۔ جیسے دوپہر۔ چوراہا۔ ترلاہا۔ پنچ محلا۔ ست لڑا۔ دوپٹا۔ چوماسا۔ ترپولیا۔ اٹھولنا وغیرہ۔

(۴) مرکب توصیفی

صفت اور موصوف کی ترکیب سے بنتا ہے یہ سنسکرت "کرم دھارے" سماس ہے۔ رتالو (رکت = سرخ) منجدھار (مدھیہ = درمیان) بھلا مانس نیک چلن۔ جاجیا (بڑا انسان)۔

(۵) مرکب وصفی

یہ سنسکرت 'بہو بریہی' کا مرادف ہے۔ فارسی اسم فاعل ترکیبی اور اسم مفعول ترکیبی اسما میں شامل کیے جا سکتے ہیں۔ یہ مرکب ایک وصف ہوتا ہے جو بطور نعت کسی موصوف کی تعریف کرتا ہے۔ اس لحاظ سے مرکب توصیفی اور توصیفی کی بہت سی مثالیں اس میں شامل ہیں۔ مثلاً نیک چلن وصفی بھی ہے اور توصیفی بھی لیکن بھلامانس محض توصیفی ہے۔ اسی طرح دھڑلا چپٹ کو بہو بریہ (وصفی) بھی کہہ سکتے ہیں۔ لیکن چادر چھپول نرا توصیفی ہے۔ ادھموا۔ دونالی اتھرڈولا۔ بڑھ بولا۔ کن کٹا۔ نکٹا۔ منہ پھٹ۔ ہتھ چھٹ۔ دل جلا۔ من چلا۔

ترکیب الفاظ کے سلسلے میں مرکب میں کچھ لفظی تبدیلیاں ہو جاتی ہیں۔ ان کا ذکر وضع اصطلاحات اور بیمز کی کتاب میں کسی قدر تفصیل سے کیا گیا ہے۔ مختصر طور پر ذیل میں ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) مرکب کے اجزا میں اگر کوئی حرف علت ہو تو کبھی اول جزو سے کبھی آخری جزو سے اور کبھی دونوں جگہ سے یہ حرف علت گر جاتا ہے۔ جیسے ٹیڑھا سے ٹرڈھموا۔ چام سے چمرس۔ کاٹھ سے کٹھ پتلی۔ گھاس سے گھسیارا۔ بھل منسات۔ تھڑ دلا۔

(۲) اگر پہلے جزو کا آخری حرف اور دوسرے کا پہلا حرف ایک ہو تو ان میں سے ایک گر جائے گا۔ جیسے کچا آلو سے کچالو۔ ناک کٹا۔ نکٹا۔ ناک کیل سے نکیل۔

(۳) خلاف قاعدہ حروف گراکر بھی تخفیف کرلی جاتی ہے جیسے چپراسی (چپ + راست + ی) پنسیرا (پنج + سیر + ا) دستپنا (دست + پناہ) شاباش (شادباش)۔

(۴) اگر مرکب کے دوسرے جزو میں کوئی حرف علت ساکن ہو تو ترکیب کے بعد اس سے پہلے حرف کو حذف کر دیا جاتا ہے۔ پھلیل اصل میں پھول تیل تھا۔ اور رساول رس چاول (۱)، کھڑاؤں کی اصل کٹھ یا کاٹھ پاؤں سمجھیے۔ اگرچہ 'بیمز' نے کھڑا سے ماخوذ سمجھ کر اس کی اصل کھڑاؤں یا کھڑون بتائی ہے۔ (۲) 'ڑ' الحاقی بڑھا کر کٹھڑا وڑی بھی کہتے ہیں۔ تبولی تیب گولی تکی اور ککڑولی کیکر گولی۔ انگوچھا۔ انگ (بدن) پرچھا تھا اور پشتارہ پشت بارا۔

(۵) مرکب کے اجزا کے درمیان ایک الف بڑھا دیتے ہیں۔ جیسے ننگا زنگی۔ دھینگا مشتی۔ دھما چوکڑی۔ دھکا پیل۔ کاناپھوسی۔ موسلا دھار۔ لمبا میٹ۔ بھیڑ اچال۔

(۶) کبھی الف کی جگہ 'م' اضافہ کی جاتی ہے۔ جیسے ٹالم ٹول۔ ٹھیکم ٹھاک۔ دھکم دھکا۔ پورم پور۔

الف اتصال فارسی میں بھی ہے لیکن یہ الف غالباً اشباعی ہے جو جزو اول کی آخری حرکت پر زور دینے سے وجود میں آیا۔ 'م' کی بابت یہ خیال ہے کہ وہ بے جنس کی علامت ہے۔ سنسکرت بے جنس اسمار کی فاعلی حالت میں 'م' ہوا

---

(۱) پھلیل کی اصل پھول + ایل بھی ہوسکتی ہے۔ اور رساول کی رس + اول جیسے جڑاول۔

کرتا تھا۔ آرزو میں ہر چند اس کا وجود نہ تھا۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ بے جنس تھا یہ 'م' زبانوں پر چڑھ گیا اور قدیم زمانے سے بول چال میں منتقل ہوتا چلا آیا۔

باب سوم

"اسماء مالغہ"

تمام اسمار جو کسی خاص معنیٰ کے لئے وضع ہوئے اور صرف انہی معنوں میں بولے جاتے ہیں ہم انہیں "اسمار مالغہ" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ یہ نئی اصطلاح ہے (۱) ضمائر، اشارات، موصولات اور اسمار اعداد کو چھوڑ کر تمام اسمار اس قسم میں داخل ہیں۔

اسمار مالغہ کے احکام یوں تو بہت ہیں لیکن ان میں سے تین اہم ہیں۔ مولوی عبدالحق صاحب نے ان کو "لوازم اسم" کہا ہے۔ وہ یہ ہیں جنس (مذکر و مؤنث) عدد (واحد جمع) اور اعرابی حالت۔ ان میں سے پہلے دو کا تعلق اسم کی انفرادی حالت سے ہے اور تیسرے کا ترکیبی سے۔ تنہا اسم کی جنس اور عدد کا حامل ہوتا ہے مگر اس کی اعرابی حالت اس وقت ہوتی ہے جب وہ کسی جملے میں استعمال ہو۔

الف۔ جنس

جس طرح جاندار چیزیں دو طرح کی ہیں۔ کچھ مذکر اور کچھ مؤنث

---

(۱) الفلسفۃ اللغویہ طبع ثالث صفحہ ۳۲۔ نیز ملاحظ فرمایئے "اردو الفاظ عامر کی آپ بیتی" مطبوعہ رسالہ اردو جنوری ۲۶ء

اسی طرح اسماء و الفاظ بھی قواعد میں مذکر یا مؤنث ہوتے ہیں۔ چاہے وہ بے جان چیزوں پر دلالت کرتے ہوں یا جان دار چیزوں پر۔ سنسکرت اور پراکرت میں جنس کی تین قسمیں تھیں۔ مذکر، مؤنث اور بے جنس۔ سنسکرت اور پراکرت کے تمام اسماء جنس کی ان تین قسموں میں سے کسی نہ کسی قسم میں داخل ہوتے تھے۔ ہند و پاکستان کی جدید آریائی زبانوں میں سے مراٹھی، گجراتی اور سنہالی میں تینوں قسموں کے اسماء پائے جاتے ہیں۔ اردو، راجستھانی، پنجابی اور سندھی میں صرف دو قسم کے مذکر اور مؤنث ہیں۔ مشرقی زبانیں یعنی بنگالی، اڑیا، بہاری اور آسامی سوا میں لفظی تذکیر و تانیث کا فرق روا نہیں رکھا جاتا۔ اس کی وجہ ڈاکٹر چیٹرجی یہ بتاتے ہیں کہ مشرقی زبانوں پر غیر آریائی زبانوں کا اثر ہے۔ کول قبائل کی بولیوں میں جنس کا فرق نہ تھا۔ اس لئے بنگالی وغیرہ زبانوں میں نہ رہا۔ مراٹھی اور گجراتی میں جنس کی تینوں قسموں کا وجود بھی غالباً پڑوس کی دراوڑی بولیوں کا اثر ہے۔ ان بولیوں میں جنس کی تینوں صورتیں پائی جاتی ہیں۔

اردو میں ہر چند جنس کی دو صورتیں ہیں۔ مذکر اور مؤنث۔ لیکن تذکیر و تانیث کی اردو میں بڑی اہمیت ہے۔ اردو اسماء صفات اور مشتقات ہی نہیں بلکہ افعال تک مذکر یا مؤنث ہوتے ہیں یا مذکر و مؤنث کے اعتبار سے گردانے جاتے ہیں۔ اصل ہوں یا امدادی اس کا کوئی فرق نہیں کیا جاتا۔ جیسے دوڑتا ہے۔ کھاتی تھی۔ پڑھے گا یا پڑھے گی۔ اس کی وجہ ماہرین لسانیات یہ بتاتے ہیں کہ سنسکرت مشتقات یعنی اسم فاعل، اسم مفعول اور اسم حالیہ اردو میں بطور افعال استعمال ہوتے ہیں۔ یہ اسماء سنسکرت میں موصوف کے لحاظ سے مذکر یا مؤنث ہوا کرتے تھے۔ اردو میں بطور افعال استعمال ہوئے تو فاعل یا نائب فاعل کے مطابق جو حقیقت میں وہ

حقیقت میں موصوف ہے) مذکر یا مؤنث گردانے جانے لگے۔

... آخری عہد کی پراکرت شورسینی اپ بھرنش کی ترقی یافتہ صورت بتایا جاتا ہے۔ تذکیر و تانیث کے باب میں اپ بھرنش اُردو سے بہت بچھڑی ہوئی ... لحاظ سے اُردو کے بعد کی زبان سے زبان معلوم ہوتی ہے۔ ہیم چندر نے اپنی مشہور گرامر میں اپ بھرنش کے جو دوہے بطور مثال دیئے ہیں اُن میں اکثر مؤنث کی صفات علامت تانیث سے عاری ہیں۔ ایک ... کی دیوی کے لئے 'دسنٹھل' اور 'بچل' الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ قاعدے کے مطابق یہ الفاظ 'دسنٹھلا' اور 'بچلا' (مؤنث) ہونے چاہئیں(۱) صفات ... اسی ساتھ اُردو میں وہ حروف و علامات بھی تذکیر و تانیث کے لحاظ ... جیسے 'کا' اور 'را'، میرا گھوڑا تمہاری گھوڑی۔ اُردو کا ہر کلمہ جس کے آخر میں 'الف' ہے مؤنث بنا لیا جاتا ہے۔ ... وہ مشتق ہو۔ فعل ہو معاون فعل ہو یا حرف) چند مثالیں ...

... رہا ہے۔ ... ہے۔ ... تا تھا۔ ... تھی۔ ... آیا۔ ... گی ... ہوا۔ ہوئی۔ لڑکے کا گھوڑا۔ لڑکی کی گڑیا۔ 'ہے' قدیم 'آئندہ' میں 'ہے گا' بولا جاتا تھا۔ اس کا مؤنث 'ہے گی'، بتا۔ لگا، 'را' اور 'گا'، وغیرہ اصل کے اعتبار سے مستقل ... میں جو بعنت صوتی کے زیر اثر گھس گھسا گئے۔ اس لئے ... کے ساتھ یہ بھی مؤنث ہو جاتے ہیں۔ اردو اسمار کی تذکیر و تانیث کا دارومدار سنسکرت

---

(۱) بحوالہ ہند ... صفحہ ۲۵

اور پراکرت پر ہے جو اسماء ان زبانوں میں مذکر تھے اُردو میں وہ مذکر ہیں اور جو مؤنث تھے وہ مؤنث۔ لیکن یہ کلیہ نہیں۔ بعض اسماء ایسے بھی ہیں جو سنسکرت میں مذکر تھے لیکن اُردو میں مؤنث ہیں۔ اس کے برعکس سنسکرت کے بعض مؤنث اسماء اردو میں آکر مذکر ہو گئے ہیں۔ بے جنس اسماء زیادہ تر مذکر ہیں لیکن کچھ ایسے بھی ہیں جو مؤنث بولے جاتے ہیں۔ (۱) اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ ان کلمات کے ہم معنی فارسی و عربی الفاظ اُردو میں مؤنث یا مذکر تھے۔ ان کے زیر اثر یہ کلمات بھی مؤنث یا مذکر بنا لئے گئے۔ یا یوں کہئے کہ یہ اسماء ہند آریائی زبان کی جس شاخ سے لئے گئے اس میں سنسکرت اور ادبی پراکرت کے خلاف ہوتے تھے۔ (۲) اُردو میں بھی اسی طرح استعمال ہوئے۔ یہ کوئی انوکھی بات نہیں۔ سنسکرت اور ژندی بہنیں بہنیں ہیں لیکن ان میں جنس کا اختلاف موجود ہے۔ سنسکرت میں جو الفاظ مذکر ہیں ژندی میں وہ مؤنث ہیں اور اس کے برعکس سنسکرت میں جو مونث ہیں وہ ژندی میں مذکر ہیں (۳)

اردو میں لفظی مذکر یا مونث کی شناخت دشوار ہے۔ اس لئے کہ سنسکرت یا پراکرت کے مؤنث اسماء جن میں علامت تانیث پائی جاتی تھی۔ اُردو میں ایسے گھس پس گئے کہ ان میں کوئی علامت نہ رہی۔ جس سے ان کا جنس پہچانی جاسکے۔ اس کے علاوہ خود سنسکرت اور اس کی

---

(۱) بیمز ۲ صفحہ ۵ ۔ ۷۴ ہورنلے صفحہ ۱۸۱ کیلاگ صفحہ ۸۱

(۲) کیلاگ صفحہ ۸۲

(۳) جیکسن اوستا گرامر صفحہ ۸۲

بھسر بولیو، بیج، ایسے اسماء بھی تھے جن میں جنس کی کوئی علامت نہ تھی۔ یہ اسماء آردو میں آکر بوجہ ... کے اسماء میں ڈھل گئے اور ان ... مشکل ہوگیا۔ ... سنسکرت میں علامت تانیث ہے جو ... اسماء سے تخفیف ہوگئی۔

اونٹ (اُشٹرا) کھاٹ (کھٹوا) چھاؤں (چھایا) جانگھ (جنگھیا) بیج (بیجا) نیند (ندرا) راکھ (رکشا) باگ (ولگا) بات (وارتا) سیج (شیا) سل (شلا) سونڈ (شنڈا) سانجھ (سندھیا) (۱)

اُردو میں "ے، ا" مذکر کی علامت ہے۔ صفات میں عموماً "گا" اور مطرو طور پر اور اسماء میں سے صرف سنسکرت "تدبھو" کلمات ہیں۔ اس کے مقابلے میں "ی" تانیث کی علامت ہے۔ اردو کے جن اسماء و صفات کے آخر میں "ی" ہے، وہ سب مؤنث ہیں جو مذکر ہیں ان میں "ی" تانیث کی نہیں، اصل کلمے کی ہے جو سنسکرت "ن" کے کھینچ دینے سے وجود میں آئی۔ جیسے ہاتھی (ہستن) گھی (گھرتم) موتی (موکتکم) مالی (مالن)، پجاری (پجارن) جی (جیوم) پانی (پانیم)۔ اُردو "ے، ا" غیر فاعلی حالت میں "ے" ہو جاتا ہے۔ جیسے گھوڑا۔ گھوڑے نے۔ سنسکرت "ے، ا" اپنی اصلی حالت پر رہتا ہے۔ اُردو "ی" علامت تانیث کے مقابلے میں "ے، ا" مذکر ہونا چاہیئے۔ ان علامات کی یہ دو شناختیں ہیں۔ "مالا" مؤنث ہے اس لئے غیر فاعلی حالت میں وہ "مالے" نہیں ہوتا اور پجاری وغیرہ اسماء مذکر ہیں۔ ان کے مقابلے میں "پجارا" کوئی لفظ نہیں۔

اسماء صفات کے لئے دو علامتیں اور بھی ہیں جو کہ کثیر الاستعمال ہیں "ے، ڈ"

---

(۱) بیجز کا اپ ۱۱

"ـشـ ـد" مذکر کے لئے جیسے "کھو" "برپشو" وغیرہ۔ اور "ـسـتـؤ" مؤنث کے لئے جیسے بنرچرو وغیرہ۔

"ـ ـ" کی بابت میں پہلے عرض کرچکا ہوں کہ وہ سنسکرت "ـسرگ" : [illegible] سے حاصل کیا گیا تھا۔ اردو میں بطور علامت مذکر استعمال ہونے سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اس لئے کہ سنسکرت میں "وسرگ" مذکر اسما کے علاوہ اور کہیں استعمال نہیں ہوتا "ـنـ" و "کر" "ـــ کا" سے ماخوذ لفت ہوں۔ جو سنسکرت "ـ ـک" (نائی) کا مؤنث ہے۔ اس کے تغیرات کے مختلف طبقے یہ ہیں [illegible] - [illegible] اور کلمے کی آخری حرکت جوڑنے کے بعد [illegible] اور پھر [illegible] یہ بھی ہو سکتا ہے کہ [illegible] کا قلب ہوکر [illegible] ہوا اور پھر [illegible] جیسے سوندھا "ـ" میں "سکندھ" سانڈ۔ سانڈہ۔ سوندھا۔ (۱)

مذکر سے مؤنث ڈھالنے کے لئے اردو میں ذیل کی علامت استعمال کی جاتی ہیں۔

الف۔ "ـــ ی" جیسے گھوڑی "بنی" لڑکی۔ بوڑھی۔ "ی" سب سے زیادہ عام کثیر الاستعمال اور معروف علامت تانیث ہے۔

ب۔ "یا" "ـ ـیا" یہ علامت تصغیر تھی "ـ ـ ـ" کا استعمال کہیں علامت تانیث کے طور پر ہوتا ہے۔ جیسے رحیا۔ کتیا بچھیا کٹیا، قدیم اردو میں اس کی جگہ "ـــ ی" لاتے تھے اور کتیا کو کتی اور چڑیا کو چڑی کہتے تھے۔ چڑیا اور چڑی آج بھی موجود ہے۔ بڑھیا کے ساتھ ساتھ بڑھی بھی مستعمل ہے (۲) بے بال جیزوں

---

(۱) بیمز کی صفحہ ۱۸۸ (۲) اردو کا ارتقاء صفحہ ۱۶۳

جو مؤنث بنایا جاتا ہے، چاہے وہ ’۔ی‘ کے اضافے سے ہو یا ’ یا‘ کے اضافے سے، وہ مؤنث نہیں ہوتا بلکہ مصغر ہوتا ہے۔ اس لئے کہ بے جان چیزوں میں تذکیر و تانیث کا کوئی امکان نہیں۔ یہ کلمات علامت تصغیر بڑھا کر مؤنث بنائے جاتے ہیں۔ اس لئے مؤنث ہوتے ہیں اور قواعد میں مونث سمجھے جاتے ہیں[۹] جیسے چھرا سے چھری اور پڑا سے پڑی (دکن میں) ہم پڑی کی جگہ ’پڑیا‘ بولتے ہیں۔ رسا سے رسی۔

یہ علامتیں ان اسماء و صفات کے مؤنث بنانے میں استعمال کی جاتی ہیں جن کے آخر میں الف ہے۔

ج: ’۔ن‘ یہ علامت ذیل کے کلمات میں استعمال ہوتی ہے۔

(۱) جن کے آخر میں ’ر‘ ہے۔ جیسے سنار سے سنارن۔ کمار سے کمہارن (کمہاری بھی صحیح ہے) لوہار سے لوہارن۔ چمار سے چمارن۔

(۲) جن کے آخر میں ’ی‘ ہے۔ جیسے دھوبی سے دھوبن۔ مالی سے مالن۔ بھکاری سے بھکارن۔ منشی سے منشن۔ مولوی سے مولون۔

(۳) جن کے آخر میں الف ہے۔ جیسے دولہا۔ دلہن۔ کنجڑا۔ کنجڑن۔ بریٹھا۔ بریٹھن۔

د ’۔نی‘۔ ’۔انی‘: ذیل کے اسماء ہیں۔

(۱) جن کے آخر میں کوئی حروف صحیح ہو۔ جیسے شیر سے شیرنی۔ اونٹ سے اونٹنی۔ مہتر سے مہترانی۔ سید سے سیدانی۔ شیخ سے شیخانی۔

---

(۹) دھرنیندر پ ۲۲۱ ہودنلے پارہ ۲۸۵ چیٹرجی پارہ ۴۴۹

(۲) جن کے آخر میں کوئی حرف علت ہو جیسے ہاتھی سے ہتھنی۔ کمترکا سے کمترانی۔ بنیا سے بنینی۔ مُلّا سے مُلّانی۔ ماموں سے مُمانی۔

ان میں سے ' ـی' اور ' ـیا' کی اصل قدیم ہند آریائی ' ـک ' بتائی جاتی ہے (۱) جیسے نایک سے 'نایکا' اور گھوٹک ' سے گھوٹکا۔ (اردو گھوڑیا) پہلی صورت میں ' ـک ' کا ' کا' इका گرا تو ई بچا۔ بعد میں ई اشباع کے بعد ' ـی' ہوا (۲) دوسری صورت میں ' ـک ' کا اوّل ' پراکرت ' میں आ ई ہوا پھر ई کے اثر سے आ ' ی ' سے بدل گیا۔ اس طرح ' ـیا' ہوا۔ پہلی صورت میں ई محدود ہے اور دوسری صورت میں مقصور۔ اس کی وجہ کیلاگ کے نزدیک یہ ہے کہ پہلی صورت میں अ اور ई دونوں مدغم ہو گئے اور دوسری صورت میں अ برقرار ہے۔ اسے مثال سے سمجھئے ' سنسکرت ' مہی شکا ' (بھینس) اوّل بھینسیا بنا۔ جب ' ـ ' اور ' ی ' ادغام ہوا تو بھینسی ہوا۔ یہ دونوں لفظ ' اودھی میں مستعمل ہیں۔ ' اردو میں آخر سے ' ی ' گری تو ' بھینس ' کہلائی۔ (۳)

یائے تانیث جیسی عام اور کثیر الاستعمال علامت کو قدیم ہند آریائی ई سے بھی لیا جا سکتا ہے۔ قدیم ہند آریائی میں صرف دو علامت تانیث تھیں ایک ' ـی ' دوسرے ' ـا ' (۴) مشہور لغوی " کاتیان " نے ماتل (ماموں) کا مؤنث ' ماتلی (ہندی مامی) اور اپادھیائی بتایا ہے۔

' ـن ' ـنی۔ اور ' نی ' کی اصل ہند آریائی आनी इना اور ...

---

(۱) دھریندر صفحہ ۲۴۱ ہورنلے ۲۸۵ چٹرجی صفحہ ۳۱۹

(۲) کیلاگ پ ۶۲ (۳) ایضاً پ ۶۶ (۴) بیمز ج ۲ صفحہ ۲۶

ہیں جیسے اندراتی۔ گنی اور ہتی۔ اردو میں سنسکرت، اسماء جن کے آخر میں کوئی حرف علت یا حرکت ہو محذف کر لئے جاتے ہیں جیسے بھگنی سے بہن اس اصول کے مطابق بھگنی کے آخر سے ی اگر ہی تو یگن (آردو جوگن) ہوا۔ اور پر ہسنی پروسن (آردو پڑوسن) ان علامات کی بابت چٹرجی نے لکھا ہے کہ ان میں اصل علامت تچ ہے۔ ن، سُرن یا ئے ان، اصل کلمے کے اجزا ہیں۔ (۱)

ب عدد

قدیم ہند آریائی زبانوں میں عدد کی تین قسمیں تھیں۔ واحد، تثنیہ اور جمع، تثنیہ پراکرتوں کے اوّلین عہد میں ناپید ہو گیا۔ اب عدد کی صرف دو قسمیں ہیں: واحد اور جمع، واحد ایک پر دلالت کرتا ہے اور جمع ایک سے زیادہ پر۔

اردو میں اسم کی اصل کے اعتبار سے دو حالتیں ہیں۔ ایک فاعلی یا قائم دوسرے غیر فاعلی یا محرف۔ فاعلی حالت میں اسم کے بغیر کسی حرف صلہ (سے۔ نے۔ کو وغیرہ) کے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے حامد آیا۔ سورج نکلا۔ محمود سبق پڑھتا ہے۔ اس کے سوا اسم کی تمام حالتیں غیر فاعلی کہلاتی ہیں۔ حامد نے سبق پڑھا۔ اس مثال میں حامد غیر فاعلی حالت میں ہے۔

اردو میں کچھ اسماء ایسے ہیں جو فاعلی حالت میں افراد و جمعیت کے لحاظ سے ایک جیسے رہتے ہیں اور لفظی طور پر ان میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ جیسے گھر گرا۔ گھر گرے۔ برتن ٹوٹا اور برتن ٹوٹے۔ آدمی آیا۔ آدمی آئے

(۱) بنگالی پارہ ۱۹۴

ان مثالوں میں گھر، برتن اور آدمی جمع اور مفرد دونوں صورتوں میں ایک جیسے ہیں۔ ان اسماء کو چھوڑ کر اردو میں دوسرے اسماء تین طرح کے ہیں۔ (۱)

(۱) وہ مؤنث اسماء جن کا آخری حرف کوئی حرف صحیح ہے۔ جیسے رات۔ عورت وغیرہ۔ فاعلی حالت میں ان کی جمع 'یں' بڑھا کر بنائی جاتی ہے۔

عورت	عورتیں
رات	راتیں

(۲) وہ مؤنث اسماء جن کے آخر میں 'ی' ہے جیسے لڑکی، گھوڑی وغیرہ ان کی جمع 'وے ان' کے اضافے سے بنتی ہے جیسے :-

لڑکی	لڑکیاں
گھوڑی	گھوڑیاں

قدیم 'اردو' میں قسم اول کے اسماء کی جمع بھی 'ے ان' کے اضافے سے بنتی تھی۔ جیسے راتاں۔ باتاں۔ عورتاں۔ مرجاں وغیرہ اور ان تمام افعال حروف و صفات کی جمع بھی اسی نہج پر بنائی جاتی تھی۔ جن کے آخر میں 'ی' ہے۔ جیسے 'کی' سے 'کیاں' 'چلی' سے 'چلیاں' 'بھلی' سے 'بھلیاں'۔ شیرانی نے معراج العاشقین کا ایک جملہ نقل کیا ہے "یوں نور ہزار باتاں اللہ کیا ہور محمد کیاں ہویاں"۔۲

---

(۱) یہ مذکر اسماء ہیں جن کا آخری حرف صحیح ہے۔ غیر فاعلی حالت میں ان کی جمع آتی ہے۔ جیسے گھروں کو گرایا۔ برتنوں سے کھایا۔ آدمیوں نے جانوروں کو سدھایا وغیرہ۔

(۳) مذکر اسمار جن کے آخر میں 'ا' یا 'ہ' ہے جیسے گھوڑا۔ کتا، نامہ فاعلی حالت میں ان کی جمع یائے مجہول (ے) کے اضافے سے بنتی ہے جیسے :۔

گھوڑا	گھوڑے
کتا	کتے
نامہ	نامے

غیر فاعلی یعنی محرف حالت میں ان تمام اسمار کی جمع 'ـُوں' بڑھا کر بنائی جاتی ہے۔ گھروں سے۔ راتوں کو۔ آدمیوں نے۔ لڑکیوں کا۔ گھوڑوں پر۔ وغیرہ۔

اس تفصیل سے ظاہر ہوا کہ اردو میں علامات و لاحقات جمع کل چار ہیں۔ تین فاعلی' اور وہ یہ ہیں۔ (۱ے ے (۲) ـیں (۳) ـُـان (یا ـِیاں) اور ایک غیر فاعلی 'ـُوں' (یا ـِیوں)۔

ان میں سے 'ـے' کے باب میں اختلاف ہے۔ ہورنلے اسے لاحقہ اضافت بتلاتے ہیں۔ اس کے آخر میں 'لوگ' یا "جماعت" قسم کا کوئی کلمہ تھا جو جمعیت ظاہر کرتا تھا اور اب حذف ہو گیا ہے' 'ـے' اصل میں 'سی' تھا جو اوّل [illegible] ہوا اور حذف [illegible] کے بعد صرف [illegible] رہا۔ اس کے بعد [illegible] کلمے کے [illegible] سے مل کر [illegible] یا [illegible] بنا۔ 'سی' کا ایک روپ اپ بھرنش میں [illegible] بھی ہے۔ اردو "ـے" اس سے بھی لیا جا سکتا ہے (۱) کیلاگ بھی اس سے متفق ہیں۔ وہ کہتے ہیں اس خیال کی تائید 'کتے لوگ' وغیرہ فقروں سے ہوتی ہے (۲)

---

(۱) گوڑلین گرامر صفحہ ۲۱۰ ۲ ہندی گرامر پارہ ۱۵۶

'بیمس' کا خیال ہے کہ یہ پراکرت کے مفعولی لاحقہ جمع ए سے لیا گیا ہے (۱) جیسے "پُتے" (بیٹوں کو) چٹرجی اسے لاحقہ 'آں' بتاتے ہیں — 'گھوڑے' اپ بھرنش میں 'گھوڑاہی' تھا جو "گھوڑے ہی" (گھوڑوں کے ذریعہ) سے تراشا گیا تھا۔ آں لاحقہ جمع اردو میں بطور فاعلی لاحقہ جمع استعمال ہو رہا ہے۔

(۲) دھریندر ورما کے نزدیک سنسکرت ए سے لیا گیا ہے جو ضمائر (مذکر) میں بطور فاعلی لاحقہ جمع مستعمل ہے جیسے ते (وہ سب) इमे (یہ سب) 'بیمز' ہر چند اس کی اصل سنسکرت: आः (راماہ - بہت سے رام) بتاتے ہیں جو بعض پراکرتوں (مثلاً ماگدھی) میں ए ہو گیا تھا لیکن ان کا خیال ہے کہ اس لاحقے کا کثرت کے ساتھ استعمال سنسکرت ए کی وجہ سے ہے۔ اس سے انہوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ موجودہ آریائی زبانوں نے سنسکرت کو چھوڑ کر ہندوستانی کی کسی قدیم ترین زبان سے فیض اٹھایا ہے۔ (۳)

قدیم 'ہند آریائی' میں علامات جمع دو تھیں۔ ایک ए (आः + इ) دوسرے आः۔ فارسی 'ان' اور 'ہا' دونوں ایک ہیں اور شاید आः سے ماخوذ ہیں۔ 'ہا' پہلوی میں ی۔ ہ۔ ا = 'یہا' تھا۔ اس لئے اس کی اصل ए بھی ہو سکتی ہے۔ سنسکرت کی فاعلی علامت مذکر आः ہے جیسے راماہ (بہت سے رام) اس میں علامت مفعول 'ن' اضافہ کر کے مفعولی لاحقہ 'ان' وضع کر لیا گیا۔ 'ان' پر 'س' بڑھانے سے 'سان' بنا اور 'ام' بڑھانے سے 'انام' اول بے جنس کے لئے ہے اور

---

(۱) اردو گرامر ص ۳۳ (۲) بنگالی کا آغاز و ارتقا ص ۴۸۳
(۳) تقابلی گرامر ج ۲ صفحہ ۲۰۵ ہندی گرامر ص ۱۵۶

متعلق اضافت کے لئے۔ مذکر ضمائر اور موصولات کے علاوہ دوسرے اسماء کی اعرابی حالتوں میں بھی وہ ئے سے ہوتا ہے۔ تمام قسم کی جو یہ انہی دو علامتوں سے کسی قدر ترمیم تبدیل اور تعلیل کے بعد وجود میں آئیں۔ ان کی اصل اور بنیاد بھی دو علامتیں ہیں۔ میں ذیل میں 'رام' اور 'سرو' (تمام) کی گردان سے جمع کے صیغے دے رہا ہوں اور ان کا تجزیہ کر رہا ہوں۔ ان سے آپ کو یہ سمجھنے میں بڑی مدد ملے گی کہ مندرجہ بالا دو علامات جمع سے اعرابی حالتوں کا اظہار کس طرح کیا گیا۔

۱۔ رام کی گردان

(حالت کا نام)	(صیغہ جمع)	(معنی)	(لسانی تجزیہ)
(۱) فاعلی	رَاماَہ	بہت سے رام	رام + ئے ا (ہ)
(۲) مفعولی	رَاماَنْ	راموں کو	رام + ئے ان
(۳) آلی	رامے۔	رامے بھی راموں کے ذریعے	رام + بِ سے
(۴) مفعولی	(ثانوی) رامیبھیہ	راموں کے لئے	رام + بِ سے بھیہ
(۵) مجروری	"	راموں سے	" + بِ سے بھیش
(۶) ظرفی	رامیشُ	راموں کے اوپر	رام + ئِ سو
(۷) اضافی	رامانام	راموں کا	رام + ئے + نام

۲۔ سرو کی گردان

(۱) فاعلی	سروے	وہ سب	سرو + بِ سے
(۲) مفعولی	سروان	سب کو	سرو + ئے + ان

(۳) آلی سروے۔ سروے بھی سب کے ذریعے سرو + ے + بھی
(۴) مفعولی (ثانوی) سروجیسے سب کے لئے سرو + ے + جیسے
(۵) مجروری " سبھوں سے
(۶) ظرفی سب میں سرو + ے + ش
(۷) اضافی سب کا سرو + ے + شام

اس تجزیہ پر ایک اچٹتی سی نگاہ ڈالنے ہی سے پتہ چل جاتا ہے کہ تمام اعرابی حالتوں میں ’ سا ‘ یا ’ ے ‘ پر دوسری علامات اعراب اضافہ کی گئی ہیں۔

’یں‘ اور ’ ے ‘ ان کی اصل سنسکرت بے جنس کی علامت आनि ہے ’ یں ‘ کی تبدیلیاں اس طور پر ہیں ’ ے انی ‘ ۔ ’ ے ائیں ‘ ’ ے ین ‘ ’ ین ‘ आनि اور ट مل کر اوّل ऐ ہوئے پھر ए (۱) بھنڈارکر کا خیال ہے کہ اصل لاحقہ اپ بھرنش ऐं ہے جو کلمے کے आ سے مخلوط ہو کر ां ہو گیا۔ جیسے رات + یں سے راتیں (۲) ’ ے ان ‘ اس طرح بنا کہ ’ آنی ‘ کی ‘ ی ‘ گرا کر ’ ا ‘ کو غنہ کر دیا گیا۔ ’ ن ‘ اور ’ م ‘ کو غنہ کرنے کا رجحان قدیم اور درمیانی عہد کی پراکرتوں میں بھی تھا (۳) کیلاگ اس کی اصل سنسکرت आनि اور پراکرت आइं بتاتے ہیں جس کے آخر میں ’ ن ‘ غنہ اضافہ کر دیا گیا۔ جیسے مکھیاں ۔ مکشیکا ۔ مکھیا (۴) اگر یہ صحیح

---

(۱) دھرمیندر پ ۲۲۳ چٹرجی پ ۸۴۴ (۲) لیکچرز صفحہ ۲۰۳ (۳) لیکچرز صفحہ ۵۰
(۴) کیلاگ پ ۱۵۶ (ب) لیکن اپنی کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں انہوں نے اس خیال سے رجوع کر لیا ہے اور ان لاحقوں کی اصل انہوں نے ’ ے انی ‘ بتائی ہے صفحہ ۱۲۷

ہے تو پھر 'ـیں' کو بھی سنسکرت 'ـینے' سے ماخوذ ماننا چاہیے۔ 'ـے ان' کی طرح 'ـیں' میں بھی نون غنہ اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ بھنڈارکر اسے بھی اپ بھرنش 'ہی' ہی سے نکالتے ہیں۔ اصل کلمے کا आन ہی سے مخلوط ہو کر 'ـے، ان' ہو گیا ہے۔ پنجابی میں الفاظ میں جن کا آخر الف ہے یہ لاحقہ 'وں' کا تون ملتا ہے۔ جیسے دوا سے دوائیں۔ بلا سے بلائیں۔ اردو میں اس کا تلفظ ین ہے (ऐं)۔ بیمز کا خیال ہے کہ سنسکرت 'ـے انام' کا اس پر اثر ہے۔ گویا اردو 'ـے ان' سنسکرت 'ـے انی' اور 'ـے انام' کے میل ملاپ کا نتیجہ ہے۔

'ـوں' کی اصل چٹرجی (۱) اور بیمز (۲) وغیرہ علماء کے نزدیک اضافی لاحقہ 'ـانام' ہے جیسے چرم کار (چمار) چرم کار انام۔ چمار انام۔ چمار انم۔ چمار ان۔ چماروں۔ اس میں 'ـے' کو 'و' سے بدلا گیا ہے اور 'ن' بصورت غنہ باقی رکھا گیا ہے۔ 'پراکرت' میں اس لاحقے کا روپ आणं تھا جو چند برداری' کے ہاں استعمال ہوا ہے جیسے جھیلانم مدسندفر پھریا" (عورتوں کی پازیب کی شیریں آواز) بیمز کا بیان ہے کہ ہندی میں چونکہ آخر سے 'م' گرا کر 'ن' کو غنہ کر دیا گیا تھا۔ اس لئے اس کے عوض میں 'ـے ا' کو 'و' سے بدل دیا گیا (۲) بھنڈارکر اسے فاعلی لاحقہ بتاتے ہیں۔ پراکرت میں فاعلی لاحقہ جمع (مؤنث) 'ऊ' یا आउ ہے۔ اس پر بے جنس لاحقہ 'ں' (غنہ) اضافہ کر دیا گیا ہے (۳) بیمز نے ان تمام فاعلی اور غیر فاعلی لاحقوں کی اصل 'اپ بھرنش' آہو اضافی لاحقہ قرار دیا ہے جس کے

---

(۱) چٹرجی ص ۸۵ (۲) بیمز ج ۲ صفحہ ۲۱۹ (۳) بھنڈارکر صفحہ ۳۰۳

تین رُوپ ہیں छ ' छे اور छ ۔ یہ لاحقے اصل کلمے کے आ سے مل کر آछ ' आछ اور आछ بنے۔ اُردو میں छ گرنے کے بعد انہوں نے بترتیب आऊ ऍ اور आऊ کی شکلیں اختیار کیں۔(۱)

'اُردو کے' یہ لاحقے 'ہند و پاکستان' کی بعض دوسری جدید آریائی زبانوں میں بھی ہیں۔ 'ــــ اں'۔ سندھی اور پنجابی میں ہے۔ جیسے جا لاں بمعنی عورتیں (سندھی) اور گلاں بمعنی باتیں (پنجابی 'ــــِ یں' ، مرہٹی' میں ہے جیسے پھل سے پھلیں اور 'ــــے وں' سندھی اور گجراتی میں جیسے گھوڑیوں جالوں وغیرہ۔ لیکن یہ 'ــــے وں' محدود اور استثنائی ہے۔

'ــــے اں اور 'ــــِ یں' میں سے اوّل زیادہ قدیم معلوم ہوتا ہے اور شاید اس پر فارسی' علامت جمع 'ــــے اں' کا اثر بھی ہے۔ 'دکنی' اور گجراتی اُردو میں اس کا استعمال زیادہ تھا۔ فاعلی اور غیر فاعلی دونوں حالتوں میں جیسے "چار لوکاں تن ین" اور سنطانال کی سلطنت (سب رس) اس میں مذکر و مؤنث کا کوئی فرق نہ تھا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ علامت 'اردو' میں 'سندھی' اور پنجابی سے در آئی ہو یا مارواڑی میں اس کا استعمال تھا۔ اس لئے مارواڑی سے بھی یہ لی جا سکتی ہے۔ 'سندھ' اور پنجاب کی زبانوں پر 'فارسی' کا اثر سب سے پہلے اور سب سے زیادہ ہوا۔ مشرقی ہندی میں بھی اس کا رواج تھا۔ گھوڑے اور گھوڑواں دونوں حالتوں ساتھ اس میں مستعمل ہیں۔

'ــــے وں' اُردو میں فاعلی حالت میں بھی استعمال ہوا ہے' بریوں

---

(۱) گوڑیں گرامر صفحہ ۱۹۸

اس نے محنت کی۔ لاکھوں آدمی جمع تھے۔' امین دکنی کا شعر ہے۔

وہ دوزخ کی اگن کو رب نے دسوئی — کئی لاکھوں داراں جل میں ڈبوئی

شاید یہ سب غیر فاعلی حالتیں ہیں۔ ان مثالوں میں حرف جو مقدر ہے 'برسوں' اصل میں 'برسوں تک' تھا۔ 'لاکھوں آدمی' 'لاکھوں تک آدمی' یہی حال 'لاکھوں داران' کا ہے۔ لاکھوں تک دران (درسان = سالاں تقدیر) کی اور مثالیں بھی ہیں۔ راتوں جاگتا ہے۔ راتوں میں جاگتا ہے یا راتوں تک جاگتا ہے۔ بھوکوں مرگیا۔ بھوکوں سے مرگیا۔ بھوکوں۔ فکروں اور نظروں وغیرہ کو بعض علماء مجروری (آلی) بتاتے ہیں۔ پروفیسر شیرانی نے محمد امین امین دکنی کا یہ شعر نقل کرکے

بلی کا حال دیکھا آکے نظروں — کمر ٹوٹ گئی اس دہشت کے فکروں

لکھا ہے کہ نظروں اور فکروں کا 'وں' مجروری علامت ہے جیسے پنجابی میں پچھوں (پیچھے سے) اور ہتھوں (ہاتھ سے) (۱) شیام سندر داس نے آنکھوں۔ کانوں وغیرہ مثالیں دیکر امیر خسرو کا یہ قول تائید میں پیش کیا ہے (۲)

خسرو واکو آنکھوں دیٹھا

مجھے یہ صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ امین کے شعر اور خسرو کے قول میں 'وں' علامت جمع ہے اور حرف 'سے' اس کے بعد مقدر ہے۔ نظروں اور فکروں میں 'نظروں سے' اور فکروں سے تھا۔ آنکھوں دیکھا۔ آنکھوں سے دیکھا۔ اس کا ثبوت امین دکنی ہی کے ایک مصرع سے ملتا ہے۔ اس میں بھوکوں کے بعد 'سے' موجود ہے ۔۔۔ لگے بھوکوں سے مرنے وہ سکا لوگ

(۱) پنجاب میں اردو صفحہ ۸۶ (۲) ہندی بھاشا اور ساہتیہ صفحہ ۱۸۷

'دکنی' اور گجراتی اردو میں اکثر علامات و حروف معنوی مثلاً "نے" "کا" "کو" "سے" "پر" "تک" وغیرہ حذف ہو جاتے تھے۔ تخفیف اور سہل انگاری کے علاوہ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس وقت دکن کی زبان خام اور ناتمام حالت میں تھی۔ اس میں پوری طرح پختگی کا رنگ نہیں آیا تھا۔ اس لئے قواعد اور اصول کے اعتبار سے اس نوع کی ناہمواری کا رونما ہو جانا اس میں کچھ ناگزیر سا تھا۔ امین کے مصرع "وہ دوزخ کی اگن کو رب نے دھولی" پر غور کیجئے۔ اس میں فعل مذکر ہونا چاہیئے یا 'اگن' کے بعد 'کو' نہیں آنا چاہیئے۔ نظم کی زبان میں بلحاظ کی وجہ وزن اور عروض کی سخت اور کڑی پابندیاں بھی حائل ہیں اور اس قسم کی تمام بے قاعدگیوں کو شعری ضرورت پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ (۱)

آخر میں یہ عرض کرنا بے جا نہ ہوگا کہ قدیم ہندی میں جمع مونث کی [illegible] حالت کا ایک لاحقہ "ین" تھا۔ جو شورسینی اپ بھرنش میں عام طور سے مستعمل تھا عام طور سے اس لئے کہ وہ ہر نوع کے اسماء میں جوڑا جاتا تھا۔ چاہے ان کے آخر میں ـــ ہو یا ـــ ۔ قدیم ہندی میں یہ ان اسماء کے آخر میں [illegible] کیا گیا جو 'ی' پر منتہی ہوتے تھے جیسے پوتھی سے پوتھیں اور پنجابی میں [illegible] پر ختم ہونے والے اسماء میں جیسے گالہیں اور [illegible]۔ اردو کے مشتقات مثلاً بھتی - ہوتی - موتی وغیرہ کی جمع اب بھی "ین" کے اضافے سے بنتی ہے (۲) جیسے :-

---

(۱) ملاحظہ فرمائیے راقم کا مقالہ "کچھ اردو کے متعلق" مطبوعہ رسالہ [illegible] سالنامہ ۱۹۵۲ء

(۲) بیمز ج ۲ صفحہ ۳۰۲

تھی	تھیں
ہوئی	ہوئیں
ہوتی	ہوتیں
ہوگئی	ہوگئیں
ہوچکی	ہوچکیں

گی۔ گیں۔ چلی چلیں۔ اُٹھی، اُٹھیں وغیرہ۔ آچکی۔ آچکیں۔ بُری۔ بُریں۔
ان تمام افعال وصفات کی جمع (مؤنث) قدیم زمانے میں 'ے یاں' کے اضافے سے بنتی تھی۔ چلیاں، بھلیاں۔ 'سودا' کا شعر ہے۔ (۱)

جب لبوں پہ یار کے مستی کی دھڑیاں دیکھیاں
جوں زحل کی ساعتیں اس دل پہ کڑیاں دیکھیاں

ج۔ اعرابی حالت

سنسکرت میں اسم کی اعرابی حالتیں آٹھ ہیں۔ ویسے تو یہ حالتیں ہند و پاکستان کی جدید آریائی بولیوں میں بھی ہیں لیکن سنسکرت میں ان آٹھ حالتوں کے لاحقے کلمے کے ساتھ متصل ہوتے تھے اور کلمے کا ایک جزو سمجھے جاتے تھے اور بعض حالتیں کلمے میں ایک خفیف سا تغیر کرنے کے بعد حاصل کر لی گئی تھی۔ جیسے نرہ (وہ ایک مرد)، نرے (مرد پر)، نرین (مرد کے ذریعے) جدید بولیوں میں اکثر جداگانہ اور آزاد کلمات کے ذریعے ان حالات کا اظہار کیا جاتا ہے۔ سنسکرت کی اعرابی حالتیں تالیفی ہیں اور جدید زبانوں کی تحلیلی۔

(۱) پنجاب میں اردو صفحہ ۲۰۷ (طبع دوم)

سنسکرت کی تالیفی حالتوں کے کچھ آثار موجودہ زبانوں میں بھی ملتے ہیں۔ کہیں باقاعدہ اور معروف طور پر اور کہیں یوں ہی مٹے ہوئے نشانوں کی طرح ہندو پاکستان کی موجودہ زبانوں میں سے سندھی اور مرہٹی میں تالیفی حالتیں سب سے زیادہ ہیں اور اُردو میں سب سے کم۔ باقی زبانیں بین بین ہیں۔ ظرفی حالت قریب قریب ہر زبان میں ہے۔ کہیں 'ے' کے روپ میں اور کہیں 'ئے' کے روپ میں۔ اُردو ہر چند اس باب میں بہت ہی سادہ زبان ہے' لیکن سنسکرت کی ظرفی حالت کی بعض مثالیں ایسی بھی ہیں جیسے کنارے۔ سہارے۔ آگے۔ تلے۔ نیچے پیچھے وغیرہ۔ ان کلمات میں آخر کی 'ے' سنسکرت کی ظرفی علامت 'ے، سے' کا بقیہ ہے۔ اس کے بعد آلی حالت ہے۔ یہ مرہٹی اور گجراتی کے ساتھ ساتھ بنگالی اور اڑیہ میں ہے۔ مجروری۔ سندھی۔ مرہٹی اور پنجابی کے سوا اور کہیں نہیں۔ مفعولی ثانوی حالت صرف مرہٹی میں ہے۔

جدید دیسی زبانوں میں اسم کی دو صورتیں ہیں۔ فاعلی یا قائم۔ غیر فاعلی یا مغیرہ (محرف) پھر ان میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں۔ واحد اور جمع' فاعلی حالت قدیم فاعلی حالت کے قائم مقام ہے۔ غیر فاعلی حالت بقیہ حالات میں سے کسی ایک یا زیادہ حالتوں کی نمائندہ ہے۔ اسم کی غیر فاعلی حالت ایک بنیادی حالت ہے۔ بقیہ حالتیں اس طرح حاصل کر لی جاتی ہیں کہ مختلف معانی و احوال ظاہر کرنے والے حروف و اصلات اس میں جوڑ دیئے جاتے ہیں۔ قدیم آریائی زبانوں میں اسماء مختلف اقسام کے تھے اور ان میں سے ہر ایک کی گردان جُدا تھی۔ جدید زبانوں میں اسماء قریب قریب ایک جیسے ہیں اور ان کی گردانیں سب ملتی جلتی ہیں۔

اُردو میں اسماء کی فاعلی اور غیر فاعلی حالت میں کچھ زیادہ فرق نہیں۔ جن

اسماء و صفات کے آخر میں الف ہے غیر فاعلی حالت میں اُن کا الف 'ی' سے بدل جاتا ہے۔ جیسے گھوڑا (فاعلی) گھوڑے (غیر فاعلی) پنکھا۔ پنکھے۔ لڑکا۔ لڑکے چوتھا۔ چوتھے۔ خالص "سنسکرت" اور فارسی و عربی الفاظ اور کچھ رشتے بتانے والے کلمے اس سے خارج ہیں۔ وہ دوسرے اسماء کی طرح دونوں حالتوں میں یکساں رہتے ہیں۔ جیسے دریا، چچا، مثنیٰ، راجا آیا۔ راجا نے حکومت کی۔ چچا کو دیکھا۔ دریا میں کشتی چلتی ہے۔ مثنیٰ نے کہا۔ یہ کلمات مختلف حالتوں میں ہیں۔ (۱) ان میں تبدیلی نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان اسماء کا الف اصلی ہے اور سنسکرت تدبھو اسماء کا الف فاعلی حالت کی ایک علامت ہے۔ غیر فاعلی حالت میں فاعلی علامت گر جاتی ہے۔ اور اس میں تصرف کر لیا جاتا ہے۔ لیکن کلمے کا جزو اصلی اپنی حالت پر قائم رہتا ہے۔

اسم کی غیر فاعلی حالت کی تاریخ بڑی دلچسپ ہے۔ کیلاگ اور ہورنلے اسم کی غیر فاعلی حالت اور صیغہ جمع کی فاعلی حالت کو ایک بتاتے ہیں۔ ان کے خیال میں یہ سنسکرت' اضافی لاحقے स्य (سی) سے حاصل کی گئی تھی۔ स्य - सी - ही - हे - ए یہ اُس کے مختلف تغیرات ہیں (۲) بھنڈارکر بھی اسے اضافی حالت سے ہی ماخوذ بتاتے ہیں۔ (۳) لیکن چٹرجی کو اس سے اختلاف ہے۔ ان کے نزدیک یہ اسم کی ظرفی حالت ہے۔ ए قدیم آریائی میں "ادھی" تھا۔ پالی میں "دھی" ہوا۔ پراکرت میں "ہی" یا

---

(۱) ملاحظہ فرمائیے راقم کا مقالہ "اردو الفاظ کی حالت معرفہ" مطبوعہ "اردو" اکتوبر [illegible]ء۔

(۲) ہورنلے صفحہ ۲۱۰ (۳) لیکچرز صفحہ ۲۴۳۔

"ہم" (۱) "ہی" یا "ہم" "سنسکرت" بھی یا "بھم" سے بھی لئے جا سکتے ہیں۔ "گرہ دہی" یا "گرہ بہم" = گھری یا گھرہم = گھرے یا گھریں یا اس کا امکان بھی ہے کہ "پراکرت" "ہی" یا "ہم" کو "سنسکرت" "سمن" (میں) سے ماخوذ مانا جائے۔ اس صورت میں اس کے درمیانی لاحقے یہ ہوں گے۔ سمن = ہمن = مہی = بھی = ے (بنگلہ) (۲) مگر سیدھی سادی بات یہ ہے کہ اُردو کی اس غیر فاعلی حالت کو جیسا کہ وہ حقیقت میں ہے، ایک تعمیری اور بنیادی حالت فرض کیا جائے۔ اس لئے کہ وہ "ہند" و "پاکستان" کی قدیم و جدید زبانوں میں قریب قریب اسم کی تمام اعرابی حالتوں میں ملتی ہے۔ ماگدھی اور اردھ ماگدھی میں اسم کی فاعلی حالت "ے" سے تھی سنسکرت کی مفعولی ثانوی اور اضافی حالتوں میں بھی "ے" ہوتا تھا۔ اُلی حالت کا لاحقہ ویسے تو "یں" ہے لیکن پراکرت میں حذف "ن" کے بعد وہ "ے" کی شکل میں رہ گیا۔ ظرفی میں "ے" سے ہوتا ہی ہے۔ یوں کہئے کہ تمام اعرابی علامات میں سے زیادہ عام کثیر الاستعمال اور ہمہ گیر لاحقہ "ے" ہے جو اکثر حالتوں میں پایا جاتا ہے۔ اس لئے "اُردو" اور بعض دوسری زبانوں میں اس لاحقے نے ایک اہم بنیادی صورت اختیار کر لی۔ تمام حروف وصلات جو اعرابی حالتیں بناتے ہیں اسم کی اسی صورت پر اضافہ کئے جاتے ہیں۔

بیمز نے بھی اس سے ملتی جلتی بات کہی ہے۔ وہ "ے" کو ایک عام اور ہمہ گیر لاحقہ بتاتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اس کو اسی ہمہ گیری اور عمومیت کے باعث اُردو وغیرہ زبانوں میں غیر فاعلی حالت کے لئے اختیار کر لیا گیا۔ اس

---

(۱) بنگالی پ ۴۹۹

(۲) اودھی کا ارتقاء ۱۳۴

اس لاحقے کی ہمہ گیری ان کے نزدیک اس اشتباہ و اختلاط کی رہین منت ہے۔ جو ہندو پاکستان کی زبانوں کے دور دوم میں رونما ہوا۔ پہلے مفعولی (ثانوی) اور اضافی حالتوں کا فرق مٹا۔ اس کے بعد فاعلی اور مفعولی کا۔ مہاراشٹری میں جو اس عہد کی زبانوں میں سنسکرت سے زیادہ قریب ہے۔ صرف حسب ذیل چار لاحقے تھے جو اسم کی غیر فاعلی حالتوں میں استعمال کئے جاتے تھے۔ 'ــیں'، 'ـے اُدو۔ اسُ' اور 'ــــے' 'شورسینی' میں 'ـے ادو' کی جگہ आह. یا आ بولا جاتا تھا۔ اور 'ماگدھی' میں اس کا رُوپ आहि تھا۔ تیسرے دور میں یہ یہ لاحقے چھٹ چھٹا کر صرف تین رہے 'ـے ادو' یا 'ـے اہے' (مجروری) ـے اہے' (مجروری) ـے اہے یا ـے اہو (اضافی) ــے ـے' ــ اور اہم (ظرفی) اس کے بعد جدید بولیوں کے دور کا آغاز ہوا تو اعرابی لاحقوں کا نام و نشان مٹ گیا۔ چند بردائی کے راسو میں صرف ایک لاحقہ हि چار مختلف حالتوں یعنی مفعولی (ثانوی) ظرفی' مجروری' اور اضافی کے لئے استعمال ہوا ہے۔ اس زمانے میں آلی کے لئے اگرچہ لاحقہ 'ــیں بھی تھا لیکن جب یہی 'کٹ کر 'ــے' ہوا تو اس کے ساتھ 'ــیں' چھٹ کر ــے رہ گیا جو بلا امتیاز اسم کی ہر حالت پر اضافہ کیا جانے لگا۔ اسم پر آزاد کلمات 'سے' 'پر' 'کو' وغیرہ کا اضافہ اس زمانے کے لگ بھگ ہوا۔ اس لحاظ سے اُردو کا غیر فاعلی 'ــے کسی ایک حالت کا نمائندہ نہیں بلکہ مختلف حالتوں اور ان کی گوناگوں علامتوں کی ایک مٹی ہوئی سی نشانی ہے (۱)

اس کے علاوہ اردو میں کچھ قدیم تانیثی علامتوں کا استعمال بھی دیکھا ہے

---

(۱) تقابلی گرامر بیمز ج ۲ پارہ ۶۰۴۔

چیٹرجی کہتے ہیں کہ 'ڈھیرے چلو' میں ڈھیرے آلی حالت میں ہے۔ آریہ میں 'ـــے' آلی بھی ہے اور ظرفی بھی۔ مگر ظرفی کی مثالیں اردو میں زیادہ ہیں 'تلے' تل کی ظرفی حالت ہے۔ یہ لفظ اس شکل میں اب بھی پنجابی میں بھی تھا۔ ماتھے، سہارے۔ ندی کنارے۔ اس کی چند مثالیں ہیں۔ اردو میں ظرفی حالت کے ـیں، ں، ختم بھی دیکھا گیا ہے۔ امین کے اس شعر میں ؎

بہت آرام تھا ساری خلق کوں   نہ مارے کوئی اس راتیں پلک کوں

'راتوں' ظرفی حالت میں ہے۔ 'اس راتیں' یعنی 'اس رات میں'۔

اردو کی اعرابی حالتیں اور ان کے لاحقے حسب ذیل ہیں۔

حالت کا نام	(لاحقہ)	(مفرد)	(جمع)
فاعلی	ـ (۱) ـ نے (۲)	گھوڑا	گھوڑے
مفعولی	کو، کے تئیں	گھوڑے کو، کے تئیں	گھوڑوں کو، کے تئیں
مفعولی (ثانوی)	کو، کے لئے	گھوڑے کے لئے	گھوڑوں کے لئے
آلی۔ سببی	نے۔ سے	گھوڑے نے	گھوڑوں سے۔ نے
مجروری	سے	گھوڑے سے	گھوڑوں سے
اضافی	کا (را، میرا)	گھوڑے کا	گھوڑوں کا
ظرفی	میں۔ پر۔ پہ	گھوڑے پر	گھوڑوں پہ
ندائی	ـے، و (۲) (ا)	گھوڑے (ا)	گھوڑو

(۱) یہ لاحقے مذکر اسمائے کے ساتھ خاص ہیں۔ جن کے آخر میں الف ہے۔

اِنفاعلی

سنسکرت اور پراکرت میں مذکر، مؤنث اور بے جنس کے لئے جُدا جُدا فاعلی علامتیں تھیں جو ارتقائے لسان کے ساتھ ساتھ کم ہوتی چلی گئیں۔ سنسکرت میں اسماء کی کم و بیش ایک درجن قسمیں ہیں۔ اور ہر قسم کی گردان دوسری سے مختلف اور مختلف ہے۔ پراکرت کے آخری دور تک پہنچتے پہنچتے اسماء کی صرف چھ قسمیں رہ گئیں۔ اپ بھرنش عہد میں فاعلی حالت کی کوئی مخصوص علامت نہ تھی۔ محض کلمہ یا حرف یا علامت اضافہ کئے بغیر فاعل کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ مفتوح الآخر اسماء کی فاعلی اور مفعولی حالت میں کوئی فرق نہ تھا۔ دونوں حالتوں میں اسم کے آخر میں "ـُـ" ہوتا تھا۔ جیسے گتہ (گیا) गया یا जा मलाउ (وانرفناکو) ताउ यमला...

پاکستان کی جدید بولیوں میں فاعل کی اصورت اور کوئی خاص علامت نہیں ہے۔ سندھی میں پراکرت کے "ـُـ" و "و" کو مفتوح الاواخر مذکر اسماء کی علامت ہے مختصر کر کے "ـُـ" بنا لیا گیا ہے۔ جیسے پُتر۔ یہ قدیم مرہٹی اور قدیم ہندی میں بھی تھا۔ (۱) مگر دوسری زبانیں اس سے خالی ہیں۔ اردو میں آخری حرف کے اعتبار سے مذکر اسماء کی حسب ذیل دو قسمیں ہیں۔

(۱) صحیح الاواخر۔ وہ اسماء جن کے آخر میں کوئی حرف صحیح ساکن ہے جیسے۔ ہاتھ، بات، بیٹھ، گھر، یہ اسماء سنسکرت میں مضموم یا متحرک الآخر تھے۔ جیسے ہاتھ، تھا، بات، ورتا۔ اور جو حصہ جدید بول چال کو

---

(۱) جشن ار۔ صفحہ ۲۴۳

زبانوں کا عام رجحان یہ ہے کہ ان میں بیشتر معلول یا متحرک الاواخر اسماء کی حرکت یا علت ان کے آخر سے گرا دی گئی ہے۔ انفرادی حالت میں اس قسم کے تمام اسماء ساکن الاواخر ہیں۔

(۲) معلول الاواخر۔ وہ اسماء جن کے آخر میں کوئی حرف علت ہے۔ یہ کئی قسم کے ہیں۔

الف۔ جن کے آخر میں "ا" ہے جیسے گھڑا۔ گمرا۔ لڑکا۔
ب۔ جن کے آخر میں "و" ہے جیسے بچھو۔ آلو۔ آنسو۔
ج۔ جن کے آخر میں "ی" ہے جیسے موتی۔ مچھی۔ بکری۔
د۔ جن کے آخر میں "یا" ہے جیسے بچھیا۔ کتیا۔ پہیا۔
ہ۔ جن کے آخر میں "وا" ہے جیسے بھڑوا۔ گھڑوا۔ جوروا۔
و۔ جن کے آخر میں "او" ہے جیسے پاؤ۔ ناؤ۔ تاؤ۔

آخری قسم کے اسماء کا "و" ی کا قائم مقام ہے یا [illegible] کا۔ اس قسم کے اسماء میں "ں" غنہ بھی دیکھا گیا ہے جو کہیں "و" سے پہلے لکھا گیا ہے اور کہیں "و" کے بعد جیسے گاؤں یا گانو۔ پاؤں یا پانو۔ چھاؤں یا چھانو۔ داؤں یا دانو۔ یہ الف نون غنہ "ا" "ی" "ے" "و" "د" وغیرہ تمام علتوں کے ساتھ مخلوط ہوتا ہے۔ جیسے جوں، گیہوں، بھوں، سائیں، دایاں بایاں وغیرہ۔

کچھ اسماء یائے مجہول پر ختم ہوتے ہیں۔ اردو میں ان کی تعداد بہت کم ہے۔ یہ یائے مجہول سنسکرت مرکب حرکت ए (अ + इ) کے قائم مقام ہے۔ جیسے گائے۔ رائے۔ گائے کو گاؤ اور رائے کو راؤ بھی کہتے ہیں۔ اس صورت میں یہ پہلی قسم میں شمار ہوں گے۔ فارسی جائے یا پائے مثلاً شمار بھی آئی اسماء میں ہے

ان اسماء کی یہ صورتیں فاعلی حالت میں قائم رہتی ہیں۔ ان میں سے وہ اسماء جن کے آخر میں 'ا' ہے سنسکرت کے مذکر اسماء کی فاعلی حالت سے ماخوذ ہیں۔ ان اسماء کے آخر سے پراکرت عہد میں حروف صحیح گرنے کے بعد ان کی حرکت باقی رہی جو ماقبل حرف کی حرکت سے مخلوط ہو کر کھنچ گئی۔ مثلاً گھوڑا اور گھڑا اصل میں گھوٹکہ اور گھٹکہ تھے۔ 'ک' گرنے کے بعد اس کا زبر باقی رہا۔ جو 'ٹ' کے فتحہ سے مخلوط ہو کر 'ا' بنا۔ اس طرح گھوڑا اور گھڑا ہوا۔ جہاں حرکتیں مختلف تھیں وہاں ثانی حرکت اوّل کی نسبت سے 'ی' یا 'و' سے بدل گئی۔ جیسے چوہیا سنسکرت میں 'موشکا' تھا۔ موشکا۔ موس ے ا۔ موسیا، موہیا: چوہیا اور بھڑوا، بھاٹکہ۔ بھاٹ ے ہ۔ بھاڑوہ۔ بھاڑوا۔ بھڑوا (۱) یا ثانی حرکت حذف ہو گئی اور اس کے عوض میں اوّل حرکت کھنچ گئی۔ جیسے گوٹکا سے گھوڑی۔ مکشکا سے مکھی۔ مرتکا سے مٹی۔ بالکہ سے بالو۔ مامکہ سے ماموں۔ بھلکہ سے بھالو۔ آلو اور آنسو وغیرہ اصل میں آلوک اور اشرو تھے۔ اوّل کا 'و' اصلی ہے اور ثانی کا "و" ضمہ کے اشباع سے پیدا ہوا ہے۔

۲۔ مفعولی (اولیٰ و ثانوی)

اردو میں مفعولی علامتیں تین ہیں۔ کو۔ کے۔ تئیں کے لئے ان میں سے "کے لئے" مفعول ثانی کے ساتھ خاص ہے 'کو' کی اصلیت

---

(۱) بیمز نے بھڑنک یا بھاٹک کو بھٹ سے مشتق مانا ہے جس کے معنی ہیں اجرت پر دینا۔ بھاٹک وہ ہے جو بھاٹ یا بھاڑ کہلاتا ہے۔ اور عورتوں سے کمائی کراتا ہے (جلد ۲ صفحہ ۳۰)

میں علماء لسانیات کا اختلاف ہے۔ "بیمز اور ہورنلے"[1] اسے سنسکرت اگکشم (کوکھ) سے ماخوذ مانتے ہیں۔ (اس کی درمیانی تبدیلیاں یہ ہیں۔ کگھم۔ کاکھم۔ کاہم۔ کہم۔ کوں۔ کو۔ ان میں سے کہم۔ کوں اور کوں۔ چند بردائی کے یہاں استعمال ہوئے ہیں۔ سور داس کے یہاں۔ استعمال ہوئے ہیں۔ سور داس کے یہاں کو۔ کوں اور کوں ملتے ہیں اس کا ایک روپ کہم تلسی داس کے یہاں ہے۔ کوں خاص 'برج' کی چیز ہے گمان غالب یہ ہے کہ برج کوں کا ماخذ 'کاہم' ہے اور اردو 'کو' کا 'کہم'۔

اس اشتقاق پر کئی اعتراض ہیں۔ اوّل یہ کہ کگکش، سنسکرت میں اور کاکھ پراکرت میں مفعولی معنیٰ میں کبھی استعمال نہیں ہوئے۔ دوسرے کگکش کے لغوی معنیٰ کا مفعول کے مفہوم سے کوئی لگاؤ نہیں۔ (۲) بھنڈارکر نے ویسے تو 'کو' کا ماخذ 'پراکرت' 'کہم' کو ٹھہرایا ہے۔ لیکن یہ ان کے نزدیک سنسکرت کگکش کا بگاڑ نہیں بلکہ سنسکرت [illegible] کی اضافی یا مجروری حالت ہے [illegible] آپ بھرنش میں اضافی بھی ہے اور مجروری بھی تعلیل کے لحاظ سے یہ کوئی نئی بات نہیں۔ فرق صرف ماخذ کی اصلیت کا ہے۔ بیمز کے نزدیک کہم کگکھ کی مفعولی حالت ہے اور بھنڈارکر کے نزدیک 'کہم' کی اضافی یا مجروری حالت ڈاکٹر 'ٹرمپ' کا خیال ہے کہ 'کو' سنسکرت اسم مفعول कृत سے نکلا ہے جو پراکرت میں कितो یا किओ ہوا۔ پراکرت میں کت اور کچھ بھی تھے۔ اس پر دھریندر کو اعتراض ہے کہ قدیم ہندی میں علامت مفعول 'کہم' ہے۔ اس میں 'ہ' کہاں سے آئی؟ (۳)

---

(۱) بیمز ج ۲ پ ۲۵۷ وہورنلے پ ۲۸۵ (۲) ہندی بھاشا ۲۴۰ بھنڈارکر صفحہ ۲۴۶ (۳) ہندی بھاشا پ ۲۴۶۔

بھنڈارکر فرماتے ہیں کہ 'کوں' کا 'ں' غنہ اس اشتقاق کی صورت میں اصلی اور بنیادی نہیں رہتا (۱) بیمز بھی اس سے متفق نہیں۔ ان کے نزدیک کرتم سے مفعول کے معنیٰ ادا نہیں ہوتے۔ وہ کہتے ہیں کہ سنسکرت की آلی حالت ... اور ظرفی ... ہے۔ یہ کلمہ صرف ۲ حالتوں میں مفعولی معنی دیتا ہے۔ سنسکرت میں ... لئے اور واسطے کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔ ایک قیاس اور بھی ہے' وہ یہ کہ 'کو' پراکرت میں اماکم (ہمارا) 'تھا' جو سنسکرت 'اسماکم' کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ آکم یا کم صورت بدل کر 'کو' ہو گیا۔ (۲) اس صورت میں علامت مفعول کو اضافی حالت سے ماخوذ ماننا پڑے گا۔ کیلاگ نے اپنی گرامر کے پہلے ایڈیشن میں 'کو' 'کو' کے 'ک' سے موضوع مانا تھا۔ اور لکھا تھا کہ 'کیر' 'کم' 'اور' 'کیر' کے پراکرت میں بطور لاحقہ اضافت استعمال ہوتے تھے یہاں مفعول کے معنیٰ میں استعمال ہوئے ہیں۔ ہر چند اضافی اور مفعولی حالتیں ایک دوسرے سے بہت قریب ہیں، اور ان میں سے ایک کا دوسرے کی جگہ استعمال کچھ بعید نہیں۔ خود اردو میں ایک مصرع بابر کی طرف منسوب ہے۔ اس میں 'کو' کی جگہ 'کا' ہے۔

مجبکا نہ ہوا کچھ ہوس مانک و موتی

'کا' کی جگہ 'کوں' بھی ملا ہے۔ وجہی کا شعر ہے (۳)

بہا ایک نس کا چ ہور ما چ کوں
لذت دیک ٹک دو اور چھاچ کوں

---

(۱) لیکچرز صفحہ ۲۴۶ (۲) شیام سندر داس (۳) اُردوئے شہ پارے صفحہ ۹۰

لیکن پراکرت میں 'کیرکم' اور 'کیرکے' کبھی مفعول کے لئے استعمال نہیں ہوئے۔ شاید اسی لئے کیلاگ نے دوسرے ایڈیشن میں اس خیال سے رجوع کرلیا۔

'کے تئیں' اور 'کے لئے' کو ہورنلے نے 'کا' اضافی کی غیر فاعلی حالت بتایا ہے، لیکن زیادہ اچھا یہ ہے کہ اس کو مفعولی ثانوی لاحقہ سمجھا جائے اور سنسکرت 'کرتے' سے ماخوذ مانا جائے۔ (کرتے۔ کئے۔ کے) یا کیہم سے نکالا جائے۔ ہیم چندر کا بیان ہے کہ کیہم اپ بھرنش میں 'لئے' اور 'وجہ سے' معنیٰ ادا کرتا تھا۔ شیام سندر نے اس کی اصل پراکرت कअ (کیا ہوا) بتائی ہے جو آلی لاحقہ جمع हि سے مل کر اول कआहि یا कयाह ہوا اس کے بعد केहि 'تئیں' اور 'لئے' کا حال بھی یہی ہے۔ 'تئیں' ہورنلے کے نزدیک "ترتے" تھا۔ اس کے تغیرات یہ ہیں۔ ترتے۔ ترئیے۔ تیئے تئیں 'کیلاگ' اور 'بیمز' کے نزدیک اس کی اصل 'ستھانے' ہے۔ بھنڈارکر پراکرت तहि سے مشتق مانتے ہیں۔ "رام تہم" رام کے وہاں یعنی رام کو لئے ہورنلے کے نزدیک 'لبھدے' تھا 'بیمز' लाभ اور लइ بتاتے ہیں۔

قدیم آریائی زبانوں میں مفعولی ثانوی حالت کا اظہار اسم مفعول کی ظرفی حالت سے کیا جاتا تھا۔ قدیم فارسی میں مفعولی حالت بتانے کے لئے جو کلمہ استعمال ہوتا تھا وہ 'رادے' ہے جیسے 'ملپٹس' ایک قدیم مادے 'راد' کی ظرفی حالت بتاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ "راد" آراستن اور پیراستن میں بھی ہے مگر یہاں 'د' سین سے بدل گئی ہے۔ پہلوی 'رائے' اور فارسی 'را' 'راد' سے ہی کی پیداوار ہیں۔

"سنسکرت" میں 'دا' کے معنی دینا اور عطا کرنا ہے۔ اس سے صفت کا صیغہ 'دات' ہے جیسے 'دا' سے 'داتا' (دیا ہوا) 'داد' فارسی میں سخی کو کہتے ہیں۔ 'دادے' اصل میں 'دائے' تھا۔ اُردو 'لئے' کی اصل بھی 'دانئے' ہے (۱) 'د' نے 'ل' کا روپ اختیار کر لیا۔ اور 'ت' اور الف دونوں تخفیف کی نذر ہو گئے۔ دائے۔ لاتے۔ لائے۔ لئے۔

"تائیں" "تئیں"۔ قدیم اُردو میں بطور علامت مفعول مستعمل تھے۔ ان کی اصل 'دائے' کا آخری جزو 'تے' ہو سکتا ہے 'ں' غنہ اکثر اُردو اسماء میں تزئین و تمکنی کے لئے اضافہ ہوتا رہا ہے۔ آنسو، بھوں، اور چھاؤں وغیرہ اسماء جن سنسکرت کلمات سے ماخوذ ہیں۔ ان میں انوناسک نہ تھا۔ اس کی ایک واضح مثال تلمیں (دیکھیے) ہے۔ یہ 'تل' کی ظرفی حالت ہے۔ قاعدے کے مطابق تلے ہونا چاہیئے اور تلے ہی عام طور سے مستعمل بھی ہے۔ لیکن دکنی اُردو میں 'ں' 'ں' غنہ کے ساتھ کہیں کہیں تلیں بھی دیکھا گیا ہے۔ مثلاً اس جملے میں ابراہیم کی نیت ثابت تھی تو کافراں آگ میں سٹے' انگارے پھول ہوں پاؤں تلیں آویں (۲)

ان کے علاوہ دیسی بولیوں میں کچھ اور کلمے بھی ہیں جو مفعول کے معنیٰ ادا کرتے ہیں۔ یہ کلمے ہورنلے نے گنائے ہیں اور ان کی اصل بتائی ہے۔ ان کے آخر میں بھی ए ہے۔ مثلاً 'کنے'، 'باٹے'، 'کرنے اور مارتے' سے ماخوذ ہیں۔ 'ٹھائے' جس کی اصل 'ستھانے' ہے۔ 'پاہیں' اور 'تائیں' کا ماخذ ہورنلے 'پکشے' اور 'ترتے' بتاتے ہیں۔ اُردو 'مارے' بھی مفعول معنیٰ میں ہے اور مارنا سے بنا ہے۔

---

(۱) ہندوستانی گرامر صفحہ ۱۳۸ (۲) سب رس صفحہ ۱۶۶۔

جس طرح راسئے ۔لاسئے اور لئے۔ راتے سے ڈھلے ہیں۔ اسی طرح 'کے' 'کتے' سے دمنع کیا گیا تھا۔ 'کرتے' 'پراکرت' میں اوّل कृते ہوا اور بعد میں 'کے'۔ یہ کلمہ 'پراکرت' میں لئے یا واسطے کے معنی میں مستعمل تھا۔ 'تھا کیٹے' (تیرے لئے) "گر پور مجری" ایکٹ ۲ شلوک ۱۰ میں ہے (۱) 'کے' اور 'لئے' دونوں ایک ڈھنگ سے بنے ہیں اور دونوں قریب قریب ہم معنی ہیں، لیکن اُردو میں دونوں ساتھ ساتھ استعمال ہوئے ہیں۔ اس کی وجہ غالباً وہ اشتباہ ہے جو ہماری زبان کے آخری دور ارتقا میں مفعولی اور اضافی 'کے' میں ہوا، اور اس پر اضافی معنی غالب آگئے۔ ادھر 'لئے' نہ ادلیہ (؟) وسم کے طور پر استعمال ہونے لگا تھا اور یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ مستقل کلمہ ہے۔ اس لئے ضرورت پڑی کہ کسی حرف کی مدد سے اسے سابق کلمے سے جوڑا جائے۔ یہ کام 'کے' نے انجام دیا۔ اس اس تقریر سے ظاہر ہوا کہ مفعولی ثانوی حالت کا وجود مفعولی حالت سے پہلے ہے۔ ان دونوں حالتوں کا فرق دراصل دو طرح کے افعال کی وجہ سے ہے۔ مفعول ثانی اوّل اوّل وہ ہوتا تھا جسے کوئی چیز دی جاتی تھی۔ اس لئے اس کے بعد رات یا راسئے (دیا ہوا) آتا تھا۔ حامد راسئے، حامد دیا ہوا۔ یعنی حامد جسے کچھ دیا جائے۔ سنسکرت میں مفعول ثانی کا نام سمپردان اور انگریزی میں DATIVE ہے (یہ دونوں 'دا' بمعنی دینا سے ماخوذ ہیں) اس لئے کہ اس مفعول کا تعلق عطا سے اور یہ فعل 'دا' اور اس کے ہم معنی دوسرے افعال کا ہوتا ہے۔ مفعول اوّل باقی دوسرے افعال کا ہوتا تھا جن میں 'کرنا' زیادہ عام اور نمائندہ فعل تھا۔ اس لئے مفعول اوّل کے بعد 'کرت' (کیا ہوا)

---

(۱) مبادی پراکرت وولنر صفحہ ۷۵:

یا 'کرتم' اضافہ کر دیتے تھے۔ حاد کرت (حامد کیا ہوا) یعنی وہ مفعول (کیا ہوا) جس پر 'فعل' (کرنا) کا وقوع ہوا 'کو'، 'کوں'، 'ک'، وغیرہ تمام علامات کرت سے بنے ہیں، اور اس اسم کو بتاتی ہیں جس پر کرنا یا اس قسم کے کسی فعل کا اثر ہوا۔

سنسکرت مفعولی علامت अम بھی کچھ کم قدیم نہیں۔ (۱) عربی شامی زبان ہے لیکن مفعول کی علامت اس میں بھی 'ن' ہے جو صوتی اعتبار سے کسی طرح بھی 'م' سے مختلف نہیں۔ 'اردو' 'کو' جیسا کہ ٹرمپ نے لکھا ہے کہ 'تم' 'ت' سے ماخوذ ہے कक्षम - कक्षम पतम कत کوں، 'کو' یہ اس کے مختلف درمیان کے روپ ہیں۔ کبھی ان میں ایک حلقہ بڑھ سکتا ہے 'ہ'، جیسا کہ ڈاکٹر دیہ نے لکھا ہے۔ त حرف صحیح کے قائم مقام ہے۔ پراکرت میں حرف صحیح کے عوض ایک 'ہ' بڑھا دی جاتی تھی (۲)

"نیں" کی بابت غالب نے لکھا ہے کہ یہ پنجابی ہے۔ پنجاب احاطہ سے اردو میں آیا۔ غالب کے زمانے تک یہ اردو میں بولا جاتا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک بڑھیا ہمارے ہاں نوکر تھی۔ یہ لفظ بولا کرتی تھی تو بیبیاں

---

(۱) میکس مولر نے 'ک' الحاقی اور 'م' مفعولی کو اس لاحقے کی اصل بتایا ہے اور بابو راجندر لال مترا کو اس سے اتفاق ہے (جنرل بنگال سوسائٹی ۳۳ صفحہ ۷۰۴)

(۲) بحوالہ ہیمر چندر صفحہ ۲۵۶۔ پنڈت مہابیر پرشاد دویدی اور ہری اودھ کی رائے بھی یہی ہے (ہندی بھاشا اور اس کے ساہتیہ وکاس صفحہ ۸۱)

اور لوھڑیاں سب اس پہ ہنستی تھیں (۱) اس میں تین لغت ہیں۔ 'تیں' یہ گجراتی سے اُردو میں آیا۔ اُردو شہ پارے میں اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔ 'تئیں' یہ زیادہ عام اور کثیر الاستعمال ہے۔ "تئیں" یہ خالص پنجابی ہے۔ 'اردو' میں استعمال نہیں ہوتا۔ 'کے تئیں' کی جگہ اُردو میں تنہا کے بھی استعمال ہوا ہے (شہ پارے صفحہ ۳۲۶) کتئیں بھی دیکھا گیا ہے۔ (صفحہ ۳۳۵) جس سے یہ خیال گزرتا ہے کہ شاید یہ ایک کلمہ ہے اور سنسکرت "کرتے" سے چھٹ کر بنا ہے۔

'لئے'، کو بھنڈارکر 'لگ' سے ماخوذ جانتے ہیں جس کے معنیٰ ہیں 'لگنا' اور چمٹنا' اس سے متعدی مصدر "لاؤنا" یا "لائنا" بنا۔ 'لئے' ان کے خیال 'لای' تھا۔ یہ ماضی معطوفہ ہے۔ 'لای' بمعنیٰ لائے کر یا لاکر۔ دکنی میں لانا لگانے کے معنیٰ میں مستعمل تھا۔ 'لاونا' یا 'لائنا' سے مخفف کیا گیا تھا۔ اس کے تغیرات اور مختلف حلقے اس طور پر ہیں۔ لگاؤنا۔ لاؤنا (بحذف گ) لانا۔ یہ فعل بھی اس شکل وصورت میں گجراتی سے لیا گیا ہے۔ 'اُردو' میں 'لگنا' صحیح اور فصیح ہے' لئے واسطے اور غرض سے کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس کے مفہوم کا لگنا یا چمٹنا سے بہت دُور کا تعلق ہے۔ اس لئے بھنڈارکر کا یہ اشتقاق بعید از قیاس نظر آتا ہے۔

۳۔ اضافی

'اُردو' میں علامت اضافت 'ک' ہے جس کی تین حالتیں ہیں۔

---

(۱) رقعہ بنام قدر بلگرامی

کا واحد مذکر کے لئے واحد اور جمع مؤنث کے لئے۔ "کے" جمع مذکر کے لئے۔ علامت اضافت میں یہ اختلاف بعد میں آنے والے اسم (مضاف) کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ حامد کا لڑکا۔ محمود کی لڑکی یا لڑکیاں۔ حمید کے لڑکے۔ دکنی اُردو میں جمع مؤنث کے لئے "کیاں" استعمال ہوتا تھا جیسے حامد کی لڑکیاں۔

اس کی اصلیت میں اختلاف ہے۔ کچھ علماء اسے سنسکرت لاحقہ ذاتی कहू یا कृत से ماخوذ مانتے ہیں۔ کا ایک (جسمانی) رو مک (بدم کا۔ بننے والا) شیام سُندر داس کہتے ہیں کہ قدیم ہندی میں "کا" کی جگہ صرف "ک" استعمال ہوتا تھا (۱) تلسی داس اور کبیر داس کے علاوہ ودیاپتی کے یہاں بھی یہ "ک" ملتا ہے۔ جیسے جنک پرتی پاشا ٹر سم ریکھا (۱) (اچھے آدمی کی محبت پتھر کی لکیر ہے) اس "یا" "جنکسا" اضافی حالت میں ہے جو سجن (اچھا انسان) اور "ک" اضافی کا مجموعہ ہے اُردو "کا" سنسکرت कृत سے ماخوذ ہے۔ ڈاکٹر ٹرمپ کا خیال بھی یہی ہے (۲) ایک خیال یہ ہے کہ "اردو کا" پراکرت कहू کृत ! कृत سے حاصل کیا گیا ہے۔ یہ دونوں خیال ایک ہیں۔ پراکرت "ک" ظاہر ہے سنسکرت "ک" ہی کا ایک رُوپ ہے۔

ایک تیسرا مسلک بھی ہے اور وہ اکثر علماء لسانیات کا ہے "پراکرت" میں کیر کم" اور کیرو۔ بطور لاحقہ اضافت اکثر آئے ہیں اور اردو "کا" کی طرح تذکیر و تانیث کے اعتبار سے ان میں تبدیلیاں

---

(۱) ساہتیہ صفحہ ۱۴۳ (۲) بیمز جلد ۲ صفحہ ۲۸۱

(۳) بحوالہ جنرل بنگال سوسائٹی جلد ۳۳ صفحہ ۴۹۸

بھی ہوتی ہیں۔ کیرٹ (کا مونث کیرٹ) تھا جو کیر کا سے بنا تھا۔ یہ کیرپور مینجری میں ہے (۱) ناگری میں یہ کیلکے جیسے کیرٹ ونے کیرٹ اور کیرٹ اسے کیری موجود میں آئے۔ یہ ردیف چند تبدیلی کے ساتھ ہیں۔ مثلاً :-

(۱) دور سے گنج اندھ چوہان کیرتی (چوہان کے ہاتھی اندھے بن کے دوڑے)

(۲) "سعدی ورشتی سوں نرشتی چوہان کیری" (چوہان کی نظر اس منظر کو دیکھ کر وہ جاتی رہی) (تلسی: اس الاکری اور کرچی (کیر) اور کیری سے ماخوذ ہے۔ ان کا آخری ردیف ک ہے جو جائسی کے یہاں ہے۔ جیسے 'دھن بنی آہے چیپے کہ سنارا' (دھن والا وہ ہے جس کے پاس سنار ہے) جسے کہنا جس کا، اس لاحقے کے مختلف سلسلے وار تغیرات یہ ہیں :-

کیرکو - کیرٹ - دہ کیرو - کیر - کر - ک - کا -

ان میں سے 'کیر' دکنی اردو میں بھی تھا۔ نیت : دکنی کا مصرع ہے۔

جو تو قاصد کیرے ہتھ نامہ چھوڑا یہ

غواصی کہتا ہے :

کہ تجھ پیاری مرد کیرا سنگار

سوال یہ ہے کہ "کیرک" کیسے بنا اور اس کا ماخذ کیا ہے؟ یہ مسئلہ بھی کچھ کم نزاعی نہیں۔ ہورنلے اس کی اصل سنسکرت कृत (کرت) (کرت کے اسم مفعول) بتاتے ہیں جس پر الحاقی क اضافہ کرنے سے कृतक بنا

---

(۱) ولز مبادیات پراکرت صفحہ ۱۱۵

(۲) تقابلی گرامر صفحہ ۲۴۳

اور جب 'ت' حذف ہوئی تو कारिका [illegible] اور [illegible] کے [illegible] یہاں (۱)
'پشل' کے نزدیک 'کیرا' اصل میں 'کاریہ' تھا۔ 'کاریہ' کے معنی ہیں وہ کام
جو کسی کی طرف منسوب ہو، شے کی غرض۔ سنسکرت 'کاریہ' کہلاتی ہے۔ اسی لئے
وہ اس کی طرف منسوب ہے۔ 'کاریہ' پراکرت میں 'کیرا' ہوا۔ جیسے 'پیرت'
اور 'آشچریہ' سے 'اچھیر' (۲) 'بیمز' اور ہورنلے کے ہم خیال ہیں (۳) اور
بھنڈارکر 'پشل' کے ہورنلے کے اشتقاق پر بھنڈارکر نے کئی اعتراض
کئے ہیں۔ مثلاً یہ کہ انہیں 'کرت' کی کوئی شکل 'کرے' نہیں ملی؛ 'کرت' سے
'پراکرت' किअअ اور कअअ بنتے ہیں۔ دوسرے 'کرے' کی '—'
कृ ایک غیر مستقل اور وقتی چیز ہے۔ ناممکن ہے کہ وہ اتنی پائندگی حاصل کر سکے
کہ وہ कृ کی شکل میں مستقل طور پر का علامت اضافت بن جائے۔ تیسرے
'کرت' اسم کے طور پر تو استعمال ہو سکتا ہے لیکن یہ بعید نظر آتا ہے کہ وہ ملکیت
بتائے (۳) شیام سندر داس کہتے ہیں 'کاریہ' کا تعلق مستقبل سے ہے
اور اضافت کا ماضی سے اس لئے 'کاریہ' کا اضافی علامت کے طور پر
استعمال کچھ ٹھیک نہیں۔ (۴)

'کیرا' 'کو' 'کے' اور 'را' سے بھی مرکب مانا جا سکتا ہے۔ 'را' ہر چند
مفعول کے لئے ہے جیسے کہ سطور بالا میں عرض کیا گیا، لیکن 'فارسی' اور
پہلوی میں یہ اضافت اور نسبت کے لئے استعمال ہوا ہے: 'حامد
راپسرے بود' میں 'را' اضافی ہے۔ اضافت اور مفعول میں معنوی

---

(۱) انڈین اینٹی کویری دسمبر ۱۸۸۳ء صفحہ ۳۶۰ (۲) تقابلی گرامر صفحہ ۲۸۵
(۳) لیکچرز صفحہ ۲۵۷ (۴) ساہتیہ صفحہ ۱۴۰

اتحاد اور یگانگی ہے۔ ہند ایرانی زبانوں میں ایک کا استعمال دوسرے کی جگہ ہوتا تھا۔ یہ بتانا مشکل ہے کہ 'کا' اور 'را' میں سے کون سی علامت اصل کے اعتبار سے اضافت کے لئے ہے اور کون سی مفعول کے لئے۔ بیمز صاحب بھی 'کار' کو 'کا' اور 'ر' سے مرکب بتاتے ہیں۔ وہ دونوں کو اضافی سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک 'کار' دوہرا اضافی لاحقہ ہے۔

میرا خیال ہے کہ 'کا' اور 'کی' خاص اردو علامات ہیں۔ شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ 'امیر خسرو' کے معاصر ہیں۔ ان کا ایک دوہرہ مشہور ہے۔ اس میں 'کا' 'کی' کے علامات استعمال ہوئی ہیں۔ (۱) امیر خسرو کے کلام میں بھی 'کا' اور 'کی' دیکھے گئے ہیں۔ (۲) کیرا۔ کیری۔ اودھی یا راجپوتانے کے علاقے سے ونتی اردو میں آئیں۔ دوسرا قیاس زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ چیٹرجی نے لکھا ہے کہ کیرا راجپوتانے اور بنگال میں مستعمل تھا۔ (۳) 'اردو' کا ماخذ 'اودھی' 'کیر' سے مختلف ہے۔ ہیمنڈ اور گریرسن نے سنسکرت 'کرت' سے اسے نکالا ہے۔ تلسی کرت کا دیہ" کی اردو تلسی کی شاعری ہے۔ اور ہری اودھ نے سنسکرت "نسبتی یا فتی" سے (۴) اس سے پہلے مفعول لاحقے پر بحث کرتے ہوئے عرض کیا جا چکا ہے کہ 'کو' سنسکرت 'اسماکم' سے بھی لیا جا سکتا ہے۔ بوپ نے 'کا' اتحادی 'کو' 'اسماکم' کے 'کم' سے ماخوذ مانا تھا۔ اور دیکھیے موجودہ بولیوں کے لاحقے اکثر ضمیروں کے لاحقے سے تراش لئے گئے ہیں۔ یہ قیاس

---

(۱) گرامر صفحہ ۲۳۳ ذیلی (۲) پنجاب میں اردو صفحہ ۱۴۱
(۳) بنگالی صفحہ ۷۵۳ (۴) ہندی بھاشا صفحہ ۵۸

صحت سے بعید معلوم نہیں ہوتا۔

۳۔ آلی یا بی

۔ اس حالت کا نام سنسکرت میں کرن ہے۔ 'کرن' کے معنی ہیں آلہ یا افزار اسی لئے میں نے اس حالت کا نام 'آلی' تجویز کیا ہے۔ اردو میں 'آلی' اور مجروری دونوں کا لاحقہ واحد ہے۔ دونوں کا اظہار حرف سے سے کیا جاتا ہے۔

فاعل اور مفعول کا اظہار ساتھ ساتھ مقصود ہو تو اردو میں فعل معروف استعمال کریں گے اور یوں کہیں گے " رام کتاب پڑھتا ہے " اور اگر فاعل کو چھپانا چاہیں تو فعل مجہول لائیں گے۔ کتاب پڑھی جاتی ہے۔ پڑھنے والا کون ہے ؟ اس جملے سے اس کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ سنسکرت محاورہ اس کے خلاف ہے فعل مجہول کی صورت میں بھی سنسکرت میں فاعل کا ذکر کیا جاسکتا ہے فعل مجہول کا یہ فاعل آلی حالت میں ہوتا ہے۔ سنسکرت میں اس کی علامت "ـــــِ ین" ہے جیسے "رامین" رام نے یعنی رام کے ذریعے اور اس کے واسطے سے۔

اردو کی ماضی اصل اور ساخت کے لحاظ سے اسم مفعول ہے۔ اس کے متعلق تفصیل کے ساتھ فعل کے بحث میں لکھا جائے گا۔ اسم مفعول مجہول کا صیغہ ہے۔ اس لئے بطور فعل استعمال ہونے کی صورت میں اس کا فاعل (سنسکرت) محاورے کی مطابق آلی ہونا چاہیئے۔ اردو میں اس کی یہی کیفیت ہے " رام نے کتاب پڑھی " کا مفہوم ہے کتاب پڑھی گئی رام کے ذریعے اور اس کی وساطت سے۔ گویا رام کتاب پڑھے جانے کا ایک آلہ ہے۔ " چور لاٹھی سے پیٹا گیا" اس جملے میں 'لاٹھی' جس

طرح پیٹنے کا آلہ ہے ٹھیک اسی طرح رام کو پڑھنے کا آلہ سمجھنا چاہیے۔ سنسکرت میں ان دونوں میں کوئی فرق نہ تھا۔ دونوں جملوں میں رام اور لاٹھی 'کرن' تھے اور ان کی اس حالت کا اظہار 'ین' (एन + करण) سے کیا جاتا تھا۔ اردو میں ان دونوں میں فرق ہے۔ رام کو جو جاندار اور ہوش مند ہے فاعل سمجھا جاتا ہے مگر فعل معروف کے فاعل سے ممتاز بنانے کے لئے قدیم محاورے کے مطابق اس پر آلی حالت کا لاحقہ 'نے' اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ لاٹھی ایک بے جان چیز ہے۔ اس میں از خود کام کرنے کی صلاحیت نہیں۔ اس لئے بدستور اسے آلہ اوزار یا ذریعہ قرار دے کر 'سے' کی مدد سے اس کی حالت کو ظاہر کیا جاتا ہے۔

'نے' اردو میں اگر فاعل کی علامت ہوتا اور اسم کی فاعلی حالت بتاتا تو فعل ہمیشہ اس اسم کی مطابق ہوتا جس کے بعد 'نے' ہے اور ہر جگہ فاعل کے بعد اس کا اضافہ جائز اور صحیح سمجھا جاتا۔ اردو میں فعل حال، مستقبل اور فعل لازم کی ماضی کے ساتھ اگر فاعل کا ذکر کیا جاتا ہے تو 'نے' کا استعمال نہیں ہوتا۔ جیسے سورج نکلا۔ حامد اسکول جاتا ہے۔ میں کتاب پڑھوں گا۔ ان مثالوں میں 'سورج' 'حامد' اور 'میں' فاعلی حالت میں ہیں۔ مگر ان کے بعد 'نے' نہیں اور نہ لایا جا سکتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ 'نے' فاعل کی علامت نہیں۔ فعل مجہول کے فاعل کی علامت ہے اور انگریزی by کے ہم معنی ہے۔ انگریزی میں اس نوع کے فاعل کو Agent (نائب فاعل) کہتے ہیں۔

'نے' کی اصل سنسکرت، علامت آلہ एन ہے۔ اردو کا 'نے' اور اس کا بطور مجہول استعمال براہ راست سنسکرت سے لیا گیا ہے۔ اس

مفہوم کو ممکن نہیں کوئی اور جدید کلمہ ادا کر سکے۔

'سنسکرت' کی اس آلی علامت کا استعمال 'پراکرت' کے آخری دور تک رہا۔ 'پالی اور پراکرت' میں مفتوح الاواخر اسمار کے آخر میں آنے کے لئے۔ یہ لاحقہ مستعمل تھا۔ (۱) اپ بھرنش عہد تک پہنچتے پہنچتے 'ـِ ین' کا 'ن' غنہ ہوکر 'ـِ یں' رہ گیا لیکن اس کے ساتھ 'ـِ ین' بھی رائج رہا۔ آلے کے لئے بھی اور فعل مجہول کے فاعل کے لئے بھی 'ہیم چندر نے اپ بھرنش کے جو اشعار مثال میں پیش کئے ہیں۔ ان میں سے ایک شعر میں یہ کلمے استعمال ہوئے ہیں

नहोण पवमलेरा दइए

یہ تینوں کلمے آلی حالت میں ہیں۔ ان میں سے پہلے دو فاعل ہیں اور تیسرا آلہ (یعنی ناخون کے ذریعہ) پہلے میں ण ہے اور باقی دو میں ए न (۲) بیمز کا یہ اعتراض کہ 'نے' اگر لیا جا سکتا ہے تو اپ بھرنش 'ـِ یں' سے اور 'ن' غنہ ہو جانے کے بعد اس کا اظہار بعید نظر آتا ہے دو وجہ سے غلط ہے۔ اوّل اس وجہ سے کہ اپ بھرنش میں 'ن' کا اظہار بھی تھا۔ دوسرے یہ کیا ضرور ہے کہ اردو 'نے' اپ بھرنش سے لیا جائے۔ وہ براہِ راست 'ـِ ین' سے بھی لیا جا سکتا ہے۔

"ـِ ین" سے 'نے' کیسے بنا؟ بھنڈارکر کہتے ہیں کہ 'نے' دوہری علامت ہے۔ اوّل "ـِ ین" سے 'ن' تراشا گیا۔ بعد میں اپ بھرنش "ـِ یں" جو خود ـِ ین سے نکلا گیا تھا۔ اس پر اضافہ کر دیا گیا۔

---

(۱)۔ ولز صفحہ ۴۴ پالی گرامر صفحہ ۵۸ (۲) بھنڈارکر صفحہ ۲۵۲
(۳) ایضاً صفحہ ۲۵۴

اس طرح " نے تیار ہوا (۱) لیکن زیادہ اچھا یہ ہے کہ 'نے' کو 'پ ین' کا مقلوب سمجھا جائے۔ قلب زبان کے ارتقاء میں ایک بڑا محرک ہے۔ جس نے ہماری بول چال کی زبانوں کے بنانے 'سنوارنے اور سُدھارنے میں بہت بڑھ کر حصّہ لیا ہے۔ شیام سندر اور دھیری اودھ' بھی 'نے' کو 'پین' کا مقلوب بتاتے ہیں (۱)۔ بیمز نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ اگر 'نے' 'پراکرت پ ین " سے ماخوذ تھا تو اس کا استعمال پرانی ہندی میں کثرت کے ساتھ ہونا چاہیئے تھا۔ اس لئے وہ قیاس کرتے ہیں کہ 'نے' 'لگ' سے بنا ہے۔ لگ کا اسم مفعول 'لگن' ہے جس سے مفعول ثانوی حالت لگنے بنتی ہے۔ 'اردو' لئے بھی 'لگنے' ہی سے بنا ہے۔ 'نے' اس کا مخفف ہے۔ اس کا ایک واضح ثبوت یہ ہے کہ گجراتی میں "کرن" اور "سمپردان" ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوئے ہیں۔ ادھر نیپالی میں مفعول ثانی کے لئے "لائی" اور آلہ کے لئے "لے" ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے اتنے مشابہ ہیں کہ دونوں ایک مادہ سے ماخوذ معلوم ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر بھنڈارکر کہتے ہیں کہ یہ غلط ہے کہ 'نے' پرانی ہندی میں استعمال نہیں ہوا۔ مراٹھی میں 'نے' کی دو شکلیں تھیں 'نی' اور 'نین' یہ دونوں شکلیں "مراٹھی" کے قدیم شاعر گیانیشور کے کلام میں ہیں۔ 'ہندی' کے مشہور شاعر سوُرداس کے یہاں بھی 'نے' دیکھا گیا ہے۔ مثلاً:-

ایک پرش نے آج موہی سپنانتر دینون

آج ایک شخص نے مجھے خواب میں اپنا دیدار دکھایا۔ اس میں

---

(۱) ساہتیہ صفحہ ۱۳۸ ہندی بھاشا صفحہ ۸۰ (۲) پنجاب میں اُردو صفحہ ۱۱۷

"پرش" وینوں کا فاعل ہے اور اس پر "نے" علامت آلہ موجود ہے۔ امیر خسرو تیرہویں صدی عیسوی کے شاعر ہیں۔ پروفیسر شیرانی نے ان کی ایک ہندی غزل ایک بیاض سے نقل کی ہے۔ اس میں یہ شعر بھی ہے۔ (۱)

میرا جو من تم نے لیا تم نے اٹھا غم کو دیا
غم نے مجھے ایسا کیا جیسا پتنگا آگ پر

اس میں تین جگہ "نے" ہے اور تینوں جگہ علامت فاعل Agent کے طور پر استعمال ہوا ہے۔

ہورنلے کا خیال ہے کہ اردو کی پڑوسی زبانوں میں سے مارواڑی میں مفعول کے لئے "نے" یا "نیں" مستعمل تھا اور برج میں "کو" یا "کوں"، اس لئے بہت ممکن ہے کہ اردو نے "نے" یا "نیں" کو غیر ضروری سمجھ کر چھوڑ دیا۔ اور اس کی جگہ "کو" اختیار کر لیا۔ اور "نے" فعل مجہول کے فاعل کے لئے استعمال ہونے لگا۔ (۲) لیکن یہ ایک لچر سی بات ہے "نے" کو انہوں نے "لے" سے ماخوذ مانا ہے۔ جو "لئے" سے ڈھالا گیا تھا۔ "لئے" کی بابت میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ وہ ان کے نزدیک "بعد" ہے کا بگڑا ہوا روپ ہے۔

یہ امر بھی غور کرنے کے قابل ہے کہ "ن" کی علامت سنسکرت میں "ن" ہے۔ مفتوح الاواخر اسماء میں یہ نون "ین" کی شکل میں ہے۔ اور مکسور یا مضموم الاواخر مذکر اور بے جنس اسماء میں "نا" کی شکل میں جیسے منتا (منی نے) بھانتا (سورج نے) بلیٹس نے شاید اسی لئے "تے" کو سنسکرت "آتہ" سے ماخوذ مانا ہے (۳)

گرامر صفحہ ۲۱۹ (۲) اردو گرامر صفحہ ۳۷ (۳) تقابلی گرامر ج اپ ۱۵۸
(۴) سنسکرت گرامر دہٹنے صفحہ ۳۳۶ (س)

'بوپ' کرن کا اصلی لاحقہ آآہ بتاتے ہیں۔ آہ اُن کے نزدیک زینت کلام کے لئے ہے (۳) لیکن میں مکسورالاواخر مؤنث اسماء کے لئے بھی آآہ ہی استعمال ہوا ہے (۴) اس لئے غالباً آہ ہر مقام پر تھا بعد میں تخفیف یا تسہیل کی نذر ہو گیا۔ (۱)

۵- مجروری

(سنسکرت) میں اسے "اپادان" کہتے ہیں۔ اُردو میں ابتدائی یا معنی (من) سے بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس کے لئے صرف ایک حرف 'سے' ہے جیسے گھر سے نکلا۔ گھوڑے سے اترا 'سے' آلے یا سببیت کے لئے بھی ہے لاٹھی سے مارا۔ محنت کرنے سے بیمار پڑ گیا۔

"سے" میں کئی لغات ہیں۔ یہ سب دکنی اُردو میں مستعمل تھے۔ سوں یا سیں 'ولی' کا شعر ہے ؎

مت غصّے کے شعلے سوں جلتے کو جلاتی جا
ٹک مہر کے پانی سوں یہ آگ بجھاتی جا

ولی سے تقریباً پچاس سال پہلے یہ "نے" یا "سیں" کی شکل میں تھا۔ "غلام علی" کا مصرع ہے۔

بھلائی ستے تو بھلا پائے گا

غلام علی سے پہلے ستے، بولا جاتا تھا۔ محمد قلی کو کہنا۔

معانی کی باتاں تھے جوتا نمک

---

(۱) اُردو گرامر صفحہ ۲۰۔ (۲) تقابلی گرامر تا اپ ۱۵۸ (۳) سنسکرت دیکھئے صفحہ ۲۲۹ (س ق (۴) ملاحظہ فرمائیے "ے کی سرگذشت" مطبوعہ اُردو اکتوبر ۵۲ء

'وجہی' کے زمانے میں 'تے' مستعمل تھا۔ جیسے :۔

تج تے بچھڑ جیتی ہوں میں کیا سخت ہے دل رے پیا

یہ خواجہ بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بھی ہے۔ ان کا ایک جملہ ہے "اگر اس میں تے یک پردہ اٹھ جاوے تو اس کی آنچ تے میں جاؤں۔" میاں خوب محمد گجراتی نے "تھیں" استعمال کیا ہے۔ جیسے

"غیرت تھیں سب کیا قبول" (۱)

اس کے علاوہ "سم" اور "سن" سندی میں ملتے ہیں۔ چند بردائی نے "سم" کو "سے" کے معنی میں کئی جگہ استعمال کیا ہے۔ جیسے کہیے کتھی سم لغت (۱-۱۱) کہی سنکا یک اندر سم (۲-۱۱) بلی کھو جد با اندر سم (۲-۲۱۸) پراکرت میں اس مفہوم کے لئے "سنتو" استعمال ہوتا تھا۔

یہ لغات ساتھ ساتھ استعمال ہوئے ہیں۔ ایک ہی مصنف کے یہاں ان میں سے اکثر شکلیں ملتی ہیں۔ ڈاکٹر زور نے ان استعمالات اور تغیرات کا جو تاریخی ارتقا بیان کیا ہے وہ صرف اس صورت میں صحیح ہو سکتا تھا کہ ابتدا ان میں کا صرف ایک لغت استعمال ہوتا یا آخری میں صرف ایک رہ جاتا اور باقی متروک ہو جاتے۔ وہ فرماتے ہیں کہ 'ولی' سے پہلے 'ستے' یا 'ستیں' تھا۔ اس کا مطلب ظاہر ہے اس کے سوا کیا ہے کہ 'ولی' سے پہلے 'سوں' اور 'سیں' نہ تھے۔ اور 'ولی' کا زمانہ آتے آتے 'ستے' اور 'ستیں' متروک ہو گئے یا انہوں نے 'سوں' یا 'سیں' کا روپ اختیار کر لیا۔ اسی طرح غلام علی پہلے جب 'تے' بولا جاتا تھا تو 'سوں' 'سیں' 'دستے' 'ستیں' ان میں سے کسی کا وجود نہ تھا۔ ان میں کوئی بات صحیح نہیں۔ غلام علی'

یہ تفصیلات ہندوستانی لسانیات صفحہ ۴۴ اور رسالہ "ہندوستانی" ۱۹۳۲ء صفحہ ۴ سے ماخوذ ہیں۔

'نے'، 'تے'، کے ساتھ 'سوں' بھی لکھا ہے۔

مجھے حق کی توفیق سوں کرنی دعا ت

'ولی' سے تقریباً سو سال پیشتر ابن نشاطی نے "پھول بن" لکھی۔ اس

'نے' کے پہلو بہ پہلو 'سوں' بھی ہے۔

ہا یک مشہور تھا سوداگری سوں
کہتے تھے کاروان سالار اس کوں
میں سر سے پاؤں لگ اسی موہنی کا
کہ تھا تیوں صفت کرنی سکوں گا

محمد افضل جھنجھانوی کا بارہ ماسہ ۱۶۲۶ء کی تصنیف ہے۔ اس میں 'سوں'

اور 'سیں' اور 'تے'، سب ساتھ ساتھ استعمال ہوئے ہیں۔

(۱) ارے یہ عشق 'سوں' ڈرتی پھروں رے
(۲) کرے دل لے 'ہمن سیں' بے وفائی
(۳) تمن بن برہ 'تے' جلتی رہے گی

ملک خوشنود محمد افضل کا معاصر ہے۔ اس نے ہشت بہشت کے نام سے ایک مثنوی لکھی تھی اس کا ایک شعر ہے جس میں "سے" استعمال ہوا ہے۔

جوانی 'سے' دیا حق جنے کون بیری
خدا تج کون کیا ہے دست گیری

---

(۱) ڈاکٹر زور نے 'خرد' سے 'اور' سیں' کو سنسکرت 'سہیں' سے "سوں" کو 'سمہ' سے 'سیچا' کو 'سنگین' سے اور 'تے' وغیرہ کو 'سنت' سے ماخوذ مانا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان میں ایک بھی دوسرے کا ماخذ نہیں۔ سب کے ماخذ الگ الگ ہیں (ہندوستانی لسانیات حاشیہ صفحہ ۵۱۴)

ان لغات کا ساتھ ساتھ استعمال بتاتا ہے کہ ان میں سے کوئی ایک دوسرے سے ماخوذ نہیں۔ یا ان پڑوس کی زبانوں سے یہ اردو میں چلے آئے۔ میرا خیال ہے کہ "نے" پنجابی یا برت سے سولہویں صدی عیسوی کے لگ بھگ دکنی اردو میں آیا اور 'تھیں' پنجابی یا گجراتی سے ہماری زبان کا اصل کلمہ 'سے' یا 'سیں' ہے۔

'سے' یا 'سیں' کی اصل समम ہے جو سنسکرت متعلق فعل समम سے ماخوذ ہے (۲) اس کا ایک روپ समं بھی تھا۔ 'سم' یا 'سن' کے معنی ساتھ کے ہیں۔ اول اول 'سے' اردو میں ساتھ کے معنی دیتا تھا! 'لاٹھی سے' یعنی لاٹھی کے ساتھ۔ 'میں نے زید سے کہا۔' کا مفہوم تھا زید کی کے ساتھ بات کی مجروری اور آلی حالتوں میں خاص تعلق ہے۔ دریائی میں ان کے لئے علامتیں بھی ایک جیسی ہیں۔ اس لئے 'سے' جو آلہ کے لئے وضع ہوا تھا مجروری حالت میں استعمال ہونے لگا۔ اس کے تغیرات بھنڈارکر نے یہ بتائے ہیں۔ 'سم' اول समं ہوا۔ اس لئے کہ سنسکرت اسماء کا 'م' حروف علت اور 'ن' غنہ سے بدل جاتا ہے۔ تلیین کے لئے جب आ اس پر اضافہ ہوئی تو समा بنا۔ 'سیم' سے 'سیں' اور پھر 'سے'۔ 'ی' کی جگہ 'و' اضافہ ہوا تو समउ بنا۔ جس طرح सत का ए ہوا تھا، व کا स्वा ہوا اور "سوں" وجود میں آیا۔ اس طرح 'اردو' کے بعد تین کلمات بنے۔ سوں۔ سیں۔ سے۔ (۳)

بیمز اس سے متفق نہیں۔ وہ 'سے'، 'سیں' وغیرہ کو सहित سے ماخوذ بتاتے ہیں۔ سنتو کا اصلی روپ 'سنتو' ہے جو 'اس' (ہونا) سے اسم حالیہ

---

(۱) بیمز جلد ۲۷ (۲) بھنڈارکر صفحہ ۲۵۱ (۳) ڈگرام صفحہ ۲۲۸

ہے۔ 'سوں' 'سُنتو' سے لیا گیا اور 'سے' اور 'سیں' اس کے ایک فرضی رُوپ 'سنتو' سے جو غالباً "ہنتو" پر قیاس کرکے وضع کیا گیا تھا۔ (۱)

کیلاگ نے اپنی گرامر کے پہلے ایڈیشن میں 'سے' کا ماخذ सम्य کو قرار دیا تھا۔ جو सम کی اضافی حالت ہے۔ پراکرت میں ایک स گرا تو सम्य باقی رہا۔ بندیلی सम्या (ساتھ) کی اصل بھی سنسکرت सम्य ہی ہے (۲) اگرچہ دوسرے ایڈیشن میں کیلاگ نے اس خیال سے رجوع کرلیا۔ اور اس کی جگہ سنگے (ساتھ) کو 'سے' کا ماخذ ٹھہرایا لیکن پہلا اشتقاق کچھ کم خیال افزا نہیں۔ سنسکرت علامت اضافت स्य اور اردو से دونوں کی اصل اس ہے۔ قدیم آریائی زبان میں 'س' اور 'ج' ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے تھے۔ سنسکرت " ج " (بمعنیٰ اور) غالباً 'س' ہی کا ایک رُوپ ہے۔ جوس بلاک نے لکھا ہے کہ 'س' 'ش' کا 'چ' اور 'چھ' سے تبادل ہند آریائی زبانوں میں قدیم سے ہے۔ (۳) اس کے علاوہ 'ولز' کہتے ہیں کہ سنسکرت فعلی صورتوں کا 'چھ' ہند یورپی زبانوں میں "سک" تھا (۴) 'فارسی' 'از' قدیم فارسی کا 'ہچ' ہے (۵) سنسکرت स्म اور قدیم فارسی کا 'ہچ' ایک ہیں۔ 'ز' جدید فارسی میں بطور علامت اضافت مستعمل ہے۔ "از من" یا 'ز من' کے معنیٰ ہیں۔ میرا۔ 'از' اور 'سے' اصل اور معنی دونوں کے اعتبار سے ایک ہیں جس طرح 'از' مجروری اور اضافی دونوں حالتوں میں استعمال ہوتا ہے 'سے' بھی کسی زمانے میں دونوں کے لئے مستعمل تھا لیکن اردو میں اب وہ صرف مجروری معنیٰ دیتا ہے اور اس کا اضافی مفہوم امتدادِ زمانہ اور ارتقائے لسان کے زیر اثر فراموش

---

(۱) ساہتیہ صفحہ ۱۲۰ (۲) مرہٹی زبان صفحہ ۱۱۱ (۳) مبادی پراکرت حاشیہ صفحہ ۶۳
(۴) فارسی گرامر (۵) اردو گرامر۔

ہو گیا ہے۔ بلیش، سے، کو، پیچ، سے ماخوذ بتاتے ہیں (۱)، سیچ، کا، س، فارسی میں، ہ، سے بدل گیا۔ اس صورت میں فارسی، پیچ، اور سنسکرت، سیچ، ایک نظر آتے ہیں۔ سیچ، س، اور، چ، سے مرکب ہے اور دونوں ہم معنیٰ ہیں۔ اس لئے یہ کلمہ دُہرا یا مرکب لاحقہ ہے۔ قدیم اردو میں "جا" بطور لاحقہ اضافت مستعمل تھا جو آج مرہٹی میں ہے: غالباً وہ قدیم ابدال کی ایک نشانی ہے (۲)

'تے'، کی اصل، سنسکرت علامت तस ہے جو اسماء کے آخر میں ابتداء ظاہر کرنے کے لئے اضافہ کی جاتی تھی جیسے نگرتہ (شہر سے) گرہتہ (گھر سے) (۳) بھنڈارکر اسے اُپ بھرنش हितार्थे (لئے) سے ماخوذ بتاتے ہیں اور "ترتے" سے (۴) اس صورت میں مجردری حالت کو مفعول ثانوی حالت ماخوذ ماننا پڑے گا جس کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ ،سے، اور، تے، کی ترکیب سے ،سیتے، وجود میں آئے۔ یہ دہرے لاحقے ہیں اور دہرے لاحقے ہماری زبان میں بہت ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ،ستے، ،سنسکرت، لاحقہ स्तात سے بنا ہو۔ یہ لاحقہ سنسکرت میں ،سے، کے معنی دیتا تھا۔ جیسے اوہستات (نیچے سے)، پرستات (آگے سے)، جس طرح ،تس، سے ،تے، بنا "ستات" سے ،ستے، وجود میں آیا۔ اس مقام پر یہ عرض کرنا بیجا نہ ہوگا کہ پراکرت مجروری لاحقہ جمع भ्याम् اور [illegible] کی ترکیب سے ،ستو، وضع کیا گیا تھا جس میں ،تو، مجروری تھا۔ اور ،س، ظرفی۔ عجب نہیں کہ ،ستے، بھی، س، اور، تے، کی ترکیب سے، ستو، کی مثال پر گھڑ لیا گیا ہو۔

---

(۱) مقدمہ آدی گرنتھ ٹرمپ (۲) بیمز ج ۲ صفحہ ۲۶۴

(۳) بھنڈارکر صفحہ ۲۵۴ و ہورنلے صفحہ ۲۲۶

'تھے' اور 'تھیں' کی اصل 'ستے' ہے۔ یہ اگر پنجابی یا گجراتی سے درآمد نہیں ہوئے تو کسی قدر بعد کی پیداوار ہیں یا یوں کہئے کہ 'ستے' سے متاخر ہیں۔ 'س' اور 'ت' مل کر ہماری جدید بولیوں میں 'تھ' ہوئے۔ جیسے ہاتھ (سنسکرت ہست) ہاتھی (سنسکرت ہستی) تھے۔ اس صوتی میلان کا نتیجہ ہے کہ بھنڈارکر 'تھے' [illegible] کا مولود بتاتے ہیں۔ 'تھیں' پراکرات ہے اور 'تنتے' (ددہ) کی ظرفی حالت ہے صوتی لحاظ سے تو اس میں کوئی قباحت نہیں لیکن معنی اور مفہوم کے لحاظ سے مجروری 'تھیں' کو ظرفی 'تھیں' سے نکالنا کچھ مناسب نظر نہیں آتا۔ ان مختلف لغات و کلمات کی تاریخی ترتیب اس طور پر ہے۔

(۱) سے۔ سیں۔ سوں۔ تے۔ یہ لغات سب رس میں پہلو بہ پہلو استعمال ہوئے ہیں۔

(۲) ستے۔ تھے۔ تھیں۔

بابو رام سکسینہ نے 'سے' کو 'سہتی' سے 'سوں' کو 'سمہ' یا 'سمن' سے، 'سیتیں' کو 'سنگین' سے اور 'تے' کو 'تیں' سے نکالا تھا۔ ڈاکٹر زور نے سکسینہ کی رائے سے اتفاق کیا ہے۔(۱)

۶۔ ظرفی

ظرف کے معنی ہیں جگہ اور مقام۔ یہ حالت جگہ بتاتی ہے۔ اس کا سنسکرت نام "ادھی کرن" ہے۔ 'میں' اور 'پر' اردو میں اس کے دو لاحقے ہیں۔ 'میں' کی بابت کہتے ہیں کہ وہ سنسکرت "مدھیے" کی ارتقائی اور کسی قدر مسخ شدہ صورت ہے۔ اس کی درمیانی کڑیاں یہ ہیں۔

(۱) اردو کا ارتقا صفحہ ۲۲۴

مدھیے۔ مجھے۔ ماجھے۔ مائیں۔ میں

بیمز، ہورنلے، بھنڈارکر وغیرہ سب اس پر متفق ہیں کہ شاید یہ صحیح نہیں۔ اس لئے کہ 'مدھیے' کی 'ے' ظرفیت کی نشانی ہے، جو آخر تک باقی رہی اور برابر اس کا احساس دلاتی رہی کہ کلمہ ظرفی حالت میں ہے۔ پھر اس کی کیا ضرورت پیش آئی کہ اس پر हि اور اضافہ کیا جائے۔ اس کے علاوہ پراکرت میں ظرفی علامت हि ہے اور 'ماہے' میں 'ہ' اصل کلمے کی ہے۔ قدیم ہندی میں 'ماہے' کے ساتھ ساتھ 'مہم' بھی ہے (۱) "ماہیں" اگر ماہ کی ظرفی حالت ہے تو 'مہم' کو کیا کہیں گے۔ اس میں 'م' ظرف کی علامت نہیں۔ یہ 'م' کہاں سے آیا اور کیونکر آیا؟ اور پھر اس کی بھی کوئی وجہ نہیں بتائی گئی کہ 'ماہے' کی 'ہ' کس لئے حذف ہوئی۔ اس سلسلے میں یہ بھی پیش نظر رہے تو اچھا ہے کہ دکنی اردو میں 'میں' کے ساتھ 'منے' بھی مستعمل تھا۔ وجہی کا شعر ہے۔ (۲)

صراحی پیالے لے ہاتاں منے　　ندیماں تے مشغول ہاتاں منے

'منے' کیسے بنا؟ اگر یہ 'مدھیے' کی بدلی ہوئی صورت ہے تو 'ن' اس میں کہاں سے؟ یہ سوالات کافی اہم ہیں اور جب تک ان کا کوئی تشفی بخش جواب نہ ہو "میں" کا مذکورہ بالا اشتقاق صحیح اور قابلِ اعتماد قرار نہیں دیا جا سکتا۔ شیام سندر داس نے بھی اس اشتقاق سے اختلاف کیا ہے اور اس کی وجہ وہ بتائی ہیں۔ اول یہ کہ مدھیے سنسکرت میں اور 'مجھے' پراکرت میں کلمے کی اضافی حالت پر جوڑے جاتے ہیں۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ آزاد اور مستقل کلمے ہیں۔ ان میں یہ صلاحیت

---

(۱) بھنڈارکر ۲۶۱　　(۲) اردو شہ پارے صفحہ ۱۹۲

نہیں کہ یہ اعرابی لاحقے کو معدوم ہو سکیں۔ دوسرے یہ بھی [illegible] میں 'مجھ'
اور 'میں' ساتھ ساتھ استعمال ہوتے ہیں۔ اگر 'میں' 'مجھ' سے نکلی [illegible]
تو 'مجھ' کو متروک ہو جانا چاہیے۔ وہ فرماتے ہیں کہ 'ہم' 'میں' 'ہمیں' وغیرہ کلمات
کی اصل "مدھیہ" ہے لیکن 'میں' پراکرت '[illegible]' اپ بھرنش '[illegible]' یا [illegible] سے
ڈھالا گیا تھا۔ (۱) یہ بھی درست نہیں۔ اگر 'میں' اور 'منے' کی اصل ایک
ہے تو 'میں' کا غنہ اور 'منے' کا نون کس حرف کا قائم مقام ہے۔

دراصل اردو 'میں' اور دکنی 'منے' دونوں سنسکرت "مدھیہ" سے ماخوذ
ہیں۔ اس کے تغیرات یہ ہیں [illegible] [illegible] اس میں [illegible]
سے تبادلہ [illegible] جو پراکرت عہد سے چلا آرہا ہے (۲)۔ مثلاً تبدیلیاں [illegible]
ہوئیں۔ مدھیہ۔ مجھن۔ مجھین۔ میں۔ منے۔ اس میں دو میموں کو ایک 'ن' سے
بدل دیا گیا۔ جیسے 'کام' 'ن' سے بدل کر ست ہو گیا تھا۔ پروفیسر [illegible]
رائے بھی یہی ہے (۳)۔ کیلاگ نے یہ دیکھ کر 'میں' اور وہ تمام لغات جن میں
'ن' ہے 'مدھیہ' سے ماخوذ نہیں ہو سکتے۔ یہ اپج کی کہ ان کو مدھیہ کا مفعولی
حالت "مدھیم" سے نکالا۔ (۴) اس میں کتنا تکلف ہے [illegible]
جگہ روزمرہ میں 'منی' اور 'نی' ظرفی علامات ہیں۔ ڈاکٹر چٹرجی [illegible]
کہ اس کا جوڑ کہاں سے لگائیں۔ انہوں نے تین حل پیش کئے اور تینوں [illegible]
متکلف ہے۔ اول یہ کہ 'مہی' کا 'ہی' 'نی' سے بدل گیا۔ دوسرے 'نی' [illegible]
اصل کلمے کا ہے "گھرنی" گھر ہی سے "گھرنی" بنا اور "پیچھرنی" آزاد [illegible] کے [illegible]

---

(۱) ہندی بھاشا اور ساہتیہ صفحہ ۱۳۷ (۲) مجلہ [illegible] صفحہ ۵۰
(۳) بحوالہ کیلاگ طبع دوم حاشیہ صفحہ ۱۳۲ (۴) ایضاً صفحہ [illegible]

جگہ استعمال ہونے لگا۔ تیسرا اصل سب سے زیادہ انوکھا ہے۔ وہ یہ کہ اسم معاون "بجگتی" سے تراش کر 'تی' الگ کرلیا گیا۔ (۱)

"پر" سنسکرت उपरि سے منحوت ہے۔ "اوپر" اردو میں بھی ہے۔ جیسے کوٹھے کے اوپر۔ اوپر کی بات۔ اوپر ہی اوپر۔ 'پر' اس کا مخفف ہے۔ (۲) تھینڈلر 'پہ' یا 'پے' کی اصل سنسکرت پارشو۔ پاس۔ پاہ۔ پہ بتلاتے ہیں۔ (۳) ہورنلے 'پر' کا جوڑ سنسکرت 'پرے' (دوسری طرف) اور اپ بھرنش "پرہ" سے لگاتے ہیں۔ (۴) یہ صحیح نہیں۔ "پرے" اردو میں ہے لیکن 'پر' یا 'اوپر' کی بجائے دوسری طرف یا دور کے مفہوم میں جیسے 'پرے ہٹو' یا 'پرے رہو' اس کی اصل سنسکرت 'پرسے' اور پراکرت "پر" ہے۔

"پہ" اور پر سے اردو میں جدا جدا دو لفظ ہیں جن کے ماخذ بھی جدا جدا ہیں۔

د۔ صلات

"اعرابی لاحقے"

میں فرق ہے۔ اعرابی لاحقہ کلمے کے ساتھ بلاواسطہ جوڑا جاتا ہے اور صلہ کسی خاص اعرابی حالت کے بعد آتا ہے۔ کام دونوں کا ایک ہے۔ دونوں کلمے کی حالت بتاتے ہیں اور کلمے سے نئے نئے معنی پیدا کرتے ہیں۔ "کوٹھے پر" اور 'مومن میں" ان مثالوں میں 'پر' اور 'میں' لاحقے ہیں۔ یہ ہرچند کلمے سے

---

(۱) بنگالی کا آغاز و ارتقا صفحہ ۷۶۳ (۲) ہندی بھاشا ہری اودھ صفحہ ۵۰۸ و کیلاگ صفحہ ۲۳۲ (۳) چیٹرجی ۲۲ (۴) گوڑین گرامر ہورنلے پاہ ۳۶۸۔

الگ ہیں۔ مگر پہلے پر کسی دوسری علامت کی وساطت کے بغیر اضافہ کیے گئے ہیں۔ اور اس سے متصل ہیں۔ اس کے مقابلے میں "کوٹھے کے اوپر" اور "مکان کے اندر" ان میں "اوپر" اور "اندر" ملے ہیں۔ یہ "کوٹھے" اور "مکان" کی اضافی حالت میں جوڑے گئے ہیں۔ ویسے تو کبھی لاحقے کسی زمانے میں مستقل کلمے تھے مگر روز و شب کی گردش سے گھس گھسا کر جزوِ کلمہ بن گئے اور اب وہ کلمے کے ساتھ مل کر استعمال ہوتے ہیں۔ اعرابی علامات کی ارتقائی تاریخ پر ایک نظر ڈالنے سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ یہ پہلے مستقل کلمے ہیں جو کہیں معنی کے لحاظ سے یہ اور کہیں اپنی مخصوص اعرابی حالت کی وجہ سے جدا جدا معنی ادا کرتے ہیں۔ ان میں سے چند جو کثیر الاستعمال ہیں۔ ذیل میں دیے جا رہے ہیں۔

(۱) لگ۔ تلک۔ تک۔ تئیں۔ معنی اور اصلیت کے اعتبار سے ایک ہیں۔ یہ فعل کی انتہا بتاتے ہیں۔ بعض نحویوں نے "تک" کو "سے" کی طرح مجرور کی علامت شمار کیا ہے۔ ان میں اصل اور بنیادی صورت "لگ" ہے جو سنسکرت "لگن" سے ماخوذ ہے۔ "لگن" مادہ "لگ" (چپٹنا) سے اسم مفعول ہے۔ جب "لگن" اب لگا ہوا۔ اب چمٹا ہوا۔ یعنی "ساتھ"۔ پراکرت میں "ن" کے "گ" میں مدغم ہو جانے سے "لگ" (تشدید) بنا۔ اردو میں ایک "گ" [illegible] سے چلا تو "لاگ" ہوا جو سب بولتے ہیں۔ الف کی تخفیف سے "لگ" [illegible] آیا۔ تب "لگ"۔ تو "لگ"، "تلگ"، "تلک"، "تک"، "تو" اور "لگ" سے مرکب ہے جو [illegible] (جب تک) اور "تو لگن" (تب تک) قدیم اردو میں مستعمل تھے۔ جو "لگن" [illegible] اس میں باقی ہے تو لگن ہنا اللہ کہنے کی مشتاق ہے۔ (۲) تک "تلک" کا مخفف ہے۔ درمیان سے "ل" اگرا اور "گ"، "ک" بدل گیا۔ بعض اور [illegible] اصل سنسکرت "دگھن" بتاتے ہیں۔ "زانو تک" اصل میں "بانو دگھن" تھا۔

دھون میں قلب بعض ہوا یعنی 'دگھن' کا 'ن'، 'گ' سے پہلے رکھا گیا۔ تو "ڈنگھ" ہوا۔ پھر تینوں حرف بدل گئے۔ 'ڈ' 'ت' سے 'ن' 'ل' سے اور "گھ" 'ک' سے۔ اس طرح تلک بنا۔ یہ پُر تکلف اور دُور از قیاس اشتقاق پروفیسر ٹرنر پیس کے زرخیز دماغ کی پیداوار ہے۔ ہورنلے 'تین' اور 'تے' کی جڑ 'تک' اور تلک کو بھی سنسکرت 'ترتے' اور پراکرت 'تئے' سے نکالتے ہیں۔ پھر مفعولی لاحقہ 'ک' اور پہ سے اضافہ ہوا۔ 'ترتے'، 'تلتے'، 'تلے'، 'تلے' 'تک' گویا تلک، اتک، اتنک کا مخفف ہے۔ یا 'تئے' اور 'تک' کا مرکب (۲) اس کی تفصیل ہورنلے نے نہیں دی۔

یوں، پالی دیہاتی زبان کے الفاظ ہیں جو سنسکرت "لاگم" (آپ بھرنش) اوم سے نکلے ہیں۔ لاوم۔ لوں۔ لوں۔ لوں۔ گور۔

(۱) آگے یہ ظرفی صلہ ہے اور اسم کی اضافی حالت کے ساتھ استعمال ہوتا ہے جیسے جامد کے آگے سنسکرت "اگر" اور علامت ظرفیت "ے" سے مرکب ہے۔ اگرے۔ اگے۔ آگے۔ یہ اس کے مختلف مراحل حیات ہیں۔

(۲) سامنے۔ سنسکرت "سم کھ" کی ظرفی حالت ہے۔ یہ اسم کی اضافی حالت پر جوڑا جاتا ہے۔ سم کھے۔ سنکھے۔ سامہنے۔ سامنے 'س' کے ساتھ آمنے کبھی بولا جاتا ہے۔ جیسے آمنے سامنے۔ آمنے قدیم ہندی۔ امنے بھی ہے۔ 'س' اول 'د' سے بدلا۔ اس کے بعد الف

۱۔ سب رس صفحہ ۱۸۶

۲۔ حکایات الہند صفحہ ۱۰۹

سے یا منے سامنے۔ آمنے سامنے۔ اس پر فارسی "ہم" کا اثر بھی ہے جو سنسکرت "سم" کا ایک روپ ہے۔

(۴) پیچھے۔ سنسکرت میں "پشچات" تھا۔ وید میں "پشچا" استعمال ہوا ہے۔ (۱) پراکرت پچھا۔ اُردو پاچھا۔ "ے" ظرف کی علامت ہے۔ چٹرجی کہتے ہیں کہ "پیچھے" کی "ی" اسی نوع کے دوسرے کلمات پر قیاس کر کے لائی گئی ہے۔ جیسے۔ نیچے۔ بیٹھے وغیرہ۔ (۲)

(۵) نیچے سنسکرت میں بھی "نیچیتہ" رہی ہے۔ یہ صلہ ظرفی ہے اور اسم کی اضافی حالت کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ (۳)

(۶) پاس ظرفی کلمہ ہے اور قرب جتاتا ہے۔ یہ اصل میں "پاسے" تھا۔ جس طرح بنگلہ اور پنجابی میں ہے۔ اس کی اصل سنسکرت "پارشوے" ہے۔ چٹرجی پاس کو پاسِ (س کے زیر کے ساتھ) سمجھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس کا کسرہ سنسکرت کا قدیم ظرفی اعراب ہے۔

(۷) کنے بھی قرب بتاتا ہے اور پاس کا ہم معنیٰ ہے۔ قدیم اُردو میں مستعمل تھا۔ ولی اور حاتم کے زمانے تک اس کا استعمال رہا۔ پاس کی طرح آخر سے "ے" یا کسرہ حذف کر کے "کن" بھی کہتے تھے۔ ولی اگر تونا

اگر تو نا اچھے مجھ کن تو یہ گھر بار کرنا کیا

اس کی اصل سنسکرت کرنٹرے بتائی جاتی ہے۔ کرنٹ۔ کنارہ "ے" علامت ظرف یا کرنٹر کا "ن" اور "ے" ظرفی۔ اپ بھرنش میں اس کا روپ

---

(۱) ساہتیہ صفحہ ۱۰ (۲) بنگالی صفحہ ۲۷۱

(۳) ساہتیہ ۱۰

"کنے" یا "کن" "ہم" تھا۔ (۱)

(۸) ساتھ یہ معیت کے لئے "نے" اور اسم کی اضافی حالت کے ساتھ آتا ہے۔ اس کی اصل سنسکرت "سارتھ" ہے۔

(۹) "مارے۔ لئے" اور غرض سے کے معنی میں ہے۔ یہ سنسکرت "مارتین" سے ماخوذ ہے۔

(۱۰) "بیچ" ادبی اردو میں مستعمل نہیں ہے۔ بول چال میں "اندر" کی جگہ بولا جاتا ہے۔ اس کا پنجابی رُوپ "وِچ" ہے۔ یہ اُردو "میں" کے قائم مقام ہے۔ ہندی والے "بیچ اور میں" ملا کر اس "بیچ میں" بمعنی اس اثنا میں بولتے ہیں۔ ہورنلے نے سنسکرت "ورتیہ" کو اس کی اصل قرار دیا ہے (۲)

(۱۱) باہر اور بھیتر۔ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اردو مثل ہے "اوچھے کا بھیتر باہر باندھوں یا بھیتر؟ باہر سنسکرت کا بہہ ہے اور بھیتر ~~[illegible]~~ باہر کی "ر" یا تو بھیتر پر قیاس کر کے لائی گئی یا اصل کلمے کی ہے۔ ثانی صورت میں باہر سنہ ایرانی اپی را (اپی + ار) فارسی بیرون سے ماخوذ ہوگا۔ (اس کے تغیرات یہ ہیں۔ اپی را۔ ابھی را۔ بہی را۔ باہر

اس کی ظرفی حالت "باہرے" یا باہری ہے۔ یہ لفظ بول چال میں بارے ہوگیا۔

(۱۲) کر۔ ذریعہ سے۔ وجہ سے کے معنی میں بولا جاتا تھا۔ "گھر ہمارا

---

(۱) ہورنلے صفحہ ۲۲۵ (۲) ایضاً صفحہ ۲۲۳

(۳) فارسی گرامر پلیٹس صفحہ ۱۱۴

خانزاللہ کر مشہور تھا۔ جس نے اپنے تئیں سوداگر بچہ کر مشہور کیا تھا۔" مجھے کلوکر پکارا کرتے ہیں۔ پلیٹس اسے سنسکرت कृते (کے لئے) سے ماخود بتاتے ہیں۔ میں سنسکرت कृत्वा (کرکے) اس کی اصل سمجھتا ہوں۔

قدیم اردو میں اس کا استعمال تھا۔ میرامن کے عہد تک یہ دیکھا گیا ہے۔ سب رس میں ہے " دانا ہمنا (ہم کو) رہنما کر جانے کا۔" مولوی عبدالحق صاحب نے اس کو الحاقی کلمہ قرار دیا ہے۔ (١) آج "کر" کی بجائے "کرکے" بولتے ہیں جیسے اس کا نام یوں تو کالے خاں تھا۔ لیکن وہ کلوکر کے مشہور تھا۔ یعنی لوگ اسے کلوکر کر پکارتے تھے۔

---

(١) مقدمہ سب رس صفحہ ٥٠

باب چہارم

"اسماءِ مطلقہ"

اسمارِ مطلقہ بالفاظِ عام وہ اسمار ہیں جن کے معانی متعین نہیں اور جو ہر نوع کے اسمار کے لئے استعمال ہو سکتے ہیں۔ سنسکرت میں اس قسم کے اسمار کو "سرونام" ہرنام اور عربی میں "مبہمات" کہتے ہیں۔ ان کی حسب ذیل سات قسمیں ہیں۔

ضمیر۔ اسم۔ اشارہ۔ اسم موصول۔ کنایات۔ ظروف۔ حروف۔ استفہام اسمار۔ اعداد۔

ا۔ ضمیریں

ضمیر کی تین قسمیں ہیں متکلم۔ حاضر۔ غائب۔ تذکیر و تانیث کا فرق ضمیروں میں پراکرت عہد تک تھا۔ راجپوتانے کی کچھ بولیوں کو چھوڑ کر اُردو میں اب یہ فرق مٹ چکا ہے۔ واحد اور جمع کے لئے جدا جدا ضمیریں ہیں۔ ضمیروں کے اعرابی لاحقے اور صلے (اضافی یا۔ ری۔ رے کے علاوہ) سب وہی ہیں جو اسمار ملفوظ میں تھے۔ ان کا ذکر تفصیل کے ساتھ پچھلے باب میں کیا جا چکا ہے۔ متکلم کی ضمیریں یہ ہیں۔

جمع	واحد	حالت
ہم	میں	(۱) فاعلی
ہم ۔ (ہموں)	مجھ ۔ سے	(۲) مغیرہ
ہمیں	مجھے	(۳) مفعولی

"میں" آلی حالت ہے اس لئے کہ وہ سنسکرت मया (مجھ سے یا مجھ نے) سے بنا ہے۔ پراکرت میں اس کے دو روپ تھے मए (مئے) اور مئی، मइं یہ اپ بھرنش میں मइं تھا۔ غنہ کی وجہ چیٹرجی یہ بتلاتے ہیں کہ یہ میا کو فاعلی حالت سمجھ کر اس میں سنسکرت علامت آلہ ـِ ین" اضافہ کردی گئی گویا اپ بھرنش मइं سنسکرت کے ایک فرضی روپ [illegible] سے تراشا گیا ہے۔ ہورنلے मइं کو [illegible] کا مخفف سمجھتے ہیں جو मइ اور [illegible] سے مرکب ہے मइ (ضمیر متکلم) پر اپ بھرنش لاحقہ اضافت (جمع کے لئے) [illegible] جوڑ دیا گیا۔ (۱) یہ دونوں خیال تکلف سے خالی نہیں۔ زیادہ بہتر یہ ہے کہ 'میں' کو سنسکرت [illegible] اور پالی मया سے نکالا جائے۔ य ہماری زبان میں ئ کے قائم مقام ہے جیسے [illegible] سے [illegible] اور [illegible] سے [illegible]۔ اسی طرح [illegible] سے [illegible]۔ اس پر ایک اعتراض ہو سکتا ہے۔ وہ یہ کہ "وئیم" جمع ہے اور میں واحد۔ جمع سے صیغہ واحد کیسے وضع کر لیا گیا؟ یہ اعتراض کچھ وزن نہیں رکھتا۔ سنسکرت الفاظ نے جہاں موجودہ بول چال کی زبانوں میں آتے آتے اپنا چولا بدل دیا ہے۔ وہاں ان کے معنی بھی بدل گئے ہیں۔ اس کی

---

(۱) مشرقی گرامر صفحہ ۲۶۵

مثال "بنگلہ" آمی ہے جو اصل کے اعتبار سے جمع کا صیغہ ہے لیکن بنگالی میں مفرد کے لئے استعمال ہو رہا ہے۔ اس اشتقاق کی تائید ریوائی بولی کے [illegible] (مس) سے ہوتی ہے۔ اسے سنسکرت 'میا' سے اور پراکرت 'مئی' یا 'میئیں' سے نکالنا ممکن نہیں۔

یہ تبدیلی دو طرف سے ہوئی 'میں' جمع ہے مگر مفرد کے لئے استعمال ہو رہا ہے "ہم" مفرد ہے اور جمع کے معنی دے رہا ہے۔ بھوجپوری میں "ہم" آج بھی مفرد ہے۔ بھوجپوری یا اردو دونوں میں کسی ایک جگہ اس نے اپنے معنی بدل دیئے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ "ہم" اصلاً مفرد ہے۔ اور سنسکرت "اہم" سے ڈھالا گیا ہے۔ شروع سے [illegible] کا گر جانا معمولی بات ہے۔ ہرا اودھ نے کسی عالم کا قول نقل کیا ہے کہ "اہم" سے "ہم" اس طرح وجود میں آیا۔ جیسے "اہے" "ہے" دونوں جگہ شروع سے الف گرا ہے۔ (۱)

شیام سندر کا بیان ہے کہ مارکنڈے نے اپنی مشہور کتاب پراکرت "سروسو" میں "اسمہ" (ہیں) کی جگہ "ہم" ایک لغت دیا ہے اور اسے مفرد بتایا ہے۔ "یہی ہم" ہماری زبان کا "ہم" ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ مفرد کا جمع کے لئے استعمال ایک طرح کی ناہمواری ہے مگر آپ بھرنش میں یہ کوئی انوکھی بات نہ تھی۔ (۲) بھنڈارکر، چٹرجی، دھیریندر ورما، جان بیمز وغیرہ علمار نے ہم کو پراکرت [illegible] یا [illegible] [illegible] سے مشتق مانا تھا۔ پہلی فاعلی حالت میں ہے۔ دوسرا آلی حالت میں۔ پہلے کا ماخذ ایک قدیم ہند ایرانی لغت "اسمے" ہے جو ویدک زمانے کی یادگار ہے۔ دوسرا سنسکرت [illegible] ڈھالا گیا ہے۔ اسکار بھی۔

ابھے بھی، ابھے ہی۔ ابھے سے ہی۔ یہ اس کے مختلف روپ ہیں۔ شروع سے "ا" گرا اور "ابھے" میں قلب ہوا تو "ہبھے" اور اس سے "ہم" وجود میں آیا۔ (۳)

میں سمجھتا ہوں۔ اردو مفعولی ضمیر "ہمیں" کی اصل سنسکرت 'آسمے' یا پراکرت ابھے ہے۔ "ہمیں" کا غنہ अम् علامت مفعول کا بقیہ ہے۔ پراکرت میں فاعلی اور مفعولی دونوں حالتوں میں "ابھے" استعمال ہوتا تھا اور اپ بھرنش میں اَمہے ہو۔ (۲) ماگدھی میں اس کا روپ "اشمے" تھا۔ یا تو پراکرت میں غنہ تھا جو کثرت استعمال سے غائب ہو گیا۔ یا 'ن' بعد کا ارتقا ہے۔ بہر حال جو صورت بھی ہو تقاضائے قیاس یہ ہے کہ مفعولی حالت میں 'ن' یا 'م' ہو۔ اردو ہم فاعل کے لئے اور ہمیں مفعول کے لئے عین قیاس کے مطابق ہے۔

اردو غیر فاعلی حالت "مے" کا استعمال صرف اضافی حالت میں ہوا ہے۔ جیسے میرا۔ میری۔ میرے۔ بقیہ حالات میں مجھ آتا ہے۔ جیسے۔ مجھ کو۔ مجھ میں۔ مجھ سے وغیرہ 'مے' براہ راست سنسکرت मे سے ماخوذ ہے جو اضافی حالت میں ہے۔ اردو میں اس کی یہ حالت فراموش کر کے نئے سرے سے اس پر علامت' اضافت "را" اضافہ کر دی گئی۔ اودھی کا "مو" 'مے' سے مختلف ہے۔ وہ سنسکرت "مم" کا مولود ہے۔ سکسینہ نے "میرا" کا ماخذ "مم کیرا" بتایا ہے۔ (۳) سے۔ یہ صحیح نہیں۔ "مجھ" سنسکرت میں "میرا" تھا جو پراکرت میں "مجھ" اور تجھ کی تقلید میں سے اس پر بعد میں 'ہ' بڑھا دیا گیا۔ اس طرح "تجھ" بنا۔ مجھ قدیم اردو میں

---

(۱) ہیمز صفحہ ۳۰۳ (۲) ایضاً جلد ۲ صفحہ ۲۰۸ (۳) اودھی کا ارتقا صفحہ ۱۹۳

اضافی حالت میں مستعمل تھا اور اس کا 'منجہ' تلفظ کیا جاتا تھا۔ احمد دکنی کا شعر ہے۔

کدھیں سیج سک سنگ ملسی نہ منجہ
کدھیں من کمل پھول کھلسی نہ منجہ

'مجھے' کی 'ے' مفعول (ثانوی) علامت ہے جو غالبًا بعد میں اضافہ ہوئی۔ اودھی کا 'مو' بھی اردو میں ہے۔ جیسے "موکوں نہ توکوں چھوڑے ہیں جھونکوں"۔ یہ میں کی غیر فاعلی حالت ہے۔ برج میں 'مو' 'مجھ' کے قائم مقام ہے۔ برج اور اودھی "ہوں" (میں) کی اصل اپ بھرنش ہئوں تھی ہے جو سنسکرت "اہم" اور شورسینی پراکرت سے ماخوذ ہے۔ حاضر کی ضمیر 'تیا' اور اُن کی مختلف شکلیں یہ ہیں۔

جمع	واحد	حالت
تم	تو	فاعلی
تم (تمہوں)	تجھ نے	مغیرہ
تمہیں۔ تمہیں	تجھے	مفعولی

'تو' کی اصل سنسکرت "توم" ہے آخر سے غنہ گر گیا ہے۔ مارواڑی اور قدیم اودھی میں اس کا روپ "توں" تھا۔ 'ں' غنہ 'م' کی یادگار ہے۔ پراکرت میں اس کی کئی شکلیں ہیں۔ شورسینی میں 'تمن' معیاری مرہٹی میں 'تق' اردھ ماگدھی میں 'تمے'، 'تگی' مین 'تہن'۔ اپ بھرنش میں 'تہو ں' (۱)، یہ سب فاعلی حالتیں ہیں۔ اور سنسکرت "توم" سے حاصل کی گئی ہیں۔ کیلاگ کا رجحان اس طرف ہے کہ 'تو۔نے' میں جو 'تو' ہے اس کا ماخذ پراکرت

---

(۱) مبادی پراکرت و (صفحہ ۲۴۴) (۲) ہندی گرامر پارہ ۳۵۲

[illegible] کو مانا جائے جو اضافی حالت میں ہے۔ اور سنسکرت [illegible] کا "تاقم" مقام ہے (۲)، اس میں ایک لنت "تیں" ملتی ہے جو شاید مہاراشٹری "تن" کا ایک روپ ہے۔ [illegible] کا تبادلہ [illegible] سے اردو میں عام ہے۔ 'بنگین' کی اصل سنسکرت 'ونگن' تھا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ 'میں' پر قیاس کر کے 'تو' کو 'تیں' کر لیا گیا ہو۔ دھیریندر وغیرہ علماء نے 'میں' کی طرح 'تیں' کو اُس حالت [illegible] پراکرت [illegible] اور اپ بھرنش [illegible] سے نکالا ہے۔

"تم" غالباً "تمھ" تھا اس لئے کہ اس کی اصل [illegible] (تشم) ہے جو 'ت' ضمیر واحد حاضر اور [illegible] الحاقی سے مرکب ہے۔ 'ہم' متکلم میں بھی تھا۔ وہاں 'مھ' ہو گیا تھا یہاں 'تمھ' ہوا۔ پراکرت میں اس کا روپ 'تمھے' ہے۔ 'تم' میرے خیال میں 'تمھے' سے زیادہ قدیم ہے۔ یہ ہند ایرانی کے کسی ایسے روپ سے لیا گیا ہے جو قدیم فارسی 'توم' سے ملتا جلتا تھا سنسکرت 'توم' اور قدیم فارسی 'توم' ایک اصل کی دو شاخیں ہیں۔ ژندی 'توم' بھی اسی اصل سے پھوٹا ہے۔ اردو 'تم' بھی اسی کی ایک شاخ ہے۔ اس لحاظ سے وہ مفرد ہے لیکن جمع کے معنی دے رہا ہے۔

"تے"، 'مے' کی طرح اضافی ہے۔ تیرا، تیری، تیرے اور سنسکرت [illegible] کا جانشین ہے۔ 'تجھ' سنسکرت "تبھیم" سے ماخوذ ہے جو ضمیر واحد حاضر کی مفعولی ثانوی حالت ہے۔ پراکرت میں بھی یہ تجھ ہی تھا۔ مثلاً تجھ (تیرا) تجھتو (تجھ سے) 'تہ' اور 'تبھ' پراکرت میں دو روپ اور بھی تھے۔ ہورنلے نے 'مجھ' اور 'تجھ' کو اضافی بتایا ہے۔ اور سنسکرت [illegible] اور [illegible] سے ان کا رشتہ لگایا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ سنسکرت [illegible] اور [illegible] کی جگہ پراکرت [illegible] اور [illegible] [illegible] پر اضافہ کئے گئے تو 'مجھ' اور 'تجھ' بنے۔ اس طور پر [illegible] = [illegible] = مجھ۔ [illegible] = [illegible] = تجھ۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھ اور تجھ

کو "مددرش" اور "تو اورش" سے بھی اخذ کیا جا سکتا ہے۔ 'مددرہ' سے 'مجھ' اور 'تددرہ' سے 'تجھ' مشہور ماہر لسانیات لاسن نے مجھ اور تجھ کو سنسکرت کی فرضی اضافی ضمیر 'مسیہ' اور 'توسیہ' سے مشتق بتایا تھا۔ ہورنلے کو اس پر اعتراض ہے کہ صوتی طور پر 'سی' کی 'جھ' سے تبدیلی کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ (۱)

اردو میں 'تجھ' مفرد کے لئے اور "تمھ" جمع کے لئے۔ 'تجھ' کی مفعولی حالت 'تجھے' ہے اور تمھ کی تمھیں۔ مجھے کی 'ے' بعد میں بطور علامت مفعول اضافہ ہوئی۔ تمھیں کا 'ن' جمعیت کے لئے ہے۔ اپ بھرنش عہد میں مفرد اور جمع کا فرق 'ن' کے ذریعہ کیا جاتا تھا ہے علامت اضافت) مفرد کے لئے تھا اور ہے جمع کے لئے۔ پلیٹس 'ہم' اور تم کو 'ہموں' اور تمہوں سے مختصر مانتے ہیں۔ اور ان کی اصل پراکرت "اہمانم" اور "تمہانم" بتاتے ہیں یہ دونوں صیغے جمع کے ہیں۔ اور اضافی حالت میں ہیں۔ "ہموں" اور "تمہوں" قدیم اردو میں غیر فاعلی حالت میں مستعمل تھے۔ ہمیں اور تمہیں کو بھی وہ "اہمانم" اور "تمہانم" سے نکالتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ یہ اگرچہ مفعولی (ثانوی) حالت میں ہیں۔ لیکن پراکرت عہد میں مفعولی (ثانوی) اور اضافی حالت میں کوئی امتیاز نہ تھا۔ اس لئے اس اشتقاق میں ان کے نزدیک کوئی قباحت نہیں ہے۔ (۲)

یہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ اپ بھرنش میں مفعولی حالت میں [redacted] (ہمیں) بولا جاتا تھا۔ 'تم' سے [redacted] بھی مستعمل تھا۔ کیلاگ ان دونوں کی اصل [redacted] اور [redacted] بتاتے ہیں اور ہے کو مستقل لاحقہ قرار دیکر سنسکرت "سمن" (مفرد) یا "بھیم" (جمع) سے نکالتے ہیں۔ یہ لاحقہ

---

(۱) تقابلی گرامر صفحہ ۲۸۲ (۲) اردو گرامر صفحہ ۱۱۵

جو اصل کے اعتبار سے ظرف ہے۔ پراکرت، قدیم ہندی میں مفعول کے لئے استعمال ہوتا رہا ہے (۲) سنبھ یہ صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ کہ یہ کلمہ 'تمہیں' کی 'وہ' اصل کلمے کی ہے اور 'سنسکرت' 'تشمے' کے 'دشس' کا بدل ہے۔ پراکرت میں اس کا روپ 'تمتے' تھا۔ ... اور 'تمہے' کو واحد سمجھتے ہوں۔ اول الذکر ... ساکن الاخر 'تمھ' پر اضافہ کیا گیا اور ثانی صورت میں ... آخر 'تمھو' پر۔ اس لئے کیے کلمے کے ساتھ ادغام ہو کر ... ہوگیا۔ ... 'تمہیں' کسی ... کی پیدا وار ہے۔

'غائب' کی ضمیر ... کہا جاتا ہے کہ وہ اصل میں اشارہ ہیں ... ہیں۔

حالت	واحد	جمع
فاعلی	وہ	(وے) وہ
مغیرہ	اُس	اُن۔ اُنہوں
مفعول	اُسے	اُنہیں

'وہ' کی تاریخ ذرا الجھی ہوئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ قدیم ہند آریائی یا ہند ایرانی میں اسم اشارہ بعید اور ضمیر غائب کے لئے الگ الگ صیغے تھے۔ اشارے کے لئے ... اور ضمیر کے لئے 'دشس' 'س' اور 'بت'۔ یہ صیغے کچھ عرصے تک ایک دوسرے سے ممتاز رہے اور جدا جدا اپنے معنی دیتے رہے اس کے بعد یہ خلط ملط ہوئے اور گھل مل کر ایک ہوگئے۔ ضمیر اور اشارہ کے درمیان اشتباہ ان کے

---

(۱) ہندی گرامر صفحہ ۲۱۲

گھل مل جانے کی وجہ سے ہوا۔ ترکیب کے بعد اُن کی جداگانہ حیثیت بالکل ختم ہو چکی تھی۔ وہ الگ الگ بھی استعمال ہوتے رہے اور ترکیب پاکر بھی لیکن معنی اور مفہوم کے اعتبار سے اُن میں جو فرق تھا وہ ہند و ایران کی ادبی اور بول چال کی زبان میں نہ رہا۔ "پہلوی" میں "او" اور "اوش" کے ساتھ "اوش" بھی استعمال ہوتا تھا اور سنسکرت میں: [illegible] (وہ) اور [illegible] کے پہلو بہ پہلو: [illegible] اور [illegible] بھی بولے جاتے تھے۔ "وہ" اسی عہد تخریب و تعمیر کی یادگار ہے۔ اس میں دونوں کلموں کے عناصر موجود ہیں۔ "او" تو "او" یا "اُو" کا قائم مقام ہے اور "وہ" "سہ" یا "ش" کی۔ اس کے درمیانی حلقے یہ ہیں۔

اوش۔ اوس۔ اوہ۔ وہ یا آہ۔ "اہ" مشرقی زبانوں میں ہے ڈاکٹر چیٹرجی نے "وہ" کو سنسکرت کے فرضی روپ [illegible] سے نکالا ہے (۱) جس کا جوڑ ایرانی "اَوْ" سے لگایا ہے۔ ہری اودھ سنسکرت [illegible] و پراکرت [illegible] اور اب بھرنش [illegible] سے نکالتے ہیں (۲) سکسینہ نے چیٹرجی کے اشتقاق سے اختلاف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اسم اشارہ قریب "یہ" یا "یے" کی مثال پر "وے" یا "وہ" (آ) بعید کے لئے وضع کر لیا گیا۔ (۳) یہ قریب قریب وہی ہے جو ہم نے عرض کیا۔ کیلاگ یہ دیکھ کر کہ موجودہ سنسکرت اور پراکرت کے ذخیرے میں کوئی کلمہ نہیں جس سے "وہ" کا رشتہ جوڑا جا سکے ایک کلمہ "اوشہ" (غالباً "اَسَہ" کی مثال پر) فرض کرتے ہیں اور اسے "وہ" کا ماخذ قرار دیتے ہیں۔ انکا خیال ہے کہ قدیم سنسکرت میں [illegible]

---

(۱) بنگالی صفحہ ۸۳۶ (۲) ہندی بھاشا صفحہ ۸۸ (۳) اودھی کا ارتقا صفحہ ۱۸۰

’ت‘ ایک حرف تھا جو اشارہ بعید کا کام دیتا تھا۔ زمانے نے صفحۂ زبان سے اس کو محو کر دیا۔ یہ حرف سنسکرت ’ت‘ ’اپ‘ ’اپر‘ کے شروع میں آج بھی ہے اور بیانگ دہل اپنی ہستی کا اعلان کر رہا ہے (۱۴) بعض کلموں کے آخر میں بھی اس کے آثار ملتے ہیں۔ جیسے [illegible] اور [illegible]۔ یہ کلمے [illegible] (وہ مذکر) [illegible] (مؤنث) اور [illegible] (جیسے، جتنا) پر [illegible] لگا کر بنائے گئے ہیں۔

اردو میں ضمیر غائب کی اصل ’و‘ ہے اس لئے علامت ’جمع‘ ’ے‘ اس پر اضافہ کی گئی اور حسب قاعدہ ”وے“ (صیغہ جمع) بنا لیا گیا۔ خود سنسکرت میں ”سرونام“ (ضمیر) کی جمع ”ے“ لگا کر بنائی گئی تھی۔ یہ قاعدہ ہند یورپی زبانوں میں قدیم سے تھا۔ انگریزی میں HE کی جمع THEY ہے جو لفظی اور معنوی اعتبار سے سنسکرت [illegible] (وے) کے قائم مقام ہے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ سنسکرت [illegible] کا تبادل یہاں [illegible] (TH) سے ہو گیا ہے۔ اردو میں ’وے‘ اب متروک ہے۔ اس کی جگہ ”وہ“ بولنے آیا۔ ”اس“ ”کو“ ’او‘ کی اضافی حالت بنایا جاتا ہے۔ یہ اصل میں ”اسیہ“ تھا۔ پراکرت میں ”اسّ“ ہوا اور پھر ”اس“ لیکن میری بیان کردہ تعلیل کے مطابق اس تکلف کی ضرورت باقی نہیں رہتی ”اس“ ”وہ“ کے درمیانی حلقوں میں سے ایک حلقہ ہے جس میں ’س‘ ضمیر ’سہ‘ کی یادگار ہے ’ان‘ میں ’ن‘ جمع کا ہے جو لاحقہ اضافت ’نام‘ سے لیا گیا ہے۔ پراکرت میں اس کا روپ [illegible] تھا۔ اس کے ارتقائی حلقے یہ ہیں [illegible] [illegible]

---

(۱) ہندی گرامر صفحہ ۲۱۴

उन्हा اُن۔

ان کا ایک روپ "اُنھ" بھی ہے۔ لاحقہ اضافت "آنام" کے تغیرات گریرسن نے یہ لکھے ہیں (۱) अम्हाणं स्महाणं अम्हअं مسٹر ہرنلی کا بیان ہے کہ پراکرت अम्हाणं (ن) موجودہ زبانوں میں ہ ہو گیا (۲) حقیقت میں ... پر ... سے ... نایا گیا تھا۔ اُنھ ... تن بڑھا کر "انھیں" وضع کر لیا گیا۔ "ہمیں" "تمھیں" "انھیں" یہ سب کلمات ایک ہی وضع پر ڈھال لئے گئے ہیں۔ یہ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ ان کلمات کا لاحقہ "ے" نہیں جیسا کہ عام طور سے سمجھا جاتا ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم، تم، (تمھ) ان (اُنھ) جن کے آخر میں یہ لاحقہ جڑا ہوا بتایا جاتا ہے۔ ساکن الآخر ہیں۔ اس لئے ممکن نہیں۔ ए سے ہیں کی شکل اختیار کر سکے۔ گریرسن نے لکھا ہے کہ एहरु تو ہے کی صورت اختیار کر سکتا ہے لیکن एहि میں اس کا امکان نہیں (۳)

ہورنلے (وہ)، "کو" کو अम्हए سے مخوذ مانتے ہیں جو ان کے نزدیک अम्ह اور ए سے مرکب ہے۔ پہلا سنسکرت کنایات अस्म اور अस्मान وغیرہ کے ایک طویل اور کثیف روپ سے نکالا گیا تھا۔ اب بھرنش میں اس کا روپ अम्हए ہے جو لاحقہ ए اپ بھرنش ए یا ए سے مختصر کر لیا گیا۔ "اُنھ" کا لاحقہ "ںھ" جمع کے لئے اور हाम سے بہت کچھ تبدیلیوں کے بعد وجود میں آیا ہے (۴) "اُنھوں نے" اردو میں آج بھی ہے لیکن حرف "نے" کے ساتھ ہوتا ہے۔

---

(۱) جونل بنگال ایشیاٹک سوسائٹی جلد ۵۲ صفحہ ۱۴۱ (۲) بلیٹن اسکول اورنیٹل اسٹڈیز جلد ۵ صفحہ ۳۳۲ (۳) جرنل بنگال سوسائٹی جلد ۵ صفحہ ۱۳۲ (۴) تقابلی گرامر پارہ ۵ ۴۳۶۔

جیسے "انھوں نے کہا تھا"۔ "انھوں سے" بھی بولتے ہیں لیکن یہ فصیح نہیں "ان سے" بلیغ اور فصیح ہے۔ "انہوں" کی مثال پر قدیم اردو میں "ہموں" "تمہوں" بھی بولتے تھے۔ "سبھوں" کا ڈھنگ بھی یہی ہے۔ یہ کلمات لاحقہ جمع کے اضافے سے بنے ہیں۔

۲۔ اسمارِ اشارہ

اشارہ دو طرح کے ہیں۔ قریب اور بعید۔ بعید کے لئے "اردو" میں وہ، اس، ان، وغیرہ کلمات ہیں جن کا ذکر ضمیر غائب کے سلسلے میں کہا جا چکا ہے۔ قریب کے لئے "اردو" میں ذیل کے کلمے ہیں۔

حالت	واحد	جمع
فاعلی	یہ	(یہ)
مغیرہ	اِس	ان ۔ انہوں
مفعول	اِسے	اُنہیں

اشارے کے لئے قدیم ہند یو۔ پی میں تین حرکتیں تھیں۔ ۔ ِ ــــِـ ــُـ ــَـ پہلی دو حرکات کی ترکیب سے چوتھی حرکت "ــــِـ ــے" بعد میں حاصل کر لی گئی۔ ان حرکتوں کو سہارے چاہئیں۔ اس لئے کہ حرکتیں اپنے قیام اور بقا میں حروف کی محتاج ہوتی ہیں۔ یہ سہارے ضمیروں سے لئے گئے اور حرکات اشارہ اور حروف ضمیر کو ترکیب دیکر مستقل اور آزاد اشارے بنا لئے گئے۔ سنسکرت میں ــِـ کے علاوہ باقی حرکات اشارہ بھی ملتی ہیں۔ لیکن ان کو خلط ملط کر دیا گیا ہے۔ ہر علامت کے تحت دوسری

علامت کی شکلیں، ان کے تعبیرات، اور مختلف روپ دید بیئے گئے ہیں۔ یہ علامات تہ کے (ضمیر غائب) سہارے استعمال ہوتی ہیں وہ یہ ہیں [illegible] تہ اور تے (ت کا بدلا ہوا روپ) سے مرکب ہے [illegible] اور [illegible] سے [illegible] اور [illegible] سے ان میں تے کی گردان میں [illegible] اور [illegible] کے صیغے بھی ہیں۔ مثلاً [illegible] : [illegible] - [illegible] [illegible] [illegible] : [illegible] وغیرہ۔

ایرانی میں چار حرکتیں تھیں "یے" یا "و" جس سے "پارند" "آ" یا "آئی" بنے "فارسی" اور "قدیم فارسی" میں "او" ہی تھا "ہی" سنسکرت "سی" کا قائم مقام ہے "ے" قدیم فارسی "ایت" میں ہے جو "ے" اور "ت" سے مرکب ہے اور سنسکرت [illegible] کے مساوی ہے "ایشان" میں بھی "ے" ہے۔ (اے x ش x ان) "ے" اور "ے" اور "ان" میں ہیں "ن" اور "م" ان حروف میں ہیں جو حرکات اشارے کے لیے سہارے کا کام دیتے ہیں۔ سنسکرت سے اس کی مثالیں ڈاکٹر چیٹرجی نے یہ پیش کی ہیں۔ [illegible] [illegible] : [illegible] - [illegible] [illegible] [illegible]:

"اُردو" "یہ" مرکب حرکت اشارہ [illegible] سے ماخوذ ہے اس کی "ہ" "وش" کا بدل ہے سنسکرت میں یہ صیغہ [illegible] تھا۔ اُردو کا عام رجحان ہے کہ کلمات کے شروع میں جو [illegible] اور [illegible] آتے ہیں (جو ترتیب [illegible] [illegible] اور [illegible] اور [illegible] سے مرکب ہیں) ان کا [illegible] گر جاتا ہے اور [illegible] کی جگہ "ی" اور [illegible] کی جگہ "و" رہ جاتا ہے۔ مشرقی زبانوں میں گریرسن کے بقول [illegible] کبھی نہیں گرتا۔ "بہاری" اور مشرقی ہندی میں "وہ" کو "اوہ" اور "یہ" کو "ایہ" کہتے ہیں۔ اس رجحان میں راجستھان، برج، اُردو کے ساتھ ہیں۔ مشرقی زبانوں کے

ساتھ پنجابی ہے غالباً "اردو" کے اثر سے اودھی بھی "یو" اور "وئی" بولتے ہیں باقی صیغے اور ان کے مختلف روپ "وہ" کی اشکال کے مطابق ہیں۔ جن میں ایک قاعدے کے تحت ڈھالا گیا ہے۔

"ان" کی بابت اتنا عرض کر دوں کہ جس طرح "ہم" اور "تم" کا اسم مجموعہ کلمہ ہے اور "لوگ" یا "سب" لگا کر ان کی جمع بنائی جاتی ہے۔ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ ان جن۔ تن وغیرہ غیر فاعلی جموع کا آخری "ن" بھی "م" ہی ہو جو ان کلمات میں "امہہ" و "تمہہ" پر قیاس کو کے بڑھایا گیا ہو۔ فارسی "ام" (ایں) اور سنسکرت "ہے" سے ظاہر ہوتا ہے کہ "م" اور "ن" ایک حرف کے دو روپ ہیں۔ اس صورت میں "آن" اور "ان" "انھوں" اور "انہوں" سے مختصر ہوں گے جس طرح بقول پلیٹس "ہم" اور "تم" "ہموں" اور "تموں" سے مختصر کئے گئے تھے۔

۳۔ اسمار موصولہ

اردو میں اسم موصول صرف ایک حرف "ج" ہے جس کی حسب ذیل مختلف حالتیں ہیں۔

حالت	واحد	جمع
فاعلی	جو	جو (جے)
مغیرہ	جس	جن۔ جنھوں
مفعولی	جسے	جنہیں

"جو" سنسکرت "یہ" کا چربہ ہے۔ یہ سنسکرت میں کہیں کہیں اعد

پراکرت میں عام طور سے [illegible] بولا جاتا تھا۔ "ہ" کا "ج" سے تبادل ایک عام بات ہے۔ "جے" جو کی تبع ہے جو پہلے مستعمل تھی لیکن اب متروک ہے۔ اس کی ضمیر فاعلی حالت "جس" سنسکرت کی اضافی حالت "یسیہ" سے حاصل کی گئی تھی۔ پراکرت میں اس کا روپ "جس" تھا۔ اس کا "س" "اِس" کی طرح غائب کی ضمیر "شش" کا قائم مقام بھی ہو سکتا ہے۔ "ج" کا کسرہ "جو" کی ہم آہنگی اور موزونیت کا شرمندہ احسان ہے۔ "جن" "جنھوں نے" کا مخفف ہے۔ "جنہوں" اصل میں "جنھوں" تھا یہ صیغہ "تمھوں" پر قیاس کر کے بنایا گیا تھا۔ اصلی علامت سنسکرت [illegible] اور پراکرت [illegible] ہے جب کلمے پر یہ علامت اضافہ کی جائے۔ اس کی تین حالتیں ہو سکتی ہیں۔ اس کے آخر میں [illegible] ہو یا [illegible] الف دونوں اور دونوں میں تھے کی اس طرح گردان کی جائے گی۔ تھا، تم، تھانہ، تھاں، یا۔ تھے نام تھے نہ نہیں آخر میں "ش" بھی ہو سکتا ہے۔ یہ ان کلمات میں ہوگا جو اب بجز [illegible] کی راہ سے ہماری زبان میں آئے۔ اس صورت میں یہ صیغہ اس طرح بنے گا۔ ہشام، ہمونام، تمھوں، تم، تمہ، ضمیر، ضمیرہ س و بیشیا نظر رکھ کر تمام اسمائی گردان اسی انداز پر ہو گی۔

اسم موصول کے سلسلہ میں "سا" کے موازن ضمیر "سو" یا "تو" کا ذکر بھی ضروری ہے۔ یہ سنسکرت [illegible] یا [illegible] سے ماخوذ ہے۔ اس کی دو روپ ہیں اور دونوں روپوں میں یہ مستعمل ہے جو "سو" ہے۔ "جو میں وہاں جاؤں تو اس کو پاؤں" "تو" کی غیر فاعلی حالت "تس" ہے۔ میر کا شعر ہے ؎

حیرتی ہے یہ آئینہ کس کا
نشہ تکا ہی کرے ہے جس تس کا

اس کے تمام تغیرات اور ان کی تاریخ بالکل "جو" کی طرح ہے۔ "تو"

تس. تن. تسے. تنہیں. تنہوں وجو ابھی ایک لغت "جوں" بھی ہے جو غالباً "کون" کے وزن پر اور اس کی تقلید میں وضع کیا گیا تھا۔ بھنڈارکر اور بیمز وغیرہ کی رائے ہیں: سنسکرت "یدوں" اور بیمز "جوں" بنا پلیٹس اس کی اصل ... (جو کی مفعولی حالت) بتاتے ہیں۔ اودھی "جوَن" اور ریواری "جونم" اردو "جون" اور پراکرت "جوان" کے درمیانی حلقے ہیں۔ راجستھانی جکو یا جکوُ، پراکرت الحاقی "جکّہ" کی پیداوار اور اس کی یادگار ہے۔

ٹیلر نے "جون" وغیرہ کو "جوجن" سے مشتق مانا تھا۔ بیمز نے اس پر اعتراض کیا کہ جون کا قدیم روپ "جوَن" یا "جوَن" "جوجن" کی پیداوار نہیں ہو سکتا۔

۴۔ حروفِ استفہام

اُردو میں حروفِ استفہام یہ ہیں۔ کون۔ کیا۔ کیوں۔ کے۔ ان میں اصل حرف "ک" ہے جو سب میں مشترک ہے اور تمام کلموں کی بنیاد ہے "کون" منصرف ہے باقی کلمات غیر منصرف ہیں۔ "کون" گردانا جاتا ہے اور یہ گردانے نہیں جاتے۔ "کون" کی گردان یہ ہے۔

جمع	واحد	حالت
کون	کون	فاعلی
کن، کھنوں	کس	غیرہ
کنہیں	کسے	مفعولی

"ک" جو اصلی حرفِ استفہام ہے ہند ایرانی ka سے لیا گیا تھا۔

"کون" سے اشخاص کی بابت سوال کیا جاتا ہے۔ اس کی اصل سنسکرت: [Devanagari] اور پراکرت [Devanagari] ہے جیسا کہ کیلاگ، بیمز اور چیٹرجی وغیرہ علماء نے لکھا ہے ڈبلیو. کرجن" بتاتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ "کون" ک، اور ن، سے مرکب ہے: ک، حرف استفہام ہے۔ علامت اشارہ اور ن (جو ام بھی ہوسکتا ہے) اشارے کا سہارا ہے، اور ان سہارا کی نرح مستقل اور جُدا کا نہ علامت اشارہ بھی ہوسکتا ہے، ہارنلے نے "ن" اور "ان" دونوں کو علامات اشارہ بتائی ہیں۔ (۱)

ضمیر کے آخر میں دیکھا گیا ہے۔ ڈاکٹر چیٹرجی نے [Devanagari] اور [Devanagari] مثالیں دیکر لکھا ہے کہ یہ [Devanagari] × [Devanagari] اور [Devanagari] × [Devanagari] سے [Devanagari] کے توڑ پر [Devanagari] بن سکتا ہے۔ ہارنلے "کون" کی اصل سنسکرت [Devanagari] (کتنا) اور پراکرت [Devanagari] بتاتے ہیں۔ اب بھرنش میں اس کا روپ [Devanagari] تھا اور [Devanagari] [Devanagari] تو [Devanagari] [Devanagari] بنا۔ "کون" اس کا آخری روپ ہے (۱)

"کیا" اشیاء کے لئے مخصوص ہے یہ غالباً [Devanagari] تھا۔ [Devanagari] اسم اشارہ بعید ہے جو "اوس" [Devanagari] کے شروع میں بھی جدید بولیوں میں جہاں ایک ہی کلمے میں دو حرکتوں کا اجتماع ہوتا ہے [Devanagari] یا [Devanagari] اضافہ کرکے ان کے درمیان فصل کر دیا جاتا ہے۔ "ک" اور "ی" کے مخلوط ہو جانے سے "کیا" بنا۔ کیلاگ کیا کی اصل "کاہ" بتاتے ہیں جو ان کے خیال میں سنسکرت [Devanagari] اور پراکرت [Devanagari] کی پیداوار ہے، وہ فرماتے

---

(۱) فارسی گرامر حاشیہ صفحہ ۱۱۸ (۲) تقابلی گرامر صفحہ ۲۰۱

ہیں، "م" ردوا دکیا، ممکن ہے कीदृश سے لیا گیا ہو۔ اس صورت میں اس کی تبدیلیاں یہ ہوں گی کیشیہ۔ کیش۔ گاہ۔ کا۔ کیا۔

"کیا" किंवा دکیا) سے بھی ماخوذ ہو سکتا ہے۔ "م" خارج ہونے کے بعد، کسرۂ کاف کے زیر اثر ہے قاعدے کے مطابق ہے ہو گیا۔

"کیوں" سے سبب اور علت دریافت کی جاتی ہے۔ اس کی جگہ "کاہے" بولا جاتا تھا جس کی بابت انشاء نے لکھا ہے کہ وہ پورب دیس کا ہے۔ اب یہ متروک ہے "کا ہے" تو "گاہ" کا مزید علیہ ہے لیکن "کیوں" किमर्थ یا किंकृते سے ڈھالا گیا تھا "ک" مفتوح اشخاص کے لیئے ہے اور مکسور اشیاء کے لیئے "کیا" اور "کیوں" دونوں میں "ک" مکسور ہے "کیوں" "ک" اور "یوں" سے بھی مرکب ہو سکتا ہے: "یوں" کی اصل سنسکرت "ایوم" ہے۔ ایوم۔ ایوں۔ ایوں۔ یوں۔

"کے" اور "کتنا"، تعداد اور مقدار کے لیئے ہیں۔ کے آدمی آئے۔ یعنی ان کی تعداد کیا تھی۔ گھی کتنا ہے۔ یعنی کے سیر ہے؟ کتنا منصرف ہے۔ کتنا۔ کتنی۔ کتنے۔ کتنوں۔ "کے" غیر منصرف ہے۔ کے مرد کے عورتیں۔ ان دونوں کی اصل واحد ہے۔ कियत के कइ۔ कति۔ اور कियन्त قلب حرکت کے بعد "کتنا" کیلاگ اور ہورنلے "کتنا" کا ماخذ سنسکرت، कितना اور پراکرت، कित्तन بتاتے ہیں۔ اس کا روپ ان کے نزدیک "کتنا" ہے۔ جو عام بول چال میں آج بھی رائج ہے "ن" بعد میں اضافہ کیا گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ "ن" لاحقۂ تصغیر ہے (۱)

---

(۱) کیلاگ صفحہ ۲۲۰

اس کے اصل معنی بہت زمانہ گزرنے کے بعد فراموش کردیئے گئے۔ پلیٹس (ن) کو ایک "ست" کا بدل بتاتے ہیں (۱)

"کیسا، کہاں، کیدھر وغیرہ کلمات بھی "ک" استفہامیہ کی ترکیب سے بنے ہیں۔ ان میں کیسا حالت کے لئے ہے۔ کہاں اور کدھر ظرف و مقام کے لئے۔

۵۔ کنایات

کنایات کو شرف والی اسمائے تنکیر (Indefinite pronouns) کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ یہ "ک" استفہامی "ج" موصولی اور "ت" علامت اشارہ کی ترکیب سے بنے ہیں۔ جو "ک" کی ترکیب سے بنے ہیں وہ ہیں۔ کوئی۔ کچھ۔ کسی۔

کوئی منصرف ہے۔ اس کے تغیرات اس طور پر ہیں۔

(۱)	فاعلی	کوئی	کوء و
(۲)	غیر فاعلی	کسی	کسو

"کچھ" غیر منصرف ہے۔ "کوئی" اور "کچھ" دونوں کی اصل "ک" ہے کوئی سنسکرت میں کوپی (کو × اپی) تھا۔ پراکرت میں کووی یا کوبی ہوا۔ اردو میں "ب" گر جانے کے بعد "کوئی"۔ "کچھ" کا ماخذ سنسکرت کچ چت (کت چت) ہے لیکن "کچھو" جو برج، اودھی وغیرہ میں بتاتا ہے کہ اس کی اصل غالباً کچت اُت (کت × چت × اُت) ہے۔ "اردو کچھ" کا "ے" کچھو کے آخر سے لیا گیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اردو کچھ کا ماخذ

---

(۱) اردو گرامر صفحہ ۱۲۰ (۲) اودھی کا ارتقا صفحہ ۲۰۵

"کوچت" ہو۔ اور برج "کچھو" کا وہ اپ بھرنش عہد میں دوسرے اسمار مانعہ پر قیاس کر کے اضافہ کیا گیا ہو (۱) برج "کوعو" اور اودھی کے دوا کا بھی یہی ہے۔

ان میں بھی دونوں قسم کے تصرفات ممکن ہیں۔

و ماہیبنہ "کچھ" کی اصل سنسکرت "کش چاد" بتاتے ہیں۔ اشوک کے کتبوں میں اس کا روپ "کچی" بھی ہے اور "کچھی" بھی ہے اور کچھی بھی یہ "چھ" ظاہر ہے "سچ" کا بدل ہے "کچی" کی اصل ہے۔ ت حذف ہونے پر کئی" رہا "کئی" اور "کے" اصل کے اعتبار سے ایک ہیں "کئی" میں مزید تبدیلی اس لئے نہ ہوئی کہ اس میں اور "کے" میں اشتباہ نہ ہو جائے۔

"کہیں" ظرف مکان سے کنایہ ہے۔ سنسکرت میں اس کے ہم معنی لفظ "کو" ہے۔ اردو کہیں اور اپ بھرنش ضمیر اور ظرفی علامت سے بنے ہیں سنسکرت "شمن" سے وضع کیا گیا تھا۔ (۲) ضمیر اشارہ اور موصول کی مدد سے ذیل کے کنائے ڈھالے گئے۔

جیسا۔ تیسا۔ ایسا۔ ویسا۔ جتنا۔ اتنا۔ اتنا وغیرہ۔

ان میں سے ایسا وغیرہ کا آخری جز یعنی "سا" وہیمز ہورنلے وغیرہ کے نزدیک سنسکرت "درش" اور پراکرت "رس" سے ماخوذ ہے لیکن مجھے یہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ اسے سنسکرت "سام" اور فارسی "سال" کا مخفف مانا جائے۔ تنہا "مش" بھی جو "مثل" اور "مانند" کے معنی میں ہے۔ اردو "سا" کا ماخذ ہو سکتا ہے۔

---

(۱) اودھی کا ارتقا صفحہ ۲۰۵ (۲) کیلاگ صفحہ ۲۱۲

"اتنا" وغیرہ کا جزو اخیر کہتے ہیں "سنسکرت" میں "अत्र" یا "यत्र" تھا لیکن اس صورت میں "ن" کو الحاقی ماننا پڑے گا۔ میں سمجھتا ہوں "कियत्" کے "इयत्" سے بآسانی اس کو لیا جا سکتا ہے۔ "فارسی" "چند" اور "پہلوی" "چند" کا جزو آخر "وند" ہے۔ "ژندی" میں اس کا روپ "چونت" تھا: اُردو "اتنا" کا "تنا" "وند" کا مقلوب ہو سکتا ہے۔

یہ کنایات بھی علامت اشارہ کی پیداوار ہیں۔ یوں۔ جوں۔ توں ان کا جزو آخر "وں" "سنسکرت" "ایوم" سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے۔ یہ ویدک زمانے میں "ایو" تھا۔ اور ایسا کے معنی میں استعمال ہوتا تھا۔ بعد میں غنہ اور اضافہ کر دیا گیا۔ میرا خیال ہے سنسکرت "ایو" مرکب ہے "ए" اور "व" سے "ए" اسم اشارہ ہے جو "ایتد" کے شروع میں بھی ہے۔ "و" غالباً قدیم ہندو پاک۔ ایرانی "آو" سے تراشا گیا تھا۔ یہ "و" "شا" اور "تدا" وغیرہ کلمات میں بھی ہے۔ اس کا ذکر "کون" پر بحث کرتے ہوئے کیا جا چکا ہے۔ بہت۔ "سب" اور "ہر" بھی کنایات میں سے ہیں۔ "سب" کی اصل "سرو" ہے۔ سرو۔ سَبَ۔ سب۔ "ہر" فارسی سے لیا گیا ہے۔ ویسے وہ بھی "سرو" ہی کا بھائی ہے۔ قدیم فارسی میں اس کا روپ "ہرو" تھا۔ "بہت" "سنسکرت" "بہو" سے ہے اور اسم ہے۔ اصل میں یہ "بہتو" تھا۔ بہتو۔ بہت۔ بہت۔ "آپ" ضمیر بھی ہے اور کنایہ بھی۔ یہ سنسکرت میں "آتم" تھا۔ پراکرت میں اس کے دو روپ ہو گئے۔ اتّ۔ اور اپّ۔ اُردو "آپ" دوسرے روپ کی پیداوار ہے۔ "اپنا" اضافی حالت ہے جو سنسکرت کی اضافی حالت "آتمنہ" سے ماخوذ ہے (۱)۔ سکسینہ پراکرت

---

(۱) کیلاگ صفحہ ۱۶۸

کی ظرفی حالت " اپناثم " سے اس کو نکالتے ہیں (۱) " آپس " سنسکرت میں آتمپہ تھا یہ سارا، یا تو سنسکرت " سارده " سے لیا گیا ہے یا "سکل" سے ثانی صورت میں اس کے تغیرات یہ ہوں گے۔

سکل۔ سال۔ سار۔ اور (س کے ے کو آ کے ساتھ ادغام کرنیکے بعد) سارا۔ ہورنلے سنسکرت مادے सृ کے متعدی روپ सार کا اسم مفعول سارت بتاتے ہیں اور اس سے اردو "سارا" کو نکالتے ہیں (۲) سکسینہ نے ایک مقام پر اردو سا (مذکر) اور سی (مؤنث) کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان کا ماخذ سنسکرت " سم " (مساوی) ہے (۳)

۶۔ ظروف

وہ کلمات جو زمان و مکان بتاتے ہیں۔ ظروف کہلاتے ہیں۔ یہ ضمیر اشارہ، موصول، اور حروف استفہام کی مدد سے بنے ہیں۔ ذیل میں ان کا تجزیہ کیا جا رہا ہے۔

۱۔ اب (ا × ب) جب (ج × ب) تب (ت × ب) کب (ک × ب) ان کا جزو آخیر "ب" ہے۔

۲۔ وہاں (و × ہاں) کہاں (ک × ہاں) یہاں (ی × ہاں) جہاں (ج × ہاں) تھاں (ت × ہاں) ان کا جزو اخیر "ہاں" ہے۔

۳۔ کدھر (ک × دھر) جدھر (ج × دھر) ادھر (ا × دھر) اُدھر (اُ × دھر) تدھر (ت × دھر) یہ سب " دھر " کے اضافے سے بنے ہیں۔

---

(۱) اودھی کا ارتقا صفحہ ۱۹۹ (۲) گرامر صفحہ ۳۰۹۔ (۳) اودھی کا ارتقا صفحہ ۲۲۴۔

"جب" اور "تب" کی بابت بیمز نے لکھا ہے کہ سنسکرت "یاوت" اور "تاوت" سے لئے گئے ہیں۔ پراکرت میں "ت" گر جانے کے بعد یہ "جاؤ" اور "تاؤ" ہوئے ان سے "جو" اور "تو" اور "جب" "تب" وجود میں آ گئے۔ باقی کلمات ان پر قیاس کر کے بنا لئے گئے لیکن "وت" کی "ت" خود سنسکرت ہی میں تخفیف کی زد میں تھی۔ اس لئے اس کی ضرورت نہیں کہ اردو "ب" کو سنسکرت "وت" سے مختصر مانا جائے۔ گو "د" اور "سردہ" ان کلمات کا جز ہو "وت" سے تراشا گیا ہے۔ دکنی اردو میں "جب" کو "جو" اور "تب" کو "تو" بولا جاتا تھا جو لگ (جب تک)، تو لگ (تب تک) سب دکن میں ہے۔ "اب" اور "کب" اصل میں "او" اور "کو" تھے۔ یہ دونوں لفظ سنسکرت میں اب بھی ہیں لیکن ان کا مفہوم اردو "اب" اور "کب" سے ذرا مختلف ہے۔ ہورنلے نے "اب" وغیرہ کا جز "ب" "بھرنش" کے [illegible] سے لگایا ہے جو "ابو" کی ظرفی حالت ہے۔ مغربی ہندی کا "ابے" ان کے نزدیک "اب" سے زیادہ قدیم ہے اور اس کا کسی قدر پرانا روپ ہے (۱)، بیمز اور کیلاگ "اب" کی اصل "ویلا" بتاتے ہیں (۲)، اردو ہندی کا "ویر" یا "بیر" جو "اویرا" اور "سویرا" میں ہے "ویلا" کی نسل سے ہے۔ اگر "اب" "اویلا" تھا تو اصل وہ "اویر" ہوا ہوگا۔ اس لئے "جب" "تب" "اویرا" "اب" کے معنی میں استعمال نہ ہوا ہوا ہے، "اویلا" سے مشتق بنانا تکلف سے خالی نہیں۔

چٹرجی کے نزدیک "اب" وغیرہ کلمات کی اصل سنسکرت "ایوم" اور پراکرت "ایوم" ہے۔ "ابو" کا آخری جزو "م" ہے جسے میں نے

---

(۱) گرامر صفحہ ۳۱۴

(۲) کیلاگ صفحہ ۳۰۳

"ب" کا ماخذ قرار دیا ہے۔ اس لئے یہ کوئی نیا خیال نہیں۔ میر حسن نے جد۔ تد استعمال کیا ہے۔ ان کا ماخذ سنسکرت 'یدا' اور 'تدا' ہیں۔ غالباً یہ روپ اُردو میں مرہٹی سے آئے۔ کم سے کم اردو جب اور تب کا ماخذ 'جد' اور 'تد' نہیں۔ دونوں کی اصلیں الگ الگ ہیں اور دونوں کی تاریخ جدا جدا ہے۔ جبھی۔ کبھی اور جد ہیں۔ کدھی بھی بولے جاتے ہیں۔ آخر الذکر دو روپ دکنی اُردو کے ہیں۔ جہاں کی جگہ 'جداں' 'تداں' اور جدہاں' تدہاں بھی دیکھے گئے ہیں۔ "جبھی" کے ہی کو دھرینیدر نے سنسکرت [illegible] سے ماخوذ بتایا تھا۔ (۱) یہ سنسکرت [illegible] سے بھی لی جا سکتی ہے۔ "پ" وغیرہ شفوی حروف پراکرت عہد میں ہائے مخلوط کے ساتھ بولے جاتے تھے۔ اُردو بھی' اور 'ہی' دونوں کی اصل 'اپی' ہے۔ لیکن "بھی" زیادہ قدیم ہے۔ ہی' بھی' کے ذریعہ وجود میں آیا۔ 'کدھیں'، 'کاھیں' اپ بھرنش میں [illegible] تھا۔ اس کی بابت میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ وہ ظرفی علامت ہے جو سنسکرت "سمن" اور پراکرت 'مہن' سے حاصل کی گئی تھی۔ بعد میں غالباً تحسین کلام کے لئے زیر کو زبر سے بدل کر "ہاں" کر دیا۔

کہاں۔ جہاں۔ کا 'ہاں' غالباً "ہیں" تھا۔ زیر کو زبر سے بدل دیا گیا۔ اس لحاظ سے 'کہیں' اور 'کہاں' ایک ہوئے۔ دونوں کے روپوں میں جو فرق ہے اس کی وجہ ان کے معنی کا اختلاف ہے۔ یا یوں کہئے کہ معنوی اختلاف کی وجہ سے ان کے روپ مستقل طور پر الگ الگ ہو گئے ہیں۔ بیمز اور کیلاگ نے "ہاں" کو سنسکرت "ستھان" سے ماخوذ مانا ہے۔ (۲) یہ اشتقاق صوتی اور معنوی اعتبار سے صحیح ہے مگر بھنڈارکر اسے غلط بتاتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ قدیم سنسکرت کلمات کے ہوتے سمجھ میں نہیں

---

(۱) ہندی بھاشا صفحہ ۲۹۳

(۲) کیلاگ صفحہ ۲۱۴

آتاکہ اُردو میں ' کرستھان ' جیسے نئے الفاظ کیوں وضع کر لئے گئے۔ ان کے خیال میں "ہاں" پراکرت [illegible] سے لے لیا گیا ہے۔ جو سنسکرت میں [illegible] تھا۔ مرہٹی [illegible] پراکرت "ابتھ" سے نکالا گیا ہے (۱) چٹرجی اس سے متفق ہیں۔ (۲) لیکن 'پشل' ویدک [illegible] اور سنسکرت ' [illegible] اس کی اصل بتلاتے ہیں۔ اس صورت میں اُردو "ہاں" کا غالباً سنسکرت [illegible] کا قائم مقام ہوگا۔

چٹرجی کہتے ہیں کہ سنسکرت "تتر" کا "تت" ستھا کا بدلا ہوا روپ ہے۔ پالی "تت" تھا " اس لحاظ سے اصل زیادہ قریب ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو اُردو "ہاں" جیساکہ بیمز وغیرہ علماء کا خیال ہے ' ستھان ' سے ماخوذ ہوگا۔ اور سنسکرت پالی اور پراکرت کے روپوں سے زیادہ قدیم نہیں تو ان کا ہمسر سمجھا جائے گا۔ ہورنلے نے حسب عادت 'کہاں' وغیرہ کے 'ہاں' کو اَپ بھرنش کچ سے ماخوذ مانا ہے۔ کیلاگ نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے لکھا ہے 'بھوجپوری' میں یہاں وہاں کے لئے "ایہی جا" اور "اوہی جا" کا استعمال بتایا ہے کہ ہاں "ستھان" سے ماخوذ ہے۔ "جا" فارسی سنسکرت "ستھان" کا ہم معنیٰ ہے۔

ادھر۔ کدھر وغیرہ کے "دھر" کو چٹرجی "دھار" بمعنی طرف کنارہ اور خطے مختصر بتلاتے ہیں کدھر (ک + دھار) کون سی طرف ' بھوجپوری " ' ادھر ' اور "آہر" اصل میں ادھر۔ ادھر تھے۔ "دھ" مخلوط کی "ہ" ان میں باقی رہ گئی ہے۔ متھیلی ' اہر ' جمہر ' کا تعلق بھی دھر سے ہے۔ پالی اور پراکرت "ادھ" کی اصل بھی 'دھر' ہی ہے اور سنسکرت "اہ" کی بھی کم سے کم "ادھر یا ادھ" کے "دھ" کو سنسکرت 'اِہ' سے نہیں نکال سکتے۔ سنسکرت کے بہت سے الفاظ ہیں۔ جن میں مخلوط حروف کا وقفہ گر گیا ہے اور

---

(۱) بھنڈارکر صفحہ ۲۹۴ (۲) بنگالی صفحہ ۸۵۸

"[illegible]" باقی رہ گئی ہے۔ جیسے "ادھر" جس کی اصل [illegible]
[illegible] بیمز نے "ادھر" کو سنسکرت [illegible] "تکمہ" یا "تکمر" سے مشتق مانا ہے۔ دکمر، جدھر، ندھر، دھر۔ لیکن یہ بڑی بے معنی سی بات ہے۔ "بعد" "یعنی" [illegible] نکالا جا سکتا ہے لیکن "ادھر" سے "دھر" کا نکالنا ناممکن ہے۔ میرا خیال ہے کہ سنسکرت [illegible] پراکرت [illegible] پالی اور [illegible] اگردو "مدھر" ان سب کی اصل ایک لفظ "ستھل" ہے۔ اس کے تغیرات اس طور پر ہیں۔

(۱) تت ستھل۔ تت ستھر۔ تت تتھر۔ تت اتر۔ [illegible]

(۲) تت ستھل۔ تت ستھر۔ تت تھر۔ تت تھ [illegible]

(۳) تت تھر۔ تدھر۔ تلدھ [illegible]

(۴) تت تھر۔ تت دھر۔ تدھر وغیرہ۔

ان میں سے پہلے دو سلسلے ایک ہی جیسے ہیں۔ "تت تھر" ایک ایسا ملفوظ ہے جو دونوں میں شریک ہے۔ اور جہاں سے دو راہیں پھوٹتی ہیں دوسرے دو سلسلے "تدھر" میں شریک ہیں۔ "تت تھر" تک چاروں سلسلے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔

اس خیال کی تائید فارسی "ایدر" سے ہوتی ہے۔ ژندی میں اس کا مترادف ایدھ تھا۔(۱)

پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ اشارے کی تین حرکتیں "ے"، "ا"، "او" ہیں۔ جہاں سہ وغیرہ ضمیروں کے ساتھ ترکیب پاتی ہیں۔ وہاں [illegible] اور [illegible] کے ساتھ مل کر بھی آتی ہیں۔ سنسکرت "ایوم"، "اوحنا"، "ابت تم"، "اد" ادانیم کے آخری حصے "دھم"، "سنت" کے "اکم" اور "ام" ہیں۔ ان میں "دم" کی اصل "ایوم" یا "این" ہے۔ فارسی "ایدون"،

---

(۱) ہندوستانی گرامر پلیٹس صفحہ ۱۸۳

دکھوں، بہ پیچھے، چھنا، چندن، ونیکاون کے [illegible] سے

جو زبان اردو کیسے کہاں نکلیں۔ انجیب مغفور شیخ کے الفاظ سے [illegible] یہ ان

مختلف سماروں کے کہم [illegible] صاحب نکلا جاسکتا ہے

" ابھون" دکنی اردو میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کی اصل سنسکرت " اودھنا " وہ کو تشدید ان سمجھ سے غالبًا اس اشتباہ کی وجہ سے ہے کہ یہ 'دہی' تھا۔ پنجابی " ہیں" کی اصل بھی سنسکرت " ادھنا " ہی ہے۔ " دھ " مخلوط کا و تغیبہ گر جانے سے " ہ" باقی رہی ہے۔

۷۔ اسماء اعداد

اردو کے ارتقا کے سلسلے میں اسمار اعداد کی بڑی اہمیت ہے۔ کچھ اسی لئے زبان کے کینڈے پر بحث کرتے ہوئے ان پر بھی نظر ڈالی جاتی ہے۔ صوتی اصول کے لحاظ سے ان کے تغیرات صوتی تبدیلیوں کے ضمن میں آ سکتے ہیں۔ اور وہیں ان کا ذکر ہونا چاہیے۔ اسمار اعداد کی ارتقائی تاریخ جان لینے کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ اردو شورسینی پراکرت کی بیٹی ہے۔ دھریندر کہتے ہیں کہ یہ اسمار پالی یا درمیانی عہد کی پراکرتوں کی طرح کسی دوسری عام زبان سے لئے گئے ہیں۔ چٹرجی نے اس زبان کو قدیم عہد کی ہندوستانی کہا ہے۔

یہ اسمار دو طرح کے ہیں۔ صحیح اور مکسور۔ صحیح کی دو قسمیں ہیں۔ ترتیبی اور توصیفی۔ پھر ترتیبی اعداد کی حسب ذیل چار قسمیں ہیں۔

(۱) اکائیاں (۲) عشرات یا دہائیاں (۳) مئات یا سیکڑے (۴) الوف ہزار۔ لاکھ وغیرہ۔

۱۔ اعدادِ ترتیبی

اعداد اکائیاں ایک سے نو تک اکائی کے اعداد کہلاتے ہیں۔

(۱) سنسکرت ایک اور فارسی یک۔ پراکرت میں 'ک' کا تکرار یعنی تشدید کے ساتھ ایکّ بولا جاتا تھا۔ 'ک' کی یہ تشدید پنجابی میں باقی ہے۔ پراکرت میں خصوصیت کے ساتھ اردھ ماگدھی میں 'ایکہ' اور 'ب' سے 'آ' بھی ملتے ہیں۔ ان میں ثانی الذکر مجھے زیادہ قدیم معلوم ہوتا ہے۔ قدیم فارسی کا 'ایو' غالباً اس کی اصل ہے۔ پہلوی "ایوک" سے ظاہر ہوتا ہے کہ اصل کلمہ 'ایو' یا 'اے' ہے 'ک' بطور الحاق بعد میں اضافہ کیا گیا۔ پنجابی "یاراں" جو پراکرت 'ے آرہ' کا قائم مقام ہے، اس کا مؤید ہے۔ ترکیب کی صورت میں 'ایک' کا 'اک' یا 'اکّ' ہو جاتا ہے۔ جیسے اکیس۔ اکتیس۔ اکیاون۔ اکانوے وغیرہ۔ گیارہ اصل میں اگیارہ تھا۔ گیارہ کا الف وصل کے سبب گر گیا ہے۔ یہ سنسکرت ایکادش اور دوادش میں بھی ہے۔ الف سے پہلے اردو میں 'ی' بطور تحسین اضافہ کر دی جاتی ہے۔ اکیاسی (اک + اسّی) بیاسی (ب + اسّی)

(۲) دو قدیم ہند ایرانی میں 'دو' تھا۔ فارسی اور پراکرت میں "دو" ہے۔ سنسکرت "دوو" بھی دیا تھا۔ 'و' تثنیہ کی علامت ہے۔ ترکیب کی صورت میں صرف 'د' رہ جاتا ہے۔ دُپٹہ۔ دوعملی اور کبھی "د" جو 'ب' سے بدل جاتا ہے جیسے بارہ (ب + رہ) بتیس (ب + تیس) بیالیس وغیرہ۔

---

(۱) ہندوستانی فونیٹکس صفحہ ۱۰۳

(۲) پنجابی صفحہ ۲۱۰

(۳) تین۔ سنسکرت "ترینی" اور پراکرت "تنی" ہے۔ قدیم فارسی میں متری اصل عدد "تر" ہے "ی" علامت جمع ہے۔ اردو تین سنسکرت "ترینی" سے ماخوذ ہے۔ ترکیب کی صورت میں "تی" کے ساتھ ساتھ "تر" بھی ملتی ہے اس لئے ہم اس عدد کا ماخذ پراکرت "تنی" کو قرار نہیں دے سکتے۔ اس کی ترکیبی شکلیں یہ ہیں۔ تے۔ تین۔ تی۔ ت۔ تر۔ تری۔ مثلاً تیرہ (تے + رہ) تینتیس (تین + تیس) تیس (تی + س) ترپن (تر + پن) ترسٹھ (ترے + سٹھ) تیاسی (ت + ہاسی)

چار۔ سنسکرت "چتواری" یا "چتر" تھا۔ فارسی "چار" یا "چہار" کی اصل قدیم فارسی "چتوار" ہے۔ پراکرت میں "چتواری" کا "چتاری" ہوا اور "چتر" کا "چ ار"۔ اردو ترکیبی اجزا "چو" "چوں"۔ "چہو"۔ "چتر" سے بنے ہیں۔ جیسے چودہ (چو + دہ) چوبیس (چو + بیس) چونتیس (چوں + تیس) چوون۔ چونسٹھ۔ چوراسی (چور + اسی)، چورانوے (چور + نوے) چالیس چتواری سے ماخوذ ہے۔ "ر" "ل" سے بدل گئی ہے چالیس۔

(۵) پانچ۔ سنسکرت اور قدیم فارسی دونوں میں "پنچ" ہے۔ ترکیبی حالت میں اس کی حسب ذیل شکلیں ملتی ہیں۔ پند۔ پنچ۔ پچ۔ پچیں۔ جیسے پندرہ (پنچ + رہ) پچیس (پچ + بیس) پینتیس (پیں + تیس) پینتالیس (پیں + چالیس) پچاس (پچ + اس) پچھتر۔ پچانوے۔ پچپن۔ پنچایت۔ پنچ (فرد)۔

(۶) چھ۔ پراکرت "چھ"۔ سنسکرت "شش" یا "کشش" قدیم فارسی "خشوش" ہے۔ "چھ" اردو اور پراکرت "چھ" کی اصل قدیم فارسی خشوش بتاتے ہیں اس کا خیال ہے کہ "خشوش" اول "کشوش" بنا بعد میں "کش" کی مخلوط "چھ" بن گیا۔ (۲) فارسی "شش" کی اصل بھی یہی خشوش ہے۔

خشوش۔ شوش۔ شش۔ ترکیب کی حالت میں [illegible] سو۔ سولہ شکلیں ملتی ہیں جن میں سے آخرالذکر دو "شش" یا "شٹ" سے ماخوذ ہیں جیسے سولہ (سو + لہ)

چھبیس (چھ + بیس) چھتیس چھیالیس۔ چھپن ساٹھ (سا + ٹھ) چھہتر چھیاسی چھنگا (چھ + انگلیاں)

(۷) سات ۔ پراکرت ست + سنسکرت۔ سپت۔ ترکیب کی حالت میں سات کا 'ست' ہوجانا مقررہ اصول کے مطابق ہے۔ سترہ۔ ستائیس۔ البتہ "سینتیس" جیسا کہ دھیریندر کا خیال ہے "پیں" (پانچ) کے زیر اثر ہوا ہے۔ سینتالیس۔ (سین + تالیس) سینتیس (سین + تیس) ستر سٹھ کا "ستر" کہا جاتا ہے کہ اڑسٹھ کی ریس ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ "ڑ" "ت" کا بدل ہے۔ ست۔ سٹ۔ ستر۔ اس کی یہ تین سیڑھیاں ہیں۔

(۸) آٹھ ۔ پراکرت 'اٹھ' سنسکرت 'اشٹ' مرکب اعداد میں حسب قاعدہ 'اٹھ' ہوجاتا ہے۔ اٹھارہ۔ اٹھتر۔ (اٹھ + ستر) اٹھائیس میں 'اٹھ' مشدد ہے۔ "ٹھ" اڑتالیس اور 'اڑتیس' میں 'ڑ' سے بدل گئی ہے۔

(۹) نو۔ سنسکرت میں نوا ہے۔ سنسکرت کے اور اردو میں ساکن ہوکر سے اور "ے" "و" ہوجاتے ہیں۔ پراکرت میں اس کی شکل نوا ہے ترکیبی حالت میں اس کی دو شکلیں ہوتی ہیں "نو" جیسے نواسی اور 'ننا' جیسے ننانوے (ننا + نوے)

دہائیاں دس سے ننانوے تک ہیں۔ یہ دس کی ترکیب سے بنی ہیں۔ ان میں عقود لسانی اعتبار سے اہم ہیں۔ ان کی تاریخ درج ذیل ہے۔

(۱۰) دس۔ یہ تمام دہائیوں کی جان ہے۔ گیارہ سے ننانوے تک جملہ اعداد اس عدد کی ترکیب سے بنے ہیں۔ "دس" کی اصل قدیم آریائی "دشنت" ہے۔

---

(۱) بنگالی کا آغاز وارتقا پارہ ۱۵۔

تحت صوتی کے اثر سے خود سنسکرت میں اس نے جو نئے نئے روپ اختیار کئے ان کی تفصیل دلچسپی سے خالی نہیں۔

(۱) گیارہ سے اٹھارہ تک	دش	(بسقوط ت)
(۲) انیس سے اٹھاون تک	ششتی۔ شت	(بسقوط ت)
(۳) انسٹھ سے اڑسٹھ تک	ٹی (بحذف دش و ابدال 'ت' بہ 'ٹ')	
(۴) انہتر سے ننانوے تک	تی (بحذف دش)	

اُردو میں 'دش' کا 'ش' ترکیبی حالت میں 'ہ' ہو جاتا ہے۔ اور 'ڈ(د)' کبھی قائم رہتی ہے اور کبھی 'ر' یا 'ل' سے بدل جاتی ہے۔ دش۔ ڈس۔ دس۔ نس۔ لہ۔ رہ۔ اس کے مختلف مدارج ہیں۔ گیارہ۔ بارہ۔ چودہ۔ پندرہ۔ سولہ۔ سترہ۔ اٹھارہ وغیرہ۔

(۲۰) بیس۔ پراکرت "ببیئ" اور سنسکرت "ونشتی"۔ انیس مرکب ہے۔ 'اَن' اور 'بیس' سے 'بیس' کی 'ب' 'ن' سے بدل گئی ہے۔ اکیس۔ بائیس۔ تیئیس۔ پچیس۔ ستائیس۔ اٹھائیس۔ وغیرہ اعداد میں "بیس" کی 'ب' گر گئی ہے۔ 'ششتی' یا 'شت' اُردو میں ہر جگہ "س" ہو گیا ہے۔ تیس، چالیس، پچاس وغیرہ۔

(۳۰) تیس۔ پراکرت 'تسیا' سنسکرت 'ترنشت'۔ ترکیب کی صورت میں بھی 'تیس' ہی رہتا ہے۔ اکتیس۔ بتیس اور چھتیس میں 'ت' مشدد ہو گئی ہے۔

(۴۰) چالیس۔ پراکرت چتالیس، سنسکرت 'چتوارنشت'، یہ عدد چالی اور 'س' سے مرکب ہے۔ چالی کی اصل سنسکرت چتواری ہے۔ ترکیب کی صورت میں یہ "تالیس" یا 'لیس' رہ جاتا ہے۔ جیسے اکتالیس۔ بیالیس۔ چوالیس۔

(۵۰) پچاس۔ پراکرت پنچاسا۔ سنسکرت پنچاشت۔ ترکیب میں "پن" "ون" اس کے روپ ہو جاتے ہیں جو پچاس کے جزو اول سے حاصل کیے گئے ہیں۔ "ون" "پن" کا بدل ہے۔ اکیاون۔ باون۔ ترپن، چودن۔ پچپن۔ چھپن۔ ستاون۔ اٹھاون۔ صرف انچاس میں "پچاس" دیکھا گیا ہے۔ انچاس اصل میں ان پنچاس تھا۔ "پ" درمیان سے گر گئی ہے۔

(۶۰) ساٹھ پراکرت سٹھی۔ سنسکرت "شٹی" (ششش + تی) ترکیب میں سٹھ ہو جاتا ہے۔ جیسے اکسٹھ۔ باسٹھ۔ ترپسٹھ۔

(۷۰) ستر۔ پراکرت ستر۔ سنسکرت "سپتتی" ہے۔ اس کی "ت" پراکرت اور پالی ہی میں "ر" سے بدل گئی تھی۔ "ت" اول "ٹ" ہوئی۔ اس کے بعد "ٹ" نے "ڈ" کا روپ اختیار کیا اور "ڈ" نے "ر" کا۔ اس تبدیلی کے یہ درجے ڈاکٹر چٹرجی نے لکھے ہیں۔ مرکب اعداد میں ستر کا "س" "ہ" سے بدل جاتا ہے جیسے اکہتر۔ بہتر۔ تہتر۔ ستہتر۔ اور اٹھتر میں صرف "تر" رہ گیا ہے۔

(۸۰) اسی کو پراکرت میں "اسی ای" اور سنسکرت میں "اشیتی" کہتے ہیں۔ "اسی" میں دو "س" ہیں اور "اسی ای" میں ایک اس لئے "اسی" پراکرت کے روپ سے ماخوذ نہیں ہو سکتا۔ چٹرجی اسے پنجابی لہجے کا اثر بتاتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں سنسکرت "اشیتی" اصل میں "اشیتی" تھا جیسا کہ قدیم فارسی میں ہے۔ اس سے اول "اش شیتی" اور بعد میں اسی بنا۔ مرکب اعداد میں "اسی" کا "آسی" ہو گیا۔ اکیاسی۔ بیاسی۔ ستاسی۔ اٹھاسی۔ نواسی۔

(۹۰) نوے۔ پراکرت "نا" سے "نے"۔ سنسکرت "نوتی" لیکن اس میں یہ الجھن ہے کہ نوے کا "و" مشدد ہے۔ وھیرینیدر نے تکرار "و" کی وجہ سے

ایک پراکرت لغت ~~تسلیم~~ اور فرض کیا ہے۔ غالباً قدیم آریائی زبان میں 'نوتی' کا روپ 'نوتی' تھا۔ اردو 'نوے' سندھی 'نوواسی' مرہٹی 'نوود' اسی قدیم لغت سے وضع کئے گئے ہیں۔ مرکب اعداد میں الف وصل اضافہ ہو جاتا ہے اور 'نوے' کا ایک 'و' کم ہو جاتا ہے۔ اکانوے یا اکیانوے ننیانوے میں 'نو' کا 'و' 'ن' سے بدل گیا ہے۔ اکیانوے چھیانوے اور ننیانوے میں جو 'ی' ہے وہ ماقبل حروف کے زیر کا اثر ہے۔

(۱۰۰) سو پراکرت "سی" سنسکرت 'شت'۔ اردو 'سو' کی اصل 'سوۃ' ہے یا ساو۔ اردو میں اس کا ایک روپ 'سے' بھی ہے۔ جیسے 'سیکڑا' سیکڑوں وغیرہ۔ اس کا ماخذ پراکرت 'سی' ہے۔ کیلاگ 'سو' اور 'سے' کو پراکرت کی فاعلی حالت 'ستاؤ' اور 'ستاؤ' سے ماخوذ مانتے ہیں۔ "ت" گری تو 'سو' اور 'سے' بنے (۱)

(۱۰۰۰) ہزار فارسی ہے۔ سنسکرت میں 'سہسر' ہے تمام جدید دیسی زبانوں میں ہزار استعمال ہوتا ہے۔ اس کی وجہ ڈاکٹر چٹرجی یہ بتاتے ہیں کہ ہندوستانی زبانوں کے درمیانی عہد میں سنسکرت "دش" "شت" (دس سو) بولا جاتا تھا۔ جب مسلمانوں کے ساتھ فارسی ہندوستان آئی تو بولنے والوں کو ہزار زیادہ ہلکا اور آسان معلوم ہوا اس لئے وہ اختیار کر لیا گیا۔

(۱۰۰۰۰) لاکھ سنسکرت "لکش" سے نکلا ہے جو حسب قاعدہ ترکیب پا کر 'لکھ' ہو جاتا ہے۔ جیسے لکھ پتی۔ کروڑ کی اصل مشتبہ بتائی جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ

---

(۱) انہاس صفحہ ۲۶۲

(۲) ہندی گرامر صفحہ ۱۰۸

سنسکرت "کرو" سے وضع کیا گیا تھا لیکن صوتی اعتبار سے یہ نا ممکن نہیں۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ یہ لفظ "کروٹ" تھا۔ اُردو کروڑ اس قدیم لفظ کی یادگار ہے سنسکرت "کوٹی" بھی غالباً اسی سے گھس گھسا کر بنا ہے۔

"ارب" کی اصل سنسکرت " اردو " اور "کھرب" کی "کھرو" ہے اور یہ بہت ظاہر ہے۔

۴۔ اعداد توصیفی

اُردو میں پہلے چار توصیفی اعداد کس قدر بے قاعدہ ہیں۔ باقی سب "وان" لگا کر بنائے گئے ہیں۔ جیسے پانچواں۔ ساتواں وغیرہ۔ "وان" کا ماخذ سنسکرت ____ ہے۔ قدیم ہند ایرانی میں 'م' سے یہ کام لیا جاتا تھا اور آہنگ کے لیے کبھی اس سے پہلے ____ یا 'و' بڑھا دیا جاتا تھا۔ قدیم فارسی کا " ام " پہلوی میں 'وم' اور فارسی میں " ____م " ہے۔ جیسے چہارم۔ پنجم۔ سنسکرت میں بھی قدیم فارسی کا "ام" ہے لیکن وہ ان اعداد کے آخر میں جوڑا جاتا ہے جو "ن" پر ختم ہوتے ہیں۔ جیسے 'پنچن' سے 'پنچم'، 'سپتن' سے 'سپتم' سنسکرت "تم" کی "ت" جزو کلمہ ہے۔ اصل لاحقہ 'م' ہے یہ 'م' اردو میں غنہ ہو گیا ہے۔ 'و' غالباً پہلوی 'و' کی نشانی ہے۔ پانچواں ← پنجم۔ پنچموں۔

الف۔ وصل کے بعد پانچواں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سنسکرت ____ اول، ____ ہوا۔ جیسے گرام سے گاؤں اور پھر ____ ۔ الف اس صورت میں 'وسرگ' کے قائم مقام ہوگا۔ بقیہ اعداد کی تاریخ اسی طرح پر ہے۔

(۱) پہلا۔ چیٹرجی کہتے ہیں کہ اس کا ماخذ قدیم ہند آریائی "پر۔تھم۔ال" ہے جو پراکرت میں کئی درجوں سے گزرا ہے۔ پتھل۔ پٹھل۔ پڑھل۔ پہلا۔ پہیلا۔ گریرسن کا خیال ہے کہ یہ سنسکرت "پرتھیم" اور لاحقہ "اِلَم" سے مرکب ہے۔ یہ لاحقہ مہاراشٹری اور اردھ ماگدھی میں بھی تھا۔ "پرتھم" اِل" اپ بھرنش میں "پڑھول لّو" ہوا۔ اور اس سے پہلا۔ پشل نے قدیم ہندی روپ اس کے کا [illegible] فرض کیا ہے (۱) بیمز سنسکرت "پرتھر" سے ماخوذ بتاتے ہیں (۲)

(۲) دوسرا۔ تیسرا۔ چیٹرجی کے خیال میں "سر" سنسکرت لفظ ہے جو مادہ "سر" (حرکت کرنا) سے بنا ہے۔ ہورنلے اس کی اصل "سرت" بتاتے ہیں (۳) لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ فارسی "سر" ہے الف غالباً فاعلی ہے۔ "دوجا" اور "تیجا" بھی اردو میں مستعمل ہیں۔ یہ سنسکرت "دوتیہ" "ترتیہ" سے بنے ہیں۔

(۳) چوتھا۔ پراکرت [illegible] اور سنسکرت "چترتھ" سے حاصل کیا گیا ہے۔ چھٹا کی اصل سنسکرت "ششٹھ" ہے۔

عدد صحیح کی ایک قسم عدد تضعیف بھی ہے جو گنا، ہرا، فارسی، چند، "تا" لگا کر بنایا جاتا ہے۔ جیسے دگنا۔ تگنا۔ دھرا۔ تہرا۔ دونا۔ دوچند وغیرہ۔ "گنا" کی اصل سنسکرت "گنتر" ہے۔ "نا" اس کا مخفف ہے جیسے دونا "ہرا" پلیٹس کے نزدیک "ہارا" سے چھانٹا گیا ہے "ہارا" سنسکرت میں "دار" تھا "و" تزئین کے لئے ہے۔ ہورنلے کہتے ہیں کہ سنسکرت "دودھو" پراکرت

---

(۱) بحوالہ ولز حاشیہ صفحہ ۱۸

(۲) گرامر جلد ۲ صفحہ ۱۴۲

(۳) گرامر صفحہ ۱۲۸

میں "یہ تھا" اور گو کہ اصل "تھارا" پڑھا گیا۔ سنسکرت "دھا" سے بھی نکالا جا سکتا ہے۔ (۱) بہتر یہ ہے کہ "ہرا" کو "سرا" کا بدل سمجھا جائے جنگ میں اس کا عدد "ہارا" ہے جیسے دھارا۔ تیارا۔ چٹرجی اس کی اصل سنسکرت "ہارا" بتاتے ہیں۔ جسم کے معنی قسم اور حصہ کے ہیں۔

اس کے علاوہ چند کلمات اور ہیں جو جمع کے معنی دیتے ہیں۔ جیسے جوڑا گنڈا۔ کوڑی۔ بیکڑا۔ جوٹا۔ سنسکرت "(یا' ہو' یا ہوا) سے بنا ہے۔ کھیت۔ بیت۔ جت۔ جوٹ۔ جوڑ۔ الف توصیفی بعد میں اضافہ کیا گیا۔ کوڑی (بیس) کول زبان کا لفظ ہے۔ (۲)

۳۔ عدد مکسور

ان سے عدد صحیح کا کوئی حصہ سمجھا جاتا ہے۔ یہ بھی دو طرح کے ہیں۔ اصلی اور توصیفی۔ اصلی یہ ہیں۔

— پاؤ: $\frac{1}{4}$ سنسکرت "پادک" سے ماخوذ ہے۔ "پاؤ" اس کی تانیث ہے اس کی اصل "پادکا" ہے جیسے ادھ پئی۔ "چوتھائی" چوتھا سے بنا ہے اور اس کی طرف منسوب ہے یا اس سے اسم ہے۔

— آدھ: $\frac{1}{2}$ سنسکرت میں "اردھ" تھا۔ ترکیبی حالت میں

---

(۱) گریرسن صفحہ ۲۶۸

(۲) چٹرجی صفحہ ۱۹۵

"اودھ" رہ جاتا ہے۔ جیسے اَدھیلا، اَدھ سیرا۔ ادھ کچرا وغیرہ۔

— تہائی: ۱/۳ کی اصل "تِتیا" اور "ئی" مصدری ہے۔ "تہا" میں 'ہ' تلفظ کے لیے ہے۔ چوتھائی اور دہائی کا حال بھی یہی ہے ۱۱ لیکن ان کی 'ہ' اصلی ہے۔

— ڈیڑھ۔ ڈیوڑھا: ۱ ۱/۲ پراکرت [illegible] اور سنسکرت "دواردھ" سے وضع کیا گیا ہے۔ اس کے لفظی معنی ہیں دوسرا نصف۔ پہلا نصف آدھا ہے۔ دوسرا نصف ڈیڑھ۔ تیسرا نصف ڈھائی۔ "ڈیوڑھا" میں 'دو' کا 'و' بھی موجود ہے۔

— ڈھائی۔ اڑھائی: ۲ ۱/۲ پراکرت "اڈڈھتیہ" اور سنسکرت "اردو ترتیہ" یعنی تیسرا نصف ہے۔ ڈھائی کے شروع سے الف تخفیفاً گر گیا ہے۔ بیمز نے اس کا ماخذ سنسکرت "اردھ"۔ "دویم" ٹھیرایا ہے۔

— ہونٹھا: ۳ ۱/۲ اصل میں 'اہونٹھا' تھا۔ یہ سنسکرت "اردھ چترتھ" سے ماخوذ ہے۔ ادھ چتھ۔ اٹھ۔ اد اٹھ اہونٹھ۔ اہوٹھ۔ ہوٹا یا ہونٹھا شروع سے الف گر گیا ہے۔

ڈھونچا: ۴ ۱/۲ کی اصل کیلاگ 'چتر اَدھک' (چار سے اوپر) بتاتے ہیں۔ 'چترا' کی 'چ' اور 'ت' دونوں گر گئی ہیں اور 'ر' 'ڈھ' سے بدل گئی ہے۔ 'پونچا' اور 'کھونچا' سب اسی ڈھنگ سے بنے ہیں۔ کھونچا کا 'کھو' سنسکرت [illegible] 'شش' کا قائم مقام ہے۔

توصیفی اعداد کسور عدد صحیح کے وصف کے طور پر استعمال ہونے

---

۱۱ ملاحظہ صفحہ ۲۶۵

ہیں جیسے ساڑھے تین۔ پونے چار۔ سوا دو۔ وغیرہ۔

سوا : ۱/۴ + پراکرت सवाय اور سنسکرت "سپاد" سے لیا گیا ہے "سوایا" اس میں ایک لغت طور بھی ہے۔

ساڑھے : ۱/۲ + سنسکرت سارد (س + اردھ) سے بنا ہے پراکرت میں اس کا روپ सड्ढ ہے۔ ساڑھے غیر فاعلی حالت میں ہے۔

پونے : ۳/۴ + سنسکرت پادون (پاد + اُن) پاؤکم سے لیا گیا ہے۔ یہ کلمہ بھی غیر فاعلی حالت میں ہے اس کی فاعلی حالت "پون" ہے۔ لیکن وہ اصلی عدد کسور ہے۔

یہ اعداد جن صوتی اصولوں کے تحت بنے ہیں ان کی تفصیل تو صوتی تغیرات میں ملے گی لیکن ان میں سے چند جو مطرد طور پر ان کی وضع میں کارفرما ہے ہیں اور جن کا ذکر پلیٹس نے اپنی گرامر میں کیا ہے۔ اختصار کے ساتھ ذیل میں دیئے جا رہے ہیں۔

(۱) آخر سے مقصور حروف علت یا حرکتیں ساقط ہو جاتی ہیں جیسے چتوار سے چار۔ ترینی سے تین۔ ششٹھ سے ساٹھ۔

(۲) مخلوط حروف صحیح یا ان میں سے ایک گر جاتا ہے اور اس سے پہلی حرکت کا اشتباع ہو جاتا ہے۔ سپت سے سات۔ اشٹ سے آٹھ چتوا سے چار۔

درمیان کی حرکت کا اکثر اشتباع ہو جاتا ہے۔ جیسے پنچ سے پانچ۔ اکیانوے (اک۔ نوے)

(۴) آخر سے حرف صحیح گر جاتا ہے جیسے ونشت سے بیس۔ ترنشت سے تیس۔ چتوارنشت سے چالیس۔ ششت سے، سو۔ پنچاشت سے پچاس۔

۸۔ حروف

حروف وہ ہیں جن کے معنی مستقل نہیں اور جو دو اسم یا ایک اسم اور ایک فعل کے درمیان ربط پیدا کرتے ہیں۔ اور صلات اور اعرابی لاحقے بھی حروف ہی ہیں۔ ان کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔ بقیہ حروف کی تاریخ ذیل میں دی جارہی ہے۔

"اور" ۔ حرف عطف ہے۔ اس کی اصل سنسکرت "اپَرَ" ہے۔ 'پ' پراکرت میں اکثر 'و' سے بدل جاتی تھی۔ اردو میں 'و' ساکن کی طرح اس کا تلفظ کیا جاتا ہے: اپَر۔ اور۔ اور یہ اردو میں دوسرے کے معنی میں بھی ہے۔ جیسے اور آدمی۔ اس "ف" کے اصلی اور حقیقی معنی یہی ہیں۔

"ہاں" کلمہ ایجاب ہے۔ "ہوں" بھی اس کا ہم معنی ہے۔ پلیٹس اس کی اصل "آم" بتاتے ہیں (۱) لیکن میں اسے حکایت صوت سمجھتا ہوں۔

"نہیں" "نا" اور "ہیں" سے مرکب ہے۔ "ہاں" کے تین روپ ہیں ہاں، ہوں، اور ہیں۔ غالباً یہ روپ حرکات اشارہ کی مدد سے بنے ہیں۔ پلیٹس کے نزدیک یہ سنسکرت نہہ سے بنا ہے اور ایک طرح سے اس کا بگاڑ ہے۔ ٹرنر کی رائے بھی یہی ہے۔ (۲) سکسینہ نہ اور ہے سے مرکب بتاتے ہیں اور "ہی" کا جوڑ مادہ "اس" / ہونا سے لگاتے

---

(۱) ہندوستانی گرامر صفحہ ۱۸۲ (۲) نیپالی ڈکشنری صفحہ ۳۴۴

ہیں۔ وہ کہتے ہیں نفی رسنسکرت لنتی، پراکرت عہد میں عام طور سے "نہیں ہے" کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ (۱)

"ہی اور بھی" دونوں کی اصل جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا، سنسکرت "اپی" ہے "اپی" ابھی۔ بھی۔ ہی۔ دوسرے علمار نے "ہی" کی اصل سنسکرت تاکیدی کلمے "ہی" کو بتایا ہے۔ ہورنلے اور سکسینہ سنسکرت "اپی" اور "ہی" دونوں کی مشترک پیداوار بتاتے ہیں۔

"پر" "یہ" حرف استدراک ہے۔ سنسکرت "پرم" اس کا ماخذ ہے۔ غالب ایک رقعے میں فرماتے ہیں۔ "پر" بمعنی لیکن لفظ مشہور ہے اور پہ اس کا مخفف ہے۔ میرے اُردو کے دیوان میں سو دوسو جگہ یہ لفظ آیا ہوگا۔

"گو واں نہیں پہ واں کے نکالے ہوئے تو ہیں۔
کعبہ سے ان بتوں کو بھی نسبت ہے دور کی

"تو" حرف جزا ہے۔ یہ سنسکرت میں "تو" تھا "سو" کی طرح یہ قدیم ضمیر غائب : "تہ" سے بھی لیا جاسکتا ہے۔ ضمیر غائب جیتی وغیرہ فعل حال کے صیغوں میں موجود ہے۔

"کہ بیانیہ فارسی ہے اور فارسی ہی سے لیا گیا ہے۔

"برن" بمعنی ملک۔ سنسکرت میں بھی اس کا روپ یہی ہے۔

"چاہیے" فارسی خواہ کا ترجمہ ہے اور چاہنا مصدر سے۔ فعل مضارع کا صیغہ ہے۔ "پھر" کی اصل سنسکرت "پُنہ" ہے "ر" کی وجہ سے "پ"

---

(۱) اردو صفحہ ۳۰۹ (۲) بنگال جلد ا صفحہ ۲۲۸

کے ساتھ "ہ" مخلوط ہوگئی۔ (۳) "پھر" کا کسرہ "ر" سے لیا گیا ہے۔ "پھر" مادہ "پر" سے ماضی معطوفہ بھی ہو سکتا ہے (۱)

"مت" غالباً سنسکرت، [illegible] سے وضع کیا گیا تھا "ت" بہت پر قیاس کر کے بعد میں اضافہ کر دی گئی۔

ذیل کے کلمات بطور ظروف مستعمل ہیں۔

"آج" سنسکرت "ادی" پراکرت "آج" سے ماخوذ ہے۔ پراکرت کے مشدد حروف میں سے ایک اردو میں گر جاتا ہے اور ماقبل حرف کی حرکت کا اشباع ہو جاتا ہے۔ "کل" کی اصل سنسکرت "کلیہ" ہے جس کے لفظی معنی ہیں صبح۔

"پرسوں" سنسکرت "پر" اور "شوہ" سے مرکب ہے۔

"اترسوں اور" نرسوں" بھی "شوہ" کی مدد سے بنے ہیں۔ "اترسوں" کا جزو اوّل پر ہے اور "نرسوں" کا "انیہ" (دوسرا) لیکن پلیٹس "ترا" کو "دراور" "تل" سے نکالتے ہیں (۲) مجھے یہ زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔

"جھٹ" جلدی اور فوراً سنسکرت میں "جھٹتی" تھا۔ "پٹ" اس کا تابع ہے "ترت" اور "ترنت" دونوں کی اصل سنسکرت "تورتم" ہے۔

---

(۱) اودھی صفحہ ۳۰۳

(۲) ہندوستانی گرامر صفحہ ۱۸۱

باب پنجم

افعال و مشتقات

فعل میں عام طور سے تین چیزیں پائی جاتی ہیں۔ کام، کام کرنے والا اور زمانہ۔ مثلاً کرتا ہے، ایک فعل ہے جس سے کام کرنے والا اور زمانہ حال تینوں ایک ساتھ سمجھ میں آتے ہیں۔ کام پر دلالت کرنے والا لفظ مادہ کہلاتا ہے۔ زمانہ اور فاعل بنانے کے لیے فعل میں کچھ تبدیلیاں کردی جاتی ہیں۔ فعل کی قسمیں ان تبدیلیوں کی بناء پر ہوتی ہیں۔ سنسکرت میں واحد تثنیہ اور جمع فاعل کی تین قسمیں تھیں اور ان کے لحاظ سے فعل کے الگ الگ تین روپ ہوتے تھے۔ مگر تثنیہ پراکرت کے اولین عہد میں غائب ہوگیا۔ اردو میں جہاں عدد کے لحاظ سے یہ کمی ہوئی وہاں جنس کے اعتبار سے ایک اضافہ بھی ہوا۔ سنسکرت فعل میں مذکر و مؤنث کا فرق نہ تھا دونوں کے لئے ایک ہی صیغہ استعمال ہوتا تھا۔ اردو میں مذکر کا صیغہ مؤنث سے الگ ہے۔

"مادہ" فعل کے تمام تغیرات میں موجود رہتا ہے اور ان تغیرات کی علامتیں چھانٹنے کے بعد بچ جاتا ہے چلنا، چلتا ہے، چلے گا، چلنے والا ان سب میں "چل" مشترک ہے۔ یہ مادہ ہے سنسکرت میں دو ہزار کے قریب مادے بتلائے جاتے ہیں۔ یہ سب مستعمل نہیں۔ ان میں سے ویدک ادب اور بعد کی سنسکرت تحریروں میں استعمال ہوئے۔ ان میں سے تقریباً دو سو مادے ویدک ادب کے ساتھ مخصوص ہیں۔ ۱۵۰ بعد کی پیداوار ہیں۔ کل ۹۰۰ مادے

ایسے بھی جو سنسکرت کی ارتقائی تاریخ کے مختلف دوروں میں استعمال ہوتے رہتے۔ پراکرت میں کل کتنے مادے تھے؟ کتنے سنسکرت سے لیے گئے اور کتنے قدیم مادوں سے ڈھالے گئے۔ یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ پراکرت عہد تک آتے آتے بہت سے قدیم مادے متروک ہو گئے اور ان کی جگہ نئے مادے گھڑ لیے گئے۔ کچھ صوتی تغیرات کے زیرِ اثر بدل بدلا گئے۔ کچھ کے معنی میں تبدیلیاں ہو گئیں۔ ذیل کے مادے دکنی اردو میں متعمل تھے لیکن اب متروک ہیں۔ یہ پنجابی اور گجراتی سے دکنی اردو میں آ گئے۔ دلی اور میرٹھ کی عام بول چال میں ان کا چلن نہ تھا۔ جب اردو ادب دانی کا مرکز دکن سے شمالی ہند کی طرف منتقل ہوا تو یہ اجنبی مادے اجنبی الفاظ کے ساتھ ٹکسال باہر قرار دیدیئے گئے۔

آتارا جانا (قتل ہونا) اُچانا (اُٹھانا) اچھنا (رہنا) اونا (شروع کرنا) اُڈنا (تباہ ہونا) انپڑنا (پہنچنا) بینا (بیٹھنا) بھانا (ڈالنا) بھگنا (سیر ہونا) بھیدنا (بیندھ آنا) پاڑنا (ڈالنا) پنوانا (بُرا بھلا کہنا) تھنچنا (تھوکنا پیٹنا) ٹھینا (ٹالنا) جالنا (جلانا) جیرونا (ہضم ہونا) چِلکنا (چمکنا) دِسنا (نظر آنا) دہاٹنا (دھکیلنا) سادنا (انجام دینا) سارنا (عمل میں لانا) ساندنا (تیار کرنا) سپڑنا (ہاتھ میں آنا) سٹنا (ڈالنا) مرنا (ختم ہونا) سنچرنا (آجانا) سنکھارنا (نکال دینا) سوستنا (برداشت کرنا) کاڑنا (نکالنا) کلانا (جھگڑنا) کونڈنا (بند کرنا) گھالنا (ڈالنا) لاٹنا (ذلیل کرنا) لانا (لگانا) لڑنا (کاٹنا) لوڑنا (طلب کرنا) متنا (مست ہونا) نپجانا (پیدا کرنا) نسنا (بھاگنا) ۱۱

اردو مادوں کی تعداد ہورنلے نے ۵۰۳ بتائی تھی۔ یہ دو طرح کے ہیں اصلی یا اصلی وتوابع یا وضعی۔ اولی مادے سنسکرت یا پراکرت سے لیے گئے

ہیں۔ ہورنلے کے نزدیک یہ ۲۹۳ کے لگ بھگ ہیں (۲) ثانوی مادے خود اردو میں قدیم مادوں کی مثال پر گھڑ لیے گئے۔ یہ تعداد میں تقریباً ۱۸۹ ہیں۔

چٹرجی نے اولی مادوں کی حسب ذیل تین قسمیں کی ہیں۔

(۱) وہ مادے جو صورت بدل کر سنسکرت سے اردو میں آئے۔ یہ تدبھو کہلاتے ہیں۔ یہ دو طرح کے ہیں۔

(الف) سادہ مادے

(ب) وہ مادے جن کے شروع میں سابقے ہیں۔

(۲) وہ مادے جو جوں کے توں سنسکرت سے لیے گئے۔ یہ تت سم کے نام سے موسوم ہیں۔

(۳) جن مادوں کی اصلیت پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ یہ دیسی کہلاتے ہیں۔

ثانوی مادوں کی بھی تین قسمیں ہیں۔

(۱) اسمی۔ جو کسی اسم سے بنائے گئے ہیں۔

(۲) ترکیبی۔ وہ مادے جو ترکیب دے کر بنا لیے گئے۔

(۳) حکائی۔ یہ مختلف آوازوں کی حکایت یا نقل ہیں۔ ان کی حسب ذیل تین قسمیں ہیں۔

الف۔ وہ مادے جن کی آواز مکرر ہے۔ جیسے پاپا۔ بل بل۔

ب۔ وہ مادے جن میں دوسری آواز پہلی سے کسی قدر مختلف ہے جیسے کلبلانا۔ تلملانا۔

---

(۱) یہ فہرست "فرہنگ سبارس" مرتبہ مولوی عبدالحق سے ماخوذ ہے۔

(۲) جرنل بنگال سوسائٹی جلد ۹۴ نمبر (۱)

د ۔ جن میں آوازوں کی تکرار نہیں جیسے بچھیں ۔

اسمی مادوں کی مولانا سلیم نے حسب ذیل قسمیں کی ہیں۔

الف جو ہندی لفظوں سے وضع کیے گئے ہیں۔

ب ۔ فارسی الفاظ اور مصادر سے وضع کیے گئے ہیں۔

ج ۔ عربی الفاظ یا مادوں سے بنائے گئے ہیں۔

۱۔ اصلی یا اولی مادے

اصلی مادے اکثر ایسے ہیں جو ... کے ساتھ پہچان لئے جاتے ہیں۔ اور جن کا جوڑ سنسکرت مادوں سے لگایا جا سکتا ہے۔ ان میں سے چند درج ذیل ہیں:۔

کس (کرش)، کر (کر)، کانپ (کمپ)، کاٹ (کرت)، کات (کرت)، کھا (کھاد)، کہنا (کتھ)، کھیل (کریڑ یا کھیل)، چل (چل)، چر (چر)، بانٹ (وٹ)، دے (دا)، دیکھ (درکش)، چوم (چمب)، پڑ (پت)، بڑھ (بڑھ)، چن (چ)، چو (چیت)، جاگ (جاگر)، جی (جیو)، جان (جیا)، جل (جول)، جن (جن)، جا (یا)، تان (تن)، ٹوٹ (ترٹ)، ٹھگ (ستھگ)، دھر (دھر)، دوہ (دو)، تر (تر)، دھنس (دھوس)، نات (سنا)، پی (پیپ)، پک (پکی)، پوچھ (پوچھ) باندھ (بندھ)۔

کبنس (دمس)، برس (ورش)، بول (برو)، بوجھ (بدھی)، بھر (بھر)، مر (مر)

۱۔ یہ تپک سے اسم مفعول ہے۔

.کھ (رکش) ٹنگ (ٹنگ) لوٹ (لُنٹھ) سونگھ (شنگھ) سُن (شُر) سو (سوپ) سِی (سیو) مل (مل) سوکھ (شُشک) سہا (شہ) متھ (منتھ) ہنس (ہس) چاہ (اِچھ) رُو (رُود) لے (لبھ) تاؤ (تپ) پا (پراپ) چیپ (چِپ) بڑھ (بردھ) چھید (چھید) لگا (لگ) نوچ (لُنچ) سوچ (شُچ) تڑپ (ترپ) گِن (گنئ) سیکھ (شِکش) کود (سکند) تک (تک) پیس (پِش) مان (من)

ذیل کے مادے سابقوں کی مدد سے بنائے گئے ہیں۔

اٹھ (اُت-ستھا) اکھاڑ (اُت-کرش) آ (آ+یا) اچھل (اُت-شل) اُتر (اُت-تر) اُپج (اُت-پد) نبڑ (نی-ورت) پرکھ (پر-ایکش) اُدھیڑ (اُدھر) اڑ (او-ڈی) بگڑ (وِ-کر) سنبھال (سم-بھال) سونپ (سم-ارپ) جھانک (ادھی-ایکش) بیٹھ (اُپ-وِش) بھیگ (ابھی-انج) سدھر (سُ-دھر) نکھر (نی-کشر) نتھار (نی-ستھل) پسر (پر-سر) پہنانا (پی-نہ) بگڑ (وِ-گھٹ) بسر (وِ-سر) نباہ (نر-واہ) پلٹ (پر-ورت) پہن (پر-دھا) نچوڑ (نِ-سر)۔

سنسکرت کے بعض مادوں کو جب گردانا جاتا تھا تو اُن میں کچھ حروف بڑھا دیئے جاتے تھے۔ قدیم فارسی میں بھی ایسا ہی تھا۔ ان اضافہ شدہ حروف کے اعتبار سے سنسکرت میں دس قسم کی گردانیں تھیں۔ اُن کو گنٹر کہتے تھے۔ فارسی میں نو طرح کی گردانیں تھیں۔ موجودہ فارسی میں مضارع اور ماضی کے مادوں میں جو فرق نظر آتا ہے اس کی ایک فعل کی گردانوں کا یہ اختلاف ہے (۱) گنٹروں، کا امتیاز اب کھرنش عہد میں نہ رہا لیکن اردو کے بعض نئے

---

(۱) ہورنلے نے اس کی اصل "نی۔ کچ" بتائی ہے۔

آتھ بھی ایسے ہیں جن میں اضافہ شدہ حروف ملتے ہیں۔ یہ حروف مادوں کے ساتھ گھل مل گئے ہیں۔ 'ی' کے اضافے کی مثالیں۔

'ناچ (نرت۔ی) 'چ' 'ت' کا بدل ہے۔ بوجھ (بدھ۔ی) 'جھ۔دھ' کا بدل ہے۔ بوجھ (بدھ۔ی) سمجھ (سم۔بدھ۔ی) وغیرہ۔ ذیل کے مادوں میں "ن" کا اضافہ ہوا ہے۔

چھن (چ۔نو) سن (شر۔نو) جان (گیا۔نو) دھن (دھو۔نو) وغیرہ۔

کچھ اولی مادے ایسے ہیں جن کی اصل کا کچھ سراغ نہیں لگتا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ دراوڑ وغیرہ وغیرہ آریائی زبانوں سے اردو میں آئے اور یہ بھی ممکن ہے کہ سنسکرت سے لئے گئے۔ لیکن روپ بدل جانے کی وجہ سے ان کی پہچان نہ ہوسکی۔ ان میں سے چند یہ ہیں۔

سانا۔ بٹنا۔ موڑنا۔ سیکڑنا۔ کھلنا۔ گھرنا۔ چھپنا۔ ڈوبنا۔ بیانا۔ رہنا۔ لڑنا۔ جھگڑنا۔ ان میں سے "چھپ" "رہ" اور "لڑ" کو ہور نلے نے بترتیب "کش" "رکش" اور "لڑ" سے نکالا ہے اور "رہ" کے اشتقاق کو کسی قدر غیر واضح بتایا ہے۔

سنسکرت تت سم مادے اردو میں کم ہیں۔ ہندی اور بنگلہ وغیرہ زبانوں میں ان مادوں کا داخلہ ۱۸۰۰ء کے بعد تحریک احیا کے زیر اثر ہوا۔ اردو میں سنسکرت تت سم مادوں کی جگہ عربی، فارسی الفاظ سے وضع کئے ہوئے مصادر اور مادے کثرت کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں۔ ان کا ذکر جعلی مصادر کے سلسلے میں کیا جائے گا۔

---

(۱) آفرید ماضی ہے اور "آفرینڈ" مضارع۔ اس میں "ن" الحاقی ہے۔

کچھ مصادر فارسی سابقوں کی مدد سے بنائے گئے ہیں۔ یہ حال کی پیداوار ہیں بساتا۔ برلانا۔ بہم پہنچانا۔ باز آنا۔ باز رکھنا۔ پیش آنا۔ در آنا۔ ان کو مرکب وضعی مصادر میں شمار کرنا چاہیئے۔ اس لئے کہ یہ فارسی سابقوں اور ابتدائی مادوں کی ترکیب سے بنے ہیں۔

۲۔ وضعی یا ثانوی مادے

وضعی مادوں سے "اسمی" اسم ذات اور اسم صفت دونوں سے ڈھالے گئے ہیں۔ اسم ذات کے آخر میں "ے ا" اور "یا" بڑھاکر اور اسم صفت کی حرکت کا "کن" یا ورمی اکر کے "ے ا" "یا" سنسکرت (علامت تعدیہ) سے ماخوذ ہیں۔ کبھی اسم جوں کا توں بطور فعل استعمال ہوتا ہے۔ جیسے کیلنا (کیل) اونگھنا (اونگھ) کماتا (کام) جمنا (جنم) سہانا (سکھ) اجالنا۔ (اجلا) اجاڑنا (اجڑ) تھامنا (تھمب) انگلانا (انگلی) ڈنڈیانا (ڈنڈا) پتھرانا (پتھر) تیورانا (تیور) تھڑنا (تھڑبلا) سٹھیانا (ساٹھ) ٹھنڈیانا (ٹھنڈا) ہتھیانا (ہاتھ) لنگڑانا (لنگڑا) پڑتالنا (پڑتال) لہرانا (لہر)۔

ذیل کے مصادر عربی و فارسی کلمات سے وضع کئے گئے ہیں۔

بخشنا۔ بخشنا۔ تراشنا۔ خریدنا۔ داغنا۔ رنگنا۔ سہمنا (سہم۔ خوف) فرمانا۔ شرمانا۔ گزرنا۔ لرزنا۔ بدلنا۔ قبولنا۔ دفنانا۔ اسی طرز پر حال ہی میں بہت سے مصادر بنائے گئے ہیں۔ برمانا۔ برتانا۔ فلمانا۔

اردو میں اسماء و صفات بطور فعل مستعمل ہیں اور جن میں "ے ا" اور

'یا' علامات بڑھائی گئی ہیں۔ وہ متعدی ہیں (راسوچندکے) اس لئے کہ اردو میں یہ تعدیہ کی علامت ہے۔

مرکب مادے دو طرح کے ہیں۔ اسم اور مصدر سے ترکیب پائے ہوئے جیسے معاف کرنا۔ اجازت دینا وغیرہ اور دو اولی مصادر سے بنائے ہوئے اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ دونوں مل کر ترکیب پاکر جدا جدا رہیں۔ اور مخلوط ہونے نہ پائیں۔ جیسے گر پڑنا۔ اتر جانا۔ نکل چلنا۔ کر دینا اٹھ سکنا وغیرہ۔ دوسرے یہ کہ دونوں گھل مل جائیں۔ جیسے چمکنا (چم + کر) جھلکنا (جھل + کر) یہ مصادر اور سنسکرت مادہ کر کی ترکیب سے بنے ہیں۔ اردو کے اکثر مصادر جن کے آخر میں یہ "ک" (کر) ہے۔ حکائی ہیں جو کسی نہ کسی آواز کی نقل و حکایت کرتے ہیں۔ جیسے دمکنا۔ (دم کر) ٹپکنا (ٹپ کر) دھڑکنا (دھڑ کر) کھٹکنا (کھٹ کر) اٹکنا۔ چمکنا۔ بہکنا۔ جھلکنا۔ لپکنا۔ لچکنا۔ بھڑکنا۔ پھونکنا۔ (پھٹ کر) اکسانا اصل میں اسکانا تھا۔ یہ سنسکرت "آت کرش" سے ماخوذ ہے۔ اس کے علاوہ چٹرجی نے چند ایسے افعال کا ذکر کیا ہے جو "ٹ" "ڈ" "ڑ" "ر" "ل" "س" "چ" کے اضافے سے بنے ہیں۔(۱) مثلاً پراکرت 'وٹ' اور سنسکرت "ورت" کا بقیہ ہے۔ "جھپٹ" (پراکرت) جھمپ) ڈپٹ (دریپ) رپٹ۔ لپٹ۔

'ڈ' ایک الحاقی حرف ہے جو غالباً اپ بھرنش 'ڈ' کے قائم مقام ہے۔ یہ حرف اکثر کلمات میں اضافہ ہوتا رہا ہے۔ "دل دہاڑے" کا "دھاڑے" اپ بھرنش میں 'دھڈا' تھا جو سنسکرت "دوس" کا بگاڑ ہے۔ اردو کے چند مصادر اس الحاقی حرف کی مدد سے بنے ہیں۔ دوڑ، دوڑ دھاؤ۔ (ڈ)(۱) پکڑ (پرک۔ ڈ)

---

(۱) بنگالی کا آغاز و ارتقاء صفحہ ۸۰۶

بچھڑ (بچھ - ڑنا) رگڑ۔ اکھاڑ اصل میں "ات کرش" تھا۔ اجاڑ کو بھنڈارکر "اجول" سے ماخوذ بتاتے ہیں۔ اور چڑھی اجاڑ، سنسکرت "اد۔ جہات" سے۔ اجاڑ ان مصادر سے الگ ہے۔ وہ سنسکرت "ات پاٹیتی" سے ماخوذ ہے۔ بگڑنا۔ غالباً وی۔ کر تھا۔

"ر" اور "ل" یا تو الحاقی ہیں یا مشتق۔ اردو میں یہ حروف کم استعمال ہوئے ہیں پالنا (پا+ل)، پھسلنا (پھس+ل)، ٹھہرنا (ستھ + ر) گھبرانا (گپ + ر) سدھرنا (سدھ+ر)۔ اردو بتلانا کھلانا وغیرہ میں "لا" تعدیہ کا ہے اور پلانا اور نکالنا میں اصل مادے کا "بلانا" بولنے کا متعدی ہے اور نکالنا نکالنے کا "نکل" غالباً "نِر" تھا۔

"س" شاید "سا" کا مخفف ہے اور مثلیثہ ظاہر کرتا ہے کہ اردو میں اس کی دو چار سے زیادہ مثالیں نہیں ملتیں۔ مچاس۔ کس۔ امس۔ کھانس۔ گھونس۔

یہ مادے اصل میں حکائی ہیں۔

حکائی مادوں کی بابت میں عرض کر چکا ہوں کہ ان کی دو قسمیں ہیں۔ سادہ اور مکرر۔ مکرر دو طرح کے ہیں۔ دونوں آوازیں ایک جیسی ہوں یا ایک دوسرے سے کسی قدر مختلف حکائی مادے یوں تو ویدک۔ سنسکرت پالی اور پراکرت میں بھی تھے۔ لیکن جدید بولیوں میں ان کی کثرت ہے۔ وحیدالدین سلیم نے وضع اصطلاحات میں ۴۰۰ کے قریب حکائی مصادر گنائے ہیں۔ یہ مصادر تینوں قسم کے مادے پر مشتمل ہیں۔ سادہ اور بسیط مصادر یہ ہیں۔

چلانا۔ پھونکنا۔ چمکنا۔ چٹخنا۔ دھنا۔ ٹپکنا۔ چٹکنا۔ کھانسنا۔ جھپٹنا۔ دھڑکنا۔ ٹپکنا۔ کھٹکنا۔ تڑپنا۔ جھکنا۔ کڑکنا۔

مکرر مصادر کی مثالیں جن میں دو آوازیں ایک جیسی ہیں۔

---

(۱) گریرسن نے سنسکرت مادہ "ورِ" سے اس کو نکالا ہے۔

کھٹ کھٹانا۔ پل پلانا۔ چڑ چڑانا۔ پھڑ پھڑانا۔ تڑ تڑانا۔ تن تنانا۔ گن گنانا
بڑبڑانا۔ ذیل کی مثالوں میں آوازوں میں ذرا سا فرق ہے۔
سٹ پٹانا۔ چلبلانا۔ جگمگانا۔ ڈگمگانا۔ کسمسانا۔ کلبلانا۔ لڑکھڑانا۔ ہڑبڑانا۔
بڑبڑانا وغیرہ۔

مکرر مصادر میں حرکت بدل جانے سے اکثر معنے بدل جاتے ہیں۔ اور مصدر نیا روپ اختیار کر لیتا ہے۔ جیسے گڑگڑانا۔ (بادل گرجنا) گڑگڑانا (حقہ پینا) گڑگڑانا (خوشامد کرنا)

۳۔ مصدر اور حاصل مصدر

مادے "پڑنا" بڑھانے سے مصدر بنتا ہے۔ جیسے کھانا۔ لانا۔ پینا وغیرہ۔
حاصل مصدر اور سادہ اردو میں دونوں کی شکل ایک جیسی ہے۔ علامت مصدر گرانے سے حاصل مصدر وجود میں آتا ہے اور مادہ بھی۔ جیسے مار دوڑ۔ کھیل
حاصل مصدر بناتے وقت کبھی مصدر کی درمیانی حرکت کو "گن" کر دیا جاتا ہے یہ
کہ "ا" ہو جاتا ہے اور "ب" کا "ے"۔ جیسے چلنا سے چال۔ ملنا سے میل
اردو میں حاصل مصدر کی تکرار سے بھی حاصل مصدر بنائے گئے ہیں۔ جیسے توڑ
پھوڑ۔ بول چال۔ جوڑ توڑ۔ کاٹ چھانٹ۔ لاگ۔ ڈانٹ۔ لوٹ۔ پیٹ۔

"نا" علامت مصدر سنسکرت [illegible] پراکرت [illegible] اور لاحقہ [illegible] سے وضع کی گئی ہے۔ ہورنلے [illegible] سے نکالتے ہیں۔ بیمز اور کیلاگ بھی اس سے متفق ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اس اشتقاق سے جہاں مختلف بولیوں میں استعمال ہونے والے مصادر کا حل نکل آتا ہے۔ وہاں مصدر کے مختلف استعمال کی وجہ بھی سمجھ میں آجاتی ہے۔ (۱) سنسکرت "ـــــ یتیہ" اور فارسی

ے لی" دونوں ایک ہیں۔ اور سنسکرت میں انیم "تا" اس سے اس طرح بنا۔ کرنا یم۔ کرنا م۔ کرن ام "کرنوں کرنا۔

اُردو میں "نا" کے دو استعمال ہیں۔ ایک مصدری "کھانا زندہ رہنے کے لئے ہے"۔ اس میں "کھانا" کا "نا" مصدری ہے۔ دوسرے صفتی اور استقبالی۔ جیسے "بھیجنا ہے ایک کمسن کے لئے" بھیجنا کے معنی ہیں بھیجوں گا۔ یہ استعمال فارسی فرستادنی کے مطابق ہے۔ اردو کا یہ "نا" مصدری "نا" سے مختلف ہے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ یہ سنسکرت "آنیئہ" سے ماخوذ ہے۔ مصدری "نا" یا تو "تم" سے لیا گیا ہے یا سنسکرت علامت مصدر "انا" سے جیسا کہ پلیٹس کی رائے ہے۔ الف بطور الحاق بعد میں اضافہ کیا گیا۔ (۲) پڑھن (پڑھنا) پتن (گرنا) قدیم اُردو میں حاصل مصدر مصدر کے معنی میں استعمال ہوتا تھا۔ ملنے نہ پایا۔ کو ملن نہ پایا اور کرنے لگا کو "کرن لگا" کہتے تھے۔ شیرانی نے اس کے ثبوت میں ذیل کے دو شعر پیش کئے ہیں۔

کروں کیا وقت نہیں ہے اب ملن کا
نہ کچھ فرصت ہے اب باتاں کرن کا

رہی اس بات سوں عاجز ہو وا کی
زلیخا کے اگل بولن نہ پائی

کرن کا۔ کرنے کا۔ بولن نہ پائی۔ بولنے نہ پائی۔

بھنڈارکر بھی "نا" کو "ان" سے نکالتے ہیں لیکن وہ الف کو پراکرت

---

(۱) ہورنلے صفحہ ۱۵۳ بیمز جلد ۳ صفحہ ۲۴۷ کیلاگ صفحہ ۳۲۸

(۲) ہندوستانی گرامر صفحہ ۱۳۰

کلمہ الحاق "ک" کو بدل جاتے ہیں۔ الحاق "ک" اضافہ کرنے سے قدیم پراکرت "انکم" بنا۔ پراکرت کے دوسرے دور میں "انام" ہوا اس سے اردو میں "ناں" "نا" وجود میں آیا۔ تیسرے دور میں اس کا روپ "اناواں" ہوتا ہے۔ اس سے گجراتی "نوں" کی پیدائش ہوئی۔ مرہٹی "میا" اور "برج" "انیم" سے لئے گئے ہیں۔ جو "انام" کا دوسرا قدم ہے۔ اس لحاظ سے انہیں بعد کی پیداوار سمجھنا چاہیئے۔ (۱)

۴۔ تعدیہ

فعل کی دو قسمیں ہیں۔ لازم اور متعدی۔ لازم کو متعدی بنایا جا سکتا ہے۔ اسے تعدیہ کہتے ہیں۔ تعدیہ متعدی کا بھی ہوتا ہے۔ اس قسم کے فعل کو اصطلاح میں متعدی بالواسطہ کہتے ہیں۔ کھلانا۔ کھلانا۔ کھلوانا۔ کرنا۔ کرانا۔ کروانا۔ ان میں پہلا متعدی ہے۔ دوسرا متعدی بیک واسطہ یا مولانا عبدالحق کے لفظوں میں متعدی المتعدی۔ تیسرا متعدی۔ بدو واسطہ۔ مولانا عبدالحق صاحب نے اس کو متعدی بالواسطہ کہا ہے۔ اردو میں تعدیہ کے دو طریقے ہیں۔

(۱) اعادی المقطع یاد رہے گا۔ درمیانی حرکت کا اشباع (گنت یا ہردگی) کرنا جیسے کٹنا سے کاٹنا۔ بندھنا سے باندھنا۔ کھنچنا سے کھینچنا۔ کھلنا سے کھولنا۔ پٹنا سے پیٹنا۔ چھٹنا سے چھوڑنا۔

---

(۱) لیکچرز صدر ۲۲

(۲) مادے کے آخر میں "ے ا" یا "وا" بڑھاتا۔ جیسے کرنا سے کرانا۔ کروانا۔ پڑھنا سے پڑھانا۔ اٹھنا، اٹھانا، اٹھوانا وغیرہ۔

معلول الاواخر مادوں میں "ے ا" کا لا اور وا، کا "لوا" ہو جاتا ہے۔ جیسے 'کھا' سے کھلانا اور کھلوانا 'پی' سے پلانا اور پلوانا 'سو' سے سلانا اور سلوانا۔

سنسکرت میں تعدیہ کا ایک ہی طریقہ تھا وہ یہ کہ مادے کے آخر میں [illegible] اضافہ کر دیا جاتا تھا(۱)، جیسے پچ سے "پاچیتی" (وہ پکاتا ہے) اور "پٹھ" سے [illegible] (وہ پڑھاتا ہے) لیکن [illegible] اضافہ کرتے وقت شروع اور درمیان کی حرکت کا "گن" ہو جاتا تھا۔ تعدیہ کا پہلا طریقہ سنسکرت کے تعدیہ سے لیا گیا ہے۔ اور اشباع حرکت کو جو "ای" اضافہ کرنے کے ساتھ ہوتی تھی۔ متعدی بنانے کا ذریعہ ٹھیرا لیا گیا ہے۔ رہا "ے ا" سو وہ سنسکرت "اَئی" سے ماخوذ ہے۔ سنسکرت کے بعض مادوں میں "ی" سے پہلے "پ" بھی ہوتی تھی جیسے "ٹا" سے "ٹاپَیتی" (وہ ملاتا ہے) یہ "پ" بھی سنسکرت میں صرف معلول الاواخر مادوں میں اضافہ کی جاتی تھی لیکن پراکرت کے عہد اوّل میں یہ اضافہ اتنا عام ہو گیا کہ بلا تفریق مادے کے آخر میں "ای" کی جگہ "اَپی" جوڑا جانے لگا۔ چٹرجی کا بیان ہے(۲) کہ اشوک کے کتبوں میں کاراپت (کارت۔ پارت) جیسے کتبوں میں کاراپت پاراپت (کارت۔ پارت) جیسے روپ بہت ملتے ہیں۔ پراکرت کے دوسرے دور میں "پ" "و" ہوئی۔ "اَئی" پہلے ہی "ا ے" ہو گیا تھا۔ اس طرح "اِدے" بنا۔ یہ لاحقہ پراکرت کے تیسرے دور میں چل نکلا۔ اور عام طور سے "تعدیہ" کا کام دینے لگا۔

---

(۱) سنسکرت گرامر وہٹنے صفحہ ۳۸۸ (۲) بنگالی صفحہ (۱۳)

اردو "ے ا" اور "وا" "ے او" سے ڈھالے گئے ہیں۔ پہلا اس مخفف ہے اور دوسرا مقلوب کرانا اور کروانا دونوں کی اصل "کروانا" ہے۔ برج میں "کروانا" ہی ہے۔ دکنی اردو میں بھی کروانا تھا۔ شمالی ہندوستان میں "کروانا بولا جاتا تھا۔ یہی فصیح اور شستہ ہے۔

مادے کے بعد کا جو الف پراکرت اور اردو میں ہے مجھے زیادہ قدیم معلوم ہوتا ہے۔ یہ فارسی میں بھی ہے اور غالباً ہند ایرانی عہد کی یادگار ہے۔ میں "ے ا" اور "وا" کی تاریخ جدا جدا سمجھتا ہوں۔ کیلاگ کا بیان ہے کہ بعض سنسکرت مادوں میں "پ" کی جگہ متعدی میں "ل" اضافہ کیا جاتا تھا۔ جیسے "پا" (حفاظت کرنا) سے "پالے" اردو کا "ل" یہیں سے لیا گیا ہے جو کھلانا۔ بٹھلانا وغیرہ افعال میں ہے۔ پلیٹس "ل" کو "ی" کا بدل بتاتے ہیں۔ جیسے لیٹی سے لٹی یا لاٹھی۔

گریرسن پراکرت لاحقہ "لِ" سے اس کا جوڑ لگاتے ہیں جو اکثر اسما و صفات کے آخر میں جوڑا جاتا رہا ہے (۱) سکسینا اس کی اصل کے بارے میں قطعی طور پر کچھ نہیں کہتے (۲) بیمز اور ہورنلے بھی خاموش ہیں۔

"ے ا" اور "وا" میں سے اول تعدیہ بالنفس اور تعدیہ بالواسطہ دونوں کے لئے ہے اور ثانی صرف تعدیہ بالواسطہ کے لئے۔

ہورنلے نے تعدیہ بالواسطہ کی علامت "وا" کو دہری علامت تعدیہ "ے وا" سے مخفف مانا ہے (۳) کروانا اصل میں "کرواونا" تھا۔

---

(۱) جرنل بنگال سوسائٹی ۱۸۹۶ء حصہ اول صفحہ ۱۰۵

(۲) اودھی کا ارتقا صفحہ ۲۹ (۳) ہورنلے پیرا ۵۲۸

جس طرح کروانا سے 'و' گرا کر 'کرانا' بنا یا گیا اسی طرح "کروانا" سے جب دوسرا 'و' گرا تو کروانا وجود میں آیا۔ یہ اشتقاق بہت واضح ہے۔

۵۔ فعل معاون

اردو تحلیلی زبان ہے۔ اس کے افعال کی گردان جداگانہ اور مستقل کلمات کی مدد سے ہوتی ہے۔ یہ کلمات معاون افعال کہلاتے ہیں۔ یہ تین ہیں: "ہے" "تھا" اور "گا" 'ہے' حال کے لئے۔ 'تھا' ماضی کے لئے اور 'گا' مستقبل کے لئے۔ یہ افعال متصرف ہیں۔ ان کی گردان اس طور پر ہے

	واحد	جمع	
(ہے)	ہے	ہیں	(غائب)
	ہے	ہو	(حاضر)
	ہوں	ہیں	(متکلم)
	تھا	تھے	
	گا	گے	

"تھا" اور "گا" کے دو صیغے ہیں۔ ایک واحد کے لئے اور دوسرا جمع کے لئے۔ اس میں غائب حاضر وغیرہ فاعلی حالتوں کی تفریق نہیں۔

"ہے" کی بابت کہتے ہیں کہ وہ سنسکرت "اَس" (ہونا) سے فعل حال کا صیغہ واحد غائب ہے۔ یہ اصل میں "اَستی" تھا۔ اَسِی۔ اسے اہے اور پھر "ہے" قدیم اردو میں یہ "اہے" تھا۔ اس پر ڈاکٹر چٹرجی کا اعتراض ہے کہ "اس" سے فعل حال "اَسِی" ہے جس سے پراکرت "اَتھی" بنا۔

یہ : وہی پراکرت میں مستعمل تھا۔ "اَستی" سنسکرت میں اور "اَہی" پراکرت میں کوئی صیغہ نہیں۔ اُردو "ہے" اس سے نہیں لیا جا سکتا۔ دوسرے "اس ما "ہ" سے تبادل سنسکرت میں عام نہ تھا۔ یہ سراسر تکلّف ہے کہ "ہے" جیسے عام اور کثیر الاستعمال صیغے کو "اَہی" کی پیداوار بتایا جائے۔ ان دِقتوں کی وجہ سے کچھ علماء نے "ہے" کو سنسکرت "بھو" (فارسی بو) سے نکالا یہ کہتے ہیں کہ "اصل میں "بھوتی" تھا۔ ہُوتی ہوتی ہے۔ یہ اس کے مختلف مدارج ہیں۔ یہ بھی خالی از تکلف نہیں۔ اوّل اس وجہ سے کہ سنسکرت الفاظ کے شروع میں تغیر بہت کم ہوتا ہے۔ (۱) دوسرے اس وجہ سے کہ "ہے" اور "ہوتی" اُردو میں جدا جدا دو صیغے ہیں۔ کھڑی کا ہے اور ہوتی برنج اور اودھی کا صوتی طور سے بھی یہ مختلف صیغے ہیں۔ اس لئے ان میں سے ایک دوسرے سے ماخوذ نہیں ہو سکتا۔ اور اگر "ہے" کھینچ تان کر ہوتی سے نکال بھی لیا جائے تو اس کے قدیم رُوپ "اہے" کا کیا ہوگا؟

دراصل "ہے" "بھو" اور "اس" کے علاوہ ایک اور مادّے "اہو" سے وضع ہوا ہے۔ اس کے دو رُوپ ہیں۔ "اہو" اور "ہے"۔ یہ دونوں رُوپ پالی میں تھے اور "بھو" اس کے ساتھ ساتھ ان کی پوری گردان کی جاتی تھی۔ "اہو" "بھو" سے متفرع نہیں ہوا اور نہ اس سے تحت صوتی کے زیر اثر وجود میں آیا۔ یہ مستقل اور آزاد مادّہ ہے اور اتنا ہی قدیم ہے جتنا "بھو" اور "اس"۔ کسی زمانے میں یہ سنسکرت میں بھی تھا۔ لیکن بعد میں غالباً "بھو" اور "اس" نے اسے نکال باہر کیا۔ اس کے دو بڑے قرینے ہیں۔ ایک

---

(۱) ہندوستانی پارہ ۳۲۴

یہ کہ "ہو" عبرانی اور کلدانی میں بھی ہے اور اس کے معنی بھی یہی ہیں۔ دیگر پالی اور پہلوی میں "ہو" اور اس کے پہلو بہ پہلو استعمال ہوا ہے۔ پہلوی میں اس کو اس طرح گردانا گیا ہے۔

	مفرد	جمع
(غائب)	ہوات	ہواند
(حاضر)	ہوای	ہوایت
(متکلم)	ہوام	ہوایم

یہ پالی کی حسب ذیل تعریف سے مطابق ہے۔

ہوتی۔ ہونتی ۔ ہوسی ۔ ہوتھ ۔ ہومی ۔ ہوم

"ہو" پہلوی میں "بوتن" پہلے جو سنسکرت "بھو" کا بھائی ہے داخل ہوتا تھا۔ اور عام افعال کی طرح "بوتن" کو ماضی کے قریب بناتا تھا۔ اردو "ہے" اس مادے کے دوسرے روپ "ہے" سے لیا گیا ہے۔ "اردو میں "ہو" بھی ہے لیکن وہ فعل ناقص ہے۔ ماضی، حال اور مستقبل ان تمام زمانوں میں اس کی گردان کی گئی ہے۔ ہوا، ہوا ہے، ہوگا، ہوا تھا، ہوگا وغیرہ ان صیغوں میں ہے اور "تھا" فعل معاون کی طور پر استعمال ہوئے ہیں۔" "ہے" کا الف یا تو "ہوات" سے لیا گیا ہے یا "تھا" پر قیاس کر کے بعد میں اضافہ کر دیا گیا۔ (۱)

"تھا" میں بھی اختلاف ہے۔ شیام سندر اور دھریندر اسے سنسکرت "ستھا" (ٹھہرنا) سے ماخوذ بتاتے ہیں۔ کچھ عالموں کا خیال ہے کہ وہ سنسکرت مادہ "اس کے صیغہ جمع حاضر "ستھ" (تم ہو) کی پیداوار ہے۔

---

(۱) عام طور سے "ہوا" کو "بھو" سے اور "ہے" کو اس سے نکالتے ہیں۔

شیام سندر کا اعتراض ہے کہ اردو "تھا" ماضی کا صیغہ ہے اور مفرد ہے۔ وہ "ستھے" سے جو فعل حال سے صیغہ جمع ہے کیسے نکالا جا سکتا ہے۔ ان کے نزدیک سیدھی سی بات ہے کہ اسے "ستھا" کے صیغہ واحد غائب (ماضی معروف) اشتہات (وہ ٹھہرا) سے مشتق مانا جائے۔ مجھے یہ دونوں اشتقاق حقیقت سے بعید اور قیاس کے خلاف نظر آتے ہیں۔ "تھا" بھی "ہو" "ہی" سے بنا ہے اور ماضی سے واحد غائب کا صیغہ ہے۔ یہ اصل میں "ہوتا" تھا۔ "ہو" سخت صوتی کی نذر ہوا۔ "تھا" بچ رہا۔ اردو میں آگے چل کر "ہوتھا" "تھا" کے معنی میں بولا جاتا تھا۔ اس میں غائب، حاضر، متکلم، مفرد اور جمع کا فرق نہ تھا۔ سب کے لئے "ہوتھا" استعمال ہوتا تھا۔ (۱) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کلمہ پراکرت عہد ہی میں بطور فعل معاون استعمال ہونے لگا تھا۔ "اتھا" کا الف "و" کا قائم مقام ہے۔ دہلی کے قریب بعض دیہات میں "تھا" کی جگہ "ہا" آج بھی بولا جاتا ہے۔ جیسے "گیا ہا" (گیا تھا) "ہا" "تھا" کا ایک روپ ہے اور اس سے بگڑ کر بنا ہے۔ پنجابی "سی" غالباً سنسکرت "آسیت" سے بنا کر لیا گیا۔ بیمز نے "تھا" کو اَستھا سے مختلف ما ہے جو سنسکرت اسم مفعول "ستھیتہ" کا ایک روپ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ "گا" اور "گا" "اگر اکرتہ" اور "گتہ" سے ماخوذ ہو سکتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ "ستھیتہ" سے مشتق نہ مانا جا سکے۔ (۲) اس صورت میں اس کے تغیرات یہ ہوں گے۔ ستھیتہ، تھاؤ، تھا، تھیا، تھا۔ پروفیسر شیرانی نے "تاریخ فیروز شاہی" سے سندھیوں کا ایک جملہ نقل کیا ہے۔ اس میں "تھیا" موجود ہے وہ جملہ یہ ہے۔ "برکت شیخ تھیا ایک موا

---

(۱) مبادی پراکرت ولز حاشیہ صفحہ ۱۹۱ (۲) بیمز جلد ۳ صفحہ ۲۰۹

نہا (بھاگا)

"گا" کے باب میں سب متفق ہیں کہ وہ جدید لاحقہ ہے اور اردو میں مستقبل کے معنی ادا کرنے کے لئے حسب قاعدہ "گم" (جانا) سے وضع کیا گیا تھا۔ سنسکرت فعل مستقبل "داسیتی" (وہ دے گا) کی تحلیل لغوی اس طور پر کی گئی ہے۔ "دا" (دینا) "سی" (علامت استقبال) "تی" (وہ علامت فاعل) "سی" "س" اور "ئی" سے مرکب ہے۔ "س" مختصر ہے "اس" (ہوتا) کا اور "ئی" "یا" (جانا) کا۔ اس تحلیل کے مطابق "داسیتی" کا لفظی ترجمہ ہے دینا ہونا جانا یعنی دینے کا اس کی طرف سے ہوتا یا دیا جانا۔ اسی بنا پر اردو بولنے والوں نے بھی جانے کا ایک روپ "گد" سے یہ کام لیا۔ "گا" اصل میں "گتہ" (گیا ہوا) تھا۔ یہ مصدر "گم" کا اسم مفعول ہے۔ گتہ۔ گاہ۔ گا۔ یہ اس کی کڑیاں ہیں۔ دے گا کا لفظی ترجمہ "دینہ گیا ہوا" (۱)۔

۴۔ مشتقات افعال

اردو میں مشتقات کی تین قسمیں ہیں۔ اسم فاعل، اسم مفعول اور اسم حالیہ۔ سنسکرت اور انگریزی قواعد نویسوں نے ماضی معطوفہ کو بھی مشتقات میں شامل کیا ہے۔ مولانا عبدالحق صاحب اسم مفعول کو حالیہ تمام اور حالیہ کو حالیہ ناتمام اور ماضی معطوفہ کو حالیہ معطوفہ کہتے ہیں۔ میں قدیم اصطلاحات ترک کرنے کی کوئی وجہ نہیں سمجھتا۔ مشتق کی ایک قسم اور بھی ہے میں اس کا نام اسم استقبالیہ تجویز کرتا ہوں۔

اسم فاعل اردو میں مصدر یا حاصل مصدر پر لاحقہ "والا" اضافہ کرنے سے بنتا ہے۔ جیسے چلنے والا۔ پڑھنے والا۔ برج یا اودھی کا "ہار" بنیا

---

(۱) حیدر آباد صفحہ ۱۲

"ہارا" بھی اُردو میں مستعمل ہے لیکن یہ لاحقہ حاصل مصدر کے آخر میں جوڑا جاتا ہے جیسے ہونہار، پالن ہار، جان ہار(۱) کھیون ہار وغیرہ۔ قدیم اُردو شاید برج کے زیر اثر "ہار" زیادہ مستعمل تھا۔ لیکن اس سے یہ سمجھنا کہ "ہار" والا سے زیادہ قدیم ہے، غلط ہے۔ عبدالرحیم خانخاناں کے ہاں جو 'برج' کے شاعر ہیں "والا" بھی ملتا ہے۔

یوں رحیم لیکھ ہوت ہے اپکاری کے انگ
بانٹن والے کے لگے جیوں مہندی کا رنگ

"والا" سنسکرت "پالک" کا بچہ ہے۔ گویا "والا" سنسکرت میں گویا "پالک" تھا۔ 'پ' کا تبادل 'و' سے بہت عام ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ "والا" اوّل اوّل "گوالا" سے تراشا گیا۔ بعد میں بطور لاحقہ دوسرے اسماء مصادر میں بھی جوڑا جانے لگا۔ "ہارا" کو سنسکرت 'دھرمک' (رکھنے والا) سے مشتق بتاتے ہیں۔ کیلوگ کہتے ہیں کہ بروانی کی نظم رسا کی پہلی سطر میں استعمال ہونے والے مرکب "دھارن" دھاریم کی ہندی دھارن ہارا ہے۔ ڈاکٹر ٹرمپ نے "ہار" کو سنسکرت "کار" سے نکالا ہے۔ کار۔ کہار۔ ہار۔ لیکن اس میں یہ دقت ہے کہ "ک" کو بغیر کسی معقول وجہ کے 'کھ' بنا دیا گیا۔ بہتر یہ ہے کہ 'ہار' کو فارسی 'تار' سنسکرت 'تر' سے ماخوذ ماننا چاہیئے۔ اس لئے کہ 'ت' کا 'تھ' سے بدل جانا آسانی سے اور 'تھ' کا 'ہ' ہو جانا بھی معمولی بات ہے۔ ہندی 'کوتار' بھی 'تار' لگا کر بنایا گیا تھا۔

اسم حالیہ براہ راست سنسکرت اسم حالیہ (اکتوت) سے ماخوذ ہے۔ اس واسطے اس کی علامت سنسکرت میں 'ت' ہے (بے جنس میں) جیسے چل سے چلت اور

---

(۱) جانے والا یعنی جانے والا، مردہ۔

پیچ سے پہچت۔ اُردو جاتا اور چلتا سنسکرت ' یاتک ' اور ' چلتک ' سے لیے گئے ہیں۔ ان میں ' ک ' الحاقی ہے۔ قدیم ہندی چلنت پالی " چلنت " سے ماخوذ ہے ' ن ' سنسکرت میں بھی تھا۔ چلتے چلتے تھک گیا۔ کھاتے کھاتے اُکتا گیا۔ ان مثالوں میں ' ے ' ظرفی ' ہے۔ ساری رات تڑپتے کٹی۔ ڈرتے ڈرتے میں پاس گیا۔ ہم گاتے گاتے سیتی بجیا۔ یہ ظرفی حالت کی مثالیں ہیں۔ میرے ہوتے کیا ڈر ہے یعنی میرے ہونے کی صورت میں۔ دن نکلتے ہی روانہ ہو گیا۔ دن نکلنے پر۔

اسم مفعول بھی سنسکرت سے لیا گیا ہے۔ سنسکرت میں اس اسم مفعول کی علامت ' ت ' ہے اور یہ غالباً ہند ایرانی کی عہد کی یادگار ہے۔ فارسی میں ' ت ' بھی ہے اور اس کا بدل بھی فارسی گفتہ اور کردہ۔ سنسکرت ناگر اور کرتا کے قائم مقام ہیں۔ شورسینی میں بھی ' ت ' ' د ' سے بدل گئی تھی۔ ماگدھی اور اور مہاراشٹری میں ' ت ' حذف ہو گئی لیکن اس کی حرکت ' ـَ ' باقی رہی۔ سنسکرت " کرتہ " مہاراشٹری " کاَ " اُردو ماگدھی " کیاَ " شورسینی " گدہ " اُردو کیا۔ ' ک ' کا کسرہ سنسکرت ' ر ' کی نشانی ہے۔ اسی طرح گتہ

گا (مہاراشٹری) گدو (شورسینی) گیا (اُردو)

اُردو میں اسم مفعول وضع کرتے وقت مادے کے آخر میں " ـَ ا " اضافہ کر دیتے ہیں۔ جیسے چلا (چل) پڑھا (پڑھ) کرکھا (کہ) دیا (دے) یہ " ـَ ا " سنسکرت " ت " کے قائم مقام ہے۔ جن مادوں کے آخر میں الف یا واؤ ہے۔ ان میں ایک ' ی ' " ـَ ا " سے پہلے اور اضافہ کر دی جاتی ہے۔ جیسے کھایا (کھا) بویا (بو) گایا (گا) لایا (لا) کرنا سے کیا ' مرنا سے مرا اور جانا سے گیا خلافِ قاعدہ ہیں۔ اگرچہ کرنا سے کرا اور مرنا سے مرا بھی ملتے ہیں لیکن کیا " زیادہ صحیح اور فصیح ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ " کیا " براہِ راست " کرتہ " سے

ڈھالا گیا ہے۔ "ر" حذف ہونے کے بعد اس کا کسرہ "ک" پر باقی رہ گیا تھا۔ "گیا" کی "یا" اسی کسرہ کی رہینِ منت ہے۔ "موا" "مرتہ" سے ماخوذ ہے لیکن اس میں "ر" کے گرنے کے بعد 'م' کو ضمہ دیدیا گیا۔ 'و' اس ضمے کی نشانی ہے۔ اردو میں اس کی مثالیں اور بھی ہیں۔ اس کا ذکر تفصیل سے صوتی تغیرات کی بحث میں کیا جا چکا ہے "گیا"، "جانا" سے نہیں بلکہ "گم" سے ہے۔ یہ غالباً قدیم دکنی اور برج کے اسم مفعول پر قیاس کر کے بنا لیا گیا۔ دکنی اردو میں لاحقہ "۔ا" سے پہلے ایک "ی" اسم مفعول (یا ماضی) میں اور ہوتی تھی' اور یہ ہر جگہ پائی جاتی تھی جیسے پڑھیا۔ اُٹھیا۔ چلیا۔ نکلیا۔ یہ 'ی' موجودہ زبانوں کے ایک رجحان کے زیر اثر اضافہ کی گئی ہے۔ سنسکرت ورقنبہ جو کلمے کے وسط یا آخر میں آتے ہیں۔ پراکرت میں اکثر حذف ہو جاتے تھے لیکن ان کے حرکات باقی رہ جاتے تھے۔ پراکرت میں یہ حرکتیں اپنی حالت پر باقی رہیں۔ بول چال کی زبانوں میں دو حرکتوں کا اجتماع ثقیل سمجھا گیا۔ اس لئے یا تو ان حرکات کو سابق حرکت میں مدغم کر دیا گیا یا ان کے درمیان 'ی' یا 'و' اور داخل کر دیئے گئے۔ مثلاً 'میلہ' سنسکرت میں "میلکہ" تھا 'ک' گر جانے پر "میل ے" رہا۔ اُردو میں "ل" کے 'ے' اور آخری 'ے' کے اجتماع کو ثقیل سمجھ کر دونوں کو مدغم کر دیا گیا۔ اس طرح "میلا" بنا (۱) چلیتہ کی 'ت' گر گئی تو "چلی ے۔و" ہوا۔ یہاں च्च اور ह्य کا ادغام دشوار تھا۔ اس لئے ان کے درمیان "ی" داخل کر دی گئی۔ اس طرح چلیا (دکنی) اور چلیو (برج) بنے۔ ڈاکٹر ویبر کا بیان ہے کہ جین پراکرت میں ورقنبہ گرتے نہ تھے بلکہ ایک خفیف التلفظ "ی" سے بدل جاتے تھے۔ بھنڈارکر نے اس کی تائید ہیم چندر کے بیان کردہ ایک اصول سے کی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں کہ حروف صحیح گرنے کے بعد جو ह्य باقی بچ جاتا ہے وہ ایک خفیف 'ی' کی

---

(۱) "گیانک پارہ"

طرح ادا کیا جاتا ہے (۱) دکنی اُردو اور برج میں اسم مفعول کی 'ی' ہیم چندر کے اس اصول کے مطابق ہے۔ میرا خیال ہے کہ "ی" زیادہ قدیم ہے جو اُردو اسم مفعول سے بعد میں تخفیف کر دی گئی۔

ماضی معطوفہ کا مفہوم ادا کرنے کے لئے کبھی اُردو میں سیدھا سادھا فعل استعمال ہوتا ہے جیسے وہ بات سن چلتا بنا۔ لیکن اکثر ماضی معطوفہ فعل پر 'کر' کے 'یا' لگا کر بنائی جاتی ہے جیسے مانگ کر مانگ کے، یا مانگ کر کے روٹی لایا۔ یہ ماضی غیر منصرف ہے اور اس کا استعمال ہند ایرانی عہد سے ہے۔ میں ماضی مطلق پر 'ہ' بڑھا کر یہ ماضی بناتے ہیں یا یوں کہئے کہ فارسی میں اسم مفعول ماضی معطوفہ کے معنی دیتا ہے۔ سنسکرت میں اس کے دو طریقے ہیں۔ عام مصادر میں "توا" لگا کر جیسے 'کرتوا' (کر کے)۔ پیتوا (پی کر) اور اپسرگ یعنی سابقے والے مصادر میں صرف ایک 'ی' بڑھا کر جیسے سنتاپ سے "سنیتپہ" (تو یہ کر کے) غالباً اُردو ماضی معطوفہ اوّل اوّل سنسکرت کے نہج پر فعل کے آخر "ی" لگا کر بنائی گئی۔ اس میں اس امر کا کوئی لحاظ نہ تھا کہ فعل بسیط ہے یا مرکب چنانچہ برج اور قدیم ہندی میں ماضی معطوفہ کی جو مثالیں ملتی ہیں ان کے آخر میں چ یا زیر ہے جو ظاہر ہے۔ سنسکرت سے کا بقیہ ہے۔ جیسے گول راجتی (گوڑ کے راجہ کو جیت کر) بلی چلی (بلی کو چھل دے کر) سنی لنگ گر (کاغذ یعنی خط سنکر) یہ کسرہ کثرت استعمال سے اُردو میں ہٹ مٹا گیا اور خالص مادہ مدتوں بطور ماضی معطوفہ استعمال ہوتا رہا۔ جب مادّے اور ماضی معطوفہ میں کوئی فرق نہ رہا اور ایک کا دوسرے سے اشتباہ ہونے لگا تو تمیز و تفریق کے خیال سے غالباً بہت بعد میں "کر" جو خود ماضی معطوفہ ہے۔ مادہ پر اضافہ کر دیا گیا۔ پڑھ کر، اُٹھ کر وغیرہ "کر" کا کسرہ بھی زیادہ عرصہ زندہ نہ رہ سکا۔ آخر اس نے بھی فنا کی راہ لی اور "کر" کی ترکیب

ہند ادر کر حاشیہ صفحہ ۲۷

سے ماضی معطوفہ بنائی جانے لگی۔ کچھ عرصہ بعد توضیح و تعیین کے لئے پھر ایک لاحقے کی ضرورت پڑی۔ اس مرتبہ 'کے' اضافہ ہوا۔ چل کر کے۔ پی کر کے۔ میرا خیال ہے کہ 'کر' اور 'کے' اردو میں ساتھ ساتھ آئے۔ چنانچہ الگ الگ ان میں سے ہر ایک آج فعل کے ساتھ مستعمل ہے۔ یہ پہلے بھی اسی طرح استعمال ہوتے تھے۔ اور کبھی مزید وضاحت کے لئے دونوں کو جمع کر دیا جاتا تھا۔

"کے" کے باب میں چٹرجی کا خیال ہے کہ وہ دراصل لاحقہ مفعول ثانی ہے(۱) جو ماضی کی تاکید و توثیق کے لئے بڑھایا گیا ہے۔ پلیٹس اسے پراکرت कृत्त سے ماخوذ بتاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ कृत اوّل 'ج' یا 'جے' بنا۔ (سندھی میں لاحقہ ماضی معطوفہ ہے) بعد میں 'ک' سے بدل گیا (۲)۔ نیز "گر" کا ایک روپ بتاتے ہیں "گر" "کر" سے "کے" (۳) بھنڈارکر کی رائے مجھے زیادہ صحیح اور صائب معلوم ہوتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ "شورسینی कित्त تھا۔ کِ، کے، کئی۔ کے (۴) ایک صورت اور بھی ہے وہ یہ کہ 'کے'، 'کو' 'کئے' سے مختصر مانا جائے جو "کیا" کی ظرفی حالت ہے۔ جیسے مے پیئے۔ رقیب کو لئے۔ "پیئے" اور "لئے" ہمزہ کی تخفیف کیجئے اور لیجئے میں بھی ہوئی۔ یہ کیجے اور لیجے تھے۔ "کھا کے چلا گیا" "کھانا کئے پر چلا گیا۔ یعنی کھانا کھائے جانے پر یا کھا کر چلا گیا۔ اس استعمال کی مثالیں اور بھی ہیں۔ چار بجے اسکول بند ہو جاتا ہے یعنی چار بجنے پر۔ انکھ مچھلے (پر) کون کس کا میت۔

صاحب جلوۂ خضر نے لکھا ہے کہ اردو میں ماضی معطوفہ اور امر میں فرق نہ تھا۔ ناسخ نے امر پر "کر" بڑھا کر ماضی معطوفہ بنائی (۵) یہ غلط ہے۔ ناسخ سے

---

(۱) بنگالی صفحہ ۱۰۰۷ (۲) ہندوستانی گرامر صفحہ ۱۳۵ (۳) گرامر جلد ۳، صفحہ ۲۳۱
(۴) بھنڈارکر صفحہ ۲۲۵ (۵) جلوۂ خضر حصہ اوّل صفحہ ۲۹۷

پہلے اردو میں "کر" اور "کے" مستعمل تھے لیکن ان کا ترک جائز سمجھا جاتا تھا۔ ناسخ نے اسے غیر فصیح قرار دیا۔ اور 'کر' کا اضافہ ضروری بتایا۔ ترک 'کر' کی مثالیں بہت ہیں۔ خوب محمد چشتی کا شعر ہے۔

یہ تو کہیا فلانے یار　　ایسا بوجھ کرے انکار

شاہ علی محمد جیو گام دھنی کے شعر میں "کر" کا ترک بھی ہے اور اختیار بھی۔

مکھ پر بال بکھیر سوساتی　　چھپ کر موئے ملت سنگاتی

باجن ہندی کا قدیم شاعر ہے۔ اس نے 'کر' استعمال کیا ہے۔

محمد سر در پریم کا رحمت اللہ بھریا　　باجن جیون اوا اٹھ کر سر آگیں دھریا

محمد افضل جھنجھانوی نے 'کر' کی جگہ 'کے' لکھا ہے (۱)

ارے جادوں کہاں ساون کہاں رے　　ملو ٹک آ کے فانی جہاں رے

کبیر کے ہاں بھی 'کے' ہے (۲)

نینوں کی کوٹھری پتلی پلنگ بچھائے
پلکوں کی چق ڈال کے پیا کو لیا رجھائے

"اسم استقبالیہ کا ذکر میں مصدر کے ذیل میں کر چکا ہوں۔ 'نا' اور 'نی' اس کے دو روپ ہیں۔ سنسکرت "انیہ" سے لیا گیا ہے۔ اس کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔ مجھے آج گھر جانا ہے۔ کلیاں بھیجنی ہیں۔ تعزیہ دینی ہے۔ مصدر کے 'نا' اور استقبالی نا میں صورۃ کوئی فرق نہیں۔ معنوی طور پر یہ فرق ہے کہ استقبالی "نا" کی تفسیر فعل مستقبل سے کی جا سکتی ہے مجھے گھر جانا ہے۔ میں گھر جاؤں گا۔ دونوں کا مفہوم واحد ہے۔

---

(۱) اردو شہ پارے صفحہ ۲۰۲　(۲) اردوئے قدیم صفحہ ۲۷

۲۔ معروف و مجہول

فعل کی دو قسمیں ہیں۔ معروف و مجہول۔ معروف وہ فعل ہے جس کا فاعل معلوم و مذکور ہو۔ جیسے حامد نے کھانا کھایا۔ مجہول اس کے خلاف اس فعل کو کہتے ہیں۔ جس کا فاعل معلوم نہ ہو۔ جیسے کھانا کھایا گیا۔ سنسکرت میں مجہول بنانے کے لئے مادے کے آخر میں "ی" کا اضافہ کر دیا جاتا تھا۔ جیسے بدھ "بدھیتے" (وہ جانا جاتا ہے) "پٹھ" سے "پٹھیتے" وغیرہ پراکرت میں کچھ افعال سنسکرت کے بیچ پڑی "ی" کے اضافے سے مجہول بنائے گئے لیکن "ی" "ج" سے بدل گئی۔ (شورسینی اور ماگدھی میں حذف ہو جاتی تھی) اور کچھ इज्ज یا ईअ مادے کے آخر میں اضافہ کر کے سندھی "کریجے" مارواڑی "کریجو" قدیم اودھی "دیجے" پراکرت "اِج" ہی کی اعانت سے ڈھلے ہیں۔

پروفیسر میکس مولر نے لکھا ہے کہ سنسکرت مادہ या (جانا) کی اصل य ہے۔ سنسکرت فعل مجہول "ی" بمعنیٰ "جانا" کی مدد سے بنا۔ "بدھیتے" کے لفظی معنیٰ ہیں وہ جانا جاتا ہے۔ جاننا یعنی وہ جانا جاتا ہے۔ (۱) اُردو فعل مجہول بھی مادہ "جانا" سے جس کی اصل سنسکرت "یا" ہے بنا لیا گیا ہے۔ ممکن ہے اُردو کی یہ وضع اتنی زیادہ قدیم ہو جتنی خود سنسکرت کی۔ اردو مادہ "جانا" بعض علماء کے نزدیک سنسکرت "گم" (جانا) اور "یا" (جانا) دونوں کے اختلاط و آمیزش کا نتیجہ ہے۔ اس کا اسم حالیہ "جاتا" سنسکرت "یاتہ" سے لیا گیا اور اسم مفعول گیا سنسکرت "گتہ"، اردو میں مجہول بنانے کا کام لیا جاتا۔ "گیا" دونوں سے لیا جاتا ہے جیسے پڑھا جاتا تھا۔ پڑھا گیا تھا وغیرہ۔

برج اور اودھی میں کچھ مجہول صیغے ایسے ہیں جو سنسکرت य لگا کر

---

(۱) مقالات جلد ۱ صفحہ ۵۶

بنائے گئے ہیں۔ جیسے "مارے" (مارا جاتا ہے) کریت (کیا جاتا ہے) پوچیت چاہیت۔

چاہیت یگل کشور لکھی   اوچن یگل انیک بہاری لال

(نوجوان جوڑا دیکھنے کے لئے بہت سی آنکھوں کے جوڑے چاہئیں)

اردو "چاہیے" بھی مجہول ہی ہے۔ یہ درمیانی عہد کی ہندی بولی "چاہیا" ڈی سے بنا ہے۔ جو قدیم ہند آریائی زبانوں میں "چاکھیاتے" تھا۔ چاہیت۔ پوچیت۔ کریت وغیرہ سب اسم حالیہ تھا جو چاہت۔ پوچت۔ کرت سے "ی" لگا کر مجہول بنا لئے گئے۔ (۱)

۸۔ افعال کا استعمال

سنسکرت میں افعال کے استعمال تین ہیں۔ یہ پریوگ کہلاتے تھے معروف مجہول لازمی یا ذاتی۔ معروف استعمال میں فعل معروف ہوتا تھا اور اس کا فاعل کسی صیلے یا علامت کی مدد کے بغیر لایا جاتا تھا۔ اردو میں یہ استعمال پایا جاتا ہے۔ سورج نکلتا ہے۔ احمد کتاب پڑھتا ہے۔ ان مثالوں میں نکلتا ہے اور پڑھتا ہے فعل معروف ہیں۔ سورج اور احمد ان کے فاعل ہیں جو "نے" علامت آلی فاعل کے بغیر استعمال ہوئے ہیں۔ مجہولی استعمال میں فعل مجہول کے ساتھ ساتھ اس کے فاعل کا ذکر بھی کیا جاتا تھا۔ اور اس پر — ین " علامت آلہ" جو اردو "نے" کی اصل ہے۔ اضافہ کر دی جاتی تھی۔ اس استعمال میں فعل فاعل کی بجائے مفعول کے ہوا کرتا تھا۔ اردو میں یہ استعمال نہیں۔ فعل مجہول ہر چند تذکیر و تانیث اور افراد و جمعیت میں مفعول یا نائب فاعل کے مطابق ہوتا ہے لیکن اس کے ساتھ فاعل مذکور نہیں ہوتا۔ جیسے کتاب پڑھی جاتی ہے۔ خط لکھا جاتا ہے۔ پھل

(۱) کیلاگ گرامر صفحہ ۲۲۰

لائے جاتے ہیں۔ عورتیں بلائی جاتی ہیں۔ سنسکرت کا یہ استعمال اردو ماضی مطلق اور ان تمام ماضیوں میں ہے جو ماضی مطلق سے بنائی گئی ہیں۔ ماضی مطلق اصلاً اسم مفعول ہے اور ظاہر ہے اسم مفعول مفہوم کے اعتبار سے مجہول ہوتا ہے "گیا" کے معنی ہیں "گیا ہوا" اور لایا کا مفہوم ہے لایا گیا۔ اس نے کتاب پڑھی۔ شکاری نے ہرن مارا۔ ان مثالوں میں پڑھی اور 'مارا' افعال 'کتاب' اور ہرن کے مطابق ہیں جو ان کے مفعول ہیں اور سنسکرت کی طرح 'اس' اور شکاری پر جو معنوی طور پر ان کے فاعل ہیں۔ 'نے' علامت آلہ داخل کی گئی ہے۔ یہ استعمال سنسکرت "کرمنی" پریوگ (طور پر مجہول) کے مطابق ہے۔

تیسرا استعمال جسے سنسکرت میں "بھاوی پریوگ" کہتے ہیں۔ لازمی افعال کے ساتھ خاص ہے۔ یہ ایک طرح سے فعل لازم کا مجہولی استعمال ہے۔ اس میں "ی" بڑھا کر فعل لازم کو مجہول بنا لیا جاتا ہے اور معروف کے استعمال کے خلاف فعل ہر حالت میں ایک جیسا رہتا ہے۔ فاعل کے اختلاف سے اس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔ اس کے فاعل پر مجہولی استعمال کی طرح علامت آلی بھی آتی ہے۔ मया [illegible] (میں نے) گیا ہوں۔ یہ استعمال اردو میں مفقود ہے۔ البتہ ماضی متعدی میں جب مفعول پر "کو" آتا ہے تو فعل غیر منصرف ہو جاتا ہے اور اس میں کسی قسم کا تغیر نہیں ہوتا۔ ماہرین لسانیات اردو کے اس استعمال کو ذاتی یا لازمی استعمال بتلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ سنسکرت کے بھاوی پریوگ سے ماخوذ(۱) ہے جیسے شکاری نے ہرن کو مارا یا ہرنوں کو مارا۔ احمد نے کتاب کو پڑھا۔ لڑکی نے پھول کو کاڑھا یا پھولوں کو کاڑھا۔

---

(۱) چٹرجی صفحہ ۹۶۸

گریرسن نے لکھا ہے کہ بول چال کی زبان میں ماضی مطلق فعل لازم کا استعمال بطور ذات دیکھا ہے۔ جیسے "کنھیا نے چلا" جو ترجمہ ہے کرشنین چلیتم کا (۱) چیٹر جی نے گریرسن کی ہمنوائی میں اس استعمال کو عام بول چال میں صحیح بتایا ہے مگر غلط ہے۔ شستہ اور معیاری زبان اور روزانہ بول چال میں کنھیا نے چالا کی جگہ "کنھیا چلا" کہتے ہیں۔ یہ معروف استعمال ہے۔ فعل ماضی متعدی کا مجہولی استعمال براہ راست سنسکرت سے ماخوذ ہے۔ پنجابی اور مغربی ہند و پاکستان کی جدید زبانوں میں یہ استعمال عام ہے۔ اس لحاظ سے یہ زبانیں زیادہ قدیم سمجھی جاتی ہیں۔ ماضی متعدی کا لازمی استعمال نئی چیز ہے۔ اس کے متعلق چیٹر جی کا خیال ہے کہ وہ فعل لازم کے ذاتی استعمال پر قیاس کر کے بعد میں گھڑ لیا گیا (۲) اردو میں مجہولی استعمال کی صورت میں فاعل ہو جاتا ہے جو اصطلاح میں نائب فاعل کہلاتا ہے اور فعل تذکیر و تانیث میں اس کے مطابق ہوتا ہے لیکن مفعول پر "کو" آ جانے کے بعد اس میں یہ صلاحیت نہیں رہتی کہ وہ فاعل کی جگہ لے سکے۔ اس لئے اس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔ اردو کے مجہولی استعمال کی کڑیاں اس طور پر ہیں کہ سینن پستکا پٹھتا۔ کرشن کرنین پستکا پٹھتکا۔ کنھیا انے پوتھیا بڈھی آ۔ کنھیا نے پوتھی پڑھی۔

۹۔ صورتیں

اردو میں فعل کی چار صورتیں ہیں۔ خبر، شرط، امر اور دعا۔ تمنا شرط میں داخل ہے۔ بعض عالموں نے دعا کو امر میں شامل کیا ہے

---

(۱) جائزہ جلد ۹ صفحہ ۵۰ (۲) چیٹر جی صفحہ ۹۶۸

ہے (۱) امر کی ایک صورت امر احترامی ہے۔ پیٹرس کا خیال ہے کہ امر کے دو زمانے ہیں۔ حال اور استقبال۔ امر حال اصل میں امر ہے۔ امر استقبالی کو دعا کہتے ہیں۔ فعل کی صورت اصل میں فعل کی حالت ہے۔ فعل کی حالتیں صرف دو ہیں جیسا کہ عربی نحویوں کا خیال ہے خبر اور انشاء۔ شرط، امر، نہی، دعا، تعجب، استفہام یہ سب حالتیں انشاء کی ہیں۔

امر، دعا اور امر احترامی تینوں کے لئے اردو میں جدا جدا صیغے ہیں۔

	واحد	جمع
(۱) امر	کر	کرو
(۲) دعا	کریو، کیجیو	کریو، کیجیو
(۳) امر احترامی	کرے، کیجئے	کریئے، کیجئے

یہ حاضر کے صیغے ہیں۔ غائب کے صیغے امر، دعا، شرط سب کے لئے ایک سے ہیں۔ وہ کرے۔ وہ کریں۔ لڑکے سے کہو کہ سبق یاد کرے۔ یا لڑکوں سے کہو کہ سبق یاد کریں (امر) خدا اس کی عمر دراز کرے۔ یا دیوتا انہیں اشیرواد دیں (دعا) اگر وہ سبق یاد کرے۔ اگر لڑکے روزانہ سبق یاد کریں (شرط) "ج" کا اضافہ ان افعال کے ساتھ مخصوص کیا ہے جن کے آخر میں "ی" (معروف و مجہول) یا "ۓ" ہے (۲) جیسے دے سے دیجئے۔ پی سے پیجئے۔ لے سے لیجیو۔ ہو سے ہوجیو لیکن یہ کلیہ نہیں۔ سی سے سیو۔ چھو سے چھوؤ۔ سو سے سوؤ۔

امر کے دونوں صیغے سنسکرت سے ماخوذ ہیں۔ کر تو ظاہر ہے۔ سنسکرت صیغہ امر حاضر کے مطابق ہے۔ البتہ کرو صیغہ جمع حاضر سے ذرا مختلف ہے بھنڈارکر کے نزدیک یہ صیغہ اپ بھرنش करह سے لیا گیا ہے (۳)

(۱) پلیٹس اردو گرامر صفحہ ۱۳۶ (۲) ایضاً صفحہ ۱۳۷ (۳) بھنڈارکر صفحہ ۱۱۴

کی۔ کرے۔ کرو۔ لیکن میں اس کی ضرورت نہیں سمجھتا کہ اس کا جوڑ اَپ بھرنش سے لگایا جائے۔ اس لئے کہ واحد کا صیغہ اَپ بھرنش میں 'کر' نہیں 'کرو' ملتا ہے جیسا کہ مرہٹی میں ہے۔ یہ بعید از قیاس ہے کہ "کر" تو سنسکرت اور پراکرت روپوں کے مطابق ہو اور 'کرو' اَپ بھرنش "کرہو" سے ڈھالا جائے۔ اغلب یہ ہے کہ اردو "کرو" اصل میں "کرہ" تھا جو پالی "کرتھ" سے بنا اور اشٹری 'گرہ' کے ڈھنگ پر بنایا گیا تھا۔ ہ سنسکرت گچھتُ اور گچھنت پر قیاس کر کے بعد میں اضافہ کر دیا گیا۔ اس قیاس کی مثالیں پراکرت میں بھی ہیں۔ جیسے پچھاپو (میں پوچھوں) پچھسو (تو پوچھے) اس میں سنسکرت امر "گچھتو" کو سامنے رکھ کر بڑھایا گیا ہے (۱)۔ اَپ بھرنش اور قدیم ہندی دونوں میں اس کا روپ "کرہو" ہے۔ بھنڈارکر نے تلسی داس کا مصرعہ

پاروتی پہم جانی تم پریم پریکشا لیہو

نقل کیا ہے۔ چند کے یہاں بھی اس کا روپ یہی ہے۔ جیسے "تمہ لیہو! تمہ لیہو" (تم پکڑو! تم پکڑو) (۲)۔ کیلاگ نے پروفیسر لاسن کی ہم نوائی کرتے ہوئے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ یہ صیغہ سنسکرت کی گردان آتمنے پد کے لاحقے "دھوم" کے سہارے بنایا گیا تھا۔ اشتقاق کی ترتیب اس طور پر ہے۔ چلدھوم۔ چلہوم۔ چلسوں۔ چلوں۔ چلو (۳)

یہ اشتقاق اس صورت میں ہے کہ ان صیغوں کو براہ راست سنسکرت سے ماخوذ مانا جائے۔ بہت ممکن ہے کہ یہ سب سنسکرت اخذ و اشتقاق کے نہج پر معاون افعال اور لاحقات و علامات کی مدد سے آزادانہ طور پر ڈھال

---

(۱) ولز صفحہ ۳۴ (۲) بیمز جلد ۳ صفحہ ۱۰۹ (۳) ہندی گرامر صفحہ ۲۴۶

لئے گئے ہوں سنسکرت افعال کو "اس" (ہونا) اور "یا" (جانا) مادوں کی مدد سے گردانا جاتا تھا۔(۱) مثلاً فعل حال کی گردان میں اس کے حسب ذیل صیغے مادے کے آخر میں جوڑے جاتے تھے۔

اسمی۔ اسمہ۔ اسی۔ استھ۔ استی۔ سنتی۔

مادہ چل پر یہ صیغے جوڑنے سے ذیل کے روپ بنے۔

یہ روپ زیادہ قدیم ہیں۔ "س" کی تخفیف کے بعد ان کی یہ شکلیں رہیں۔

چلامی۔ چلامہ۔ چلسی۔ چلتھ۔ چلتا۔ چلنتی۔

واحد حاضر کا "س" اب بھی موجود ہے۔ یہ فارسی میں حذف ہو گیا ہے۔ پراکرت کے قدیم صیغوں میں بھی "س" تھا۔ مگر "ہ" سے بدل گیا تھا۔

چلمہی۔ چلمہہ۔ چلہی۔ چلہد۔ چلنتی۔ چلنتی۔

پراکرت کی "ہ" قدیم ہندی کے بعض صیغوں میں ہے۔ (۲) چلہی (واحد حاضر) چلہو (جمع حاضر) چلہی (واحد غائب) چلہیں (جمع غائب) چلہیں (جمع متکلم) (واحد متکلم) چلہوں "اصل میں" چلہوں "تھا۔

اردو صیغے "ہو" کی مدد سے بنائے گئے ہیں جو سنسکرت "اس" کے ہم معنیٰ ہے۔ چل + ہوں = چلوں۔ چل + ہیں = چلیں۔ چل + ہے = چلے۔ چل + ہو = چلو۔ چل + ہے = چلے۔ چل + ہیں = چلیں۔ قدیم ہندی میں امر حاضر کے آخر میں "ہ" بھی تھی۔ جیسے کر۔ دھر۔ تلسی داس کا مصرع ہے "دھر ہو روپ اودھ پر جاہ" (لڑکے کا روپ بدل کر اودھ شہر میں جاؤ) یہ صیغہ حال سے مستعار ہے۔ قدیم ہندی میں اکثر حال کے صیغے امر کے معنیٰ میں استعمال ہوتے تھے۔ واحد حاضر

---

(۱) مقالات مولوی صفحہ ۵۶ (۲) ہندی گرامر صفحہ ۲۴۵

کو چھوڑ کر اردو میں بھی امر کے لئے حال ہی کے صیغے استعمال ہوتے ہیں۔ جاؤ کا اصل سنسکرت "یاس" ہے۔ یاس یا۔ ہ۔ جاہ۔ جاؤ۔

کریئے اور کیجئے سنسکرت "کریات" سے لئے گئے ہیں۔ سنسکرت میں "یا" لاحقہ دعا ہے۔ یہ پالی میں ईय और پراکرت میں ईअ ہوا۔ لیجئے میں "ج" "ی" کا بدل ہے۔ "کریئے" میں "ی" اپنی حالت پر قائم ہے اور کیجئے میں "ج" سے بدل گئی ہے۔ کیجئے اصل "کجے" تھا۔ ڈاکٹر چیٹرجی فرماتے ہیں کہ کرے اور کیجئے: سنسکرت فعل دعائیہ بہ خبریہ [illegible]۔ ی۔ "ی" لگا کر بنائے گئے ہیں۔ زیادہ اچھا یہ ہے کہ کرے "کی "ی" سنسکرت مفتوح الاواخر اسماء کے لاحقہ (ए) اور دوسرے اسماء کے لاحقہ या دونوں کی آمیزش کا نتیجہ سمجھی جائے۔ چیٹرجی کو یو اور دیجیو کو بھی سنسکرت 'کریات' اور 'دوایات' ہی سے مشتق بتاتے ہیں۔ کرے اور دیجئے پر خبری علامت "ق" اضافہ کی گئی تھی اور 'کریو' اور 'دیجیو' پر امری علامت "تو" بڑھائی گئی۔ 'دیجیو' = دیج (دنیات) + ے (ت) [1] اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ کریو۔ کیجیو۔ کریئے۔ کیجئے۔ یہ سب صیغے غائب کے ہیں اور سنسکرت غائب کے صیغوں سے ڈھالے گئے ہیں۔ دوسرے کریو کیجیو اصلاً مفرد ہیں۔ جس طرح یہ غائب کے صیغے ہوتے ہوئے بھی اردو میں حاضر کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ اسی طرح اصلاً مفرد ہوتے ہوئے جمع کے لئے ان کا استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ پلیٹس نے "کریو" کو "کرے" کی جمع بتایا ہے اور ایجر نگیٹن کے اس خیال کا رد کیا ہے کہ "کریو" اور کیجیو کیسے اور کیجیے کی طرح مفرد ہیں۔ [1] سب سے بڑا ثبوت اس امر کا یہ صیغے مفرد ہیں نہ ہو جیسے" کا

---

(۱) چیٹرجی صفحہ ۹۰۰

استعمال ہے۔ خدا کی لعنت مشرکوں پر ہو جیو۔ پراکرت پنگل میں وہ جو دیکھیا
سو تم اس کر دھو موکھا (وہ شنکر تمہیں نجات دے) معروف بھی ہے اور غائب بھی۔ (۱)

بھنڈارکر کہتے ہیں کہ امر احترامی سنسکرت امر مجہول سے لیا گیا ہے۔ امر مجہول غائب کا استعمال سنسکرت میں احترام کے مواقع پر ہوتا تھا۔ امر حاضر معروف میں براہِ راست تخاطب مخاطب کے درجے اور مقام عالی کے منافی ہے۔ غائب مجہول میں براہِ راست تخاطب نہیں ہوتا۔ اس لیے یہ پیرایۂ بیان رفیع المرتبت اصحاب کے شایانِ شان سمجھا جاتا ہے۔ امر مجہول سنسکرت میں سنیہ کی مدد سے بنتا تھا۔ اردو میں "یا" "ی" ہی سے کام لیا جاتا ہے۔ جو پراکرت کے عام اصول کے مطابق کبھی اِیہ سے اور کبھی اِیّہ سے بدل جاتی ہے (۲)

ماخذ یہ ہے کہ سنسکرت امر معروف کا 'ت' سے یا آتمنے پد کا 'ا' ہوتا ہے جیسے
दीक्षए - दीक्षम्हे - दीक्षताम् देखिए اور دیکھیے۔ یا
दीक्षस्व - दीक्षध्वम् देखियो دیکھیو یا دیکھو۔ (۳)

یہ اشتقاق زیادہ واضح ہے اور ساتھ ہی اس اردو میں ان صیغوں کے مختلف استعمالات بھی سمجھ میں آجاتے ہیں۔ فعل مجہول کی نسبت فاعل کی طرف نہیں ہوتی۔ اس لیے فاعل کے اعتبار سے اس کی وحدت و جمعیت کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ حاضر میں خاص طور سے استعمال ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ صیغے امر کے ہیں اور امر میں عام طور سے خطاب ہوتا ہے۔

---

(۱) اردو گرامر حاشیہ صفحہ ۱۳۶ (۲) بحوالہ چٹرجی صفحہ ۹۰۰
(۳) ایضاً صفحہ ۹۰۴
(۴) دیکھیے نسخہ صفحہ ۲۱۶

شرط اور تمنا کے لیے اردو میں ایک گردان ہے۔ ماضی تمنائی یا شرطیہ حالیہ سے بنتی ہے۔ اگر (یا کاش) وہ آتا۔ اگر (یا کاش) وے آتے۔ حاضر اور متکلم میں بھی یہی روپ ہوتے ہیں۔ فعل حال میں مضارع کے صیغے استعمال کئے جاتے ہیں۔ اگر دھوپ نکلے تو سردی جاتی رہے۔ مستقبل کے لیے خبر شرط کے صیغے ایک ہیں۔ اگر تم بازار جاؤ گے تو میں بھی چلوں گا۔ کبھی ماضی شرط کے معنی دیتی ہے۔ اگر میں کامیاب ہو گیا تو کالج میں داخل کرایا جاؤں گا۔ چیٹرجی کا بیان ہے کہ فعل کی شرطیہ صورت قدیم ویدک زبان میں تھی۔ مگر اولی سنسکرت میں یہ نہیں ملتی۔ پراکرت کے عہد اولیں یعنی پالی میں اس کے آثار پائے جاتے ہیں۔

اپ بھرنش اور اودھی میں بھی شرط کے لیے کوئی خاص فعل یا اس کا کوئی خاص روپ نہ تھا۔ فعل حال ہی اپنی اصلی صورت میں شرط کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ مثلاً سیر ایک جبی پاؤں گھتا (جو ایک سیر گھی پاؤں)، تبی ابھی وگنٹرا ہمی کتا (اگر محبوب اب بھی دوسرے دیس جائے)، جبی جڑا روسی چھایا تپا پیچھے اگی کنتیا (اگر سردی رو کھٹے، جل سکائے، اور آگ پیٹ پر رکھی جاسکے)(۲) یہ چند مثالیں ہیں۔ ان میں پاؤں، جاہی، روسی یا ... یہ سب فعل حال کے صیغے ہیں۔

۱۰۔ افعال کی گردان

سنسکرت افعال کی گردان دو طرح کی تھی۔ پرسمے پد۔ آتمنے پد۔ (خارجی ذاتی) اور دونوں کے لاحقے الگ الگ تھے۔ افعال کے دس گنٹر یا ابواب

---

(۱) چیٹرجی صفحہ ۹۰۱ (۲) پراکرت پنگل بحوالہ چیٹرجی صفحہ ۹۰۲۔

تھے۔ ہر گنڈ کے افعال کو دوسرے سے الگ اور مختلف انداز میں گردانا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ دس بحثیں اور گردانیں تھیں۔ زمانے کی اُلٹ پھیر کے ساتھ سنسکرت فعل کی یہ پیچیدگیاں کم ہوتی چلی گئیں۔ پالی میں پہنچکر صرف پرسمے پد رہ گیا۔ گنڈوں میں سے چھٹ کر صرف پانچ بچے۔ گرداوں میں سے بھی دو کی تخفیف ہوئی۔ پراکرت عہد میں یہ کاٹ چھانٹ اور زیادہ ہوئی۔ دو گنڈ اور چار گردانیں پراکرتوں کا کل قدیم سرمایہ بس اسی قدر ہے۔ اپ بھرنش میں افعال کے گرداننے کا صرف ایک طریقہ تھا۔ یہی آج اردو میں ہے۔ البتہ گرداوں کی کمی کو اسم مفعول اور اسم حالیہ کی مدد سے پورا کر لیا گیا ہے۔

اردو کی گردانیں دو طرح کی ہیں۔ (الف) جو اصل مادے میں کسی قدر تصرف کر کے حاصل کی گئی ہیں۔ (ب) جو اسم حالیہ، اسم مفعول یا اور کسی معاون فعل کا نتیجہ ہیں۔ پہلی قسم کی گردانیں تین ہیں (۱) مضارع (۲) مستقبل (۳) امر۔

دوسری قسم کی گردانیں تعداد میں سات ہیں۔ جو اسم حالیہ کی مدد سے بنی ہیں وہ یہ ہیں فعل حال، ماضی تمنائی یا شرطیہ ماضی استمراری، مندرجہ ذیل گردانیں اسم مفعول کی مدد سے بنی ہیں۔

ماضی مطلق۔ ماضی قریب۔ ماضی بعید۔ ماضی شکی یا احتمالی

البتہ مضارع کو قدیم ہند آریائی گرداوں کا بقیہ سمجھنا چاہیے۔ اس کی تاریخ مسلسل نظر آتی ہے۔ یہ سنسکرت کے لٹ لکار (فعل حال) کی پرسمے پد گردان سے ماخوذ ہے اور پراکرت و اپ بھرنش عہد سے گزرتا ہوا اردو میں آیا ہے۔ ہم ذیل میں اس کی گردان سنسکرت، پراکرت اور اپ بھرنش روپوں کے ساتھ دیتے ہیں۔

	سنسکرت	پراکرت	اپ بھرنش	اُردو
مفرد	متکلم۔ چلامی	چلامی	چل۔ وُں	چلوں
	حاضر۔ چلسی	چلسی	چل ہی۔ چلئ	چلے
	غائب۔ چلتی	چلئ	چلئ۔ چلہی	چلے
جمع	متکلم۔ چلامہ	چلامُو	چلہوں	چلیں
	حاضر۔ چلتھ	چلہا	چلہو	چلو
	غائب۔ چلنتی	چلنتی	چلہیں	چلیں

پراکرت اور سنسکرت روپوں میں جو تال میل ہے وہی اپ بھرنش اور اُردو روپوں میں ہے۔ اپ بھرنش روپوں کی 'ہ' سنسکرت کے تنہ ... ستات" اسمی" وغیرہ کے "س" کی نشانی ہے۔ یہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ کسی قدیم زمانے میں یہ لاحقے سنسکرت ماروں کے آخر میں جوڑے جاتے تھے۔ بعد میں دست برد زمانہ کی نذر ہو گئے۔

ان صیغوں کا ارتقا واضح ہے صرف دو میں کسی قدر الجھن ہے ایک تو اُپ بھرنش چل وُں میں سنسکرت اور پراکرت ـــ کے ـــ سے بدل جانا بظاہر بعید نظر آتا ہے۔ دوسرے اُپ بھرنش "چلہوں" (جمع متکلم) سے اُردو چلیں نہیں بنتا۔ اس اُلجھن کو بیمز نے اس طرح سلجھانے کی کوشش کی ہے کہ اُپ بھرنش "چلؤں" سنسکرت صیغہ جمع متکلم "چلامہ" سے متاثر ہوا ہے۔ چلامہ / چلامُوں۔ چلاؤں۔ چل ؤں۔ چلوں اور اردو "چلیں" سنسکرت "چلامی" سے۔ چلامی۔ چلائیں۔ چلیں۔ چلیں (۱) ایک صیغے کا دوسرے سے تاثر لسانیات میں

---

(۱) تقابلی گرامر جلد ۳ پارہ ۳۲

بہت عام ہے۔ ان کی ایک مثال "میں" اور "ہم" ہے جن کی بابت میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ یہ اول بدل گئے ہیں۔ "میں" مفرد ہے اور ضمیر جمع سے لیا گیا ہے اور "ہم" جمع ہے لیکن اس کا ماخذ ضمیر مفرد ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اردو "چلوں" یا اپ بھرنش "چلیوں" "چلامی" سے اس طرح بنے ہوں کہ اول "می" کی "م" حذف ہوئی اور بعد میں "م" غنہ کر دیا گیا۔ جیسے گرام سے گاؤں اور نام سے ناؤں۔ لیکن سکسینہ کو یہ ناممکن اور بعید نظر آتا ہے۔ (۱)۔

مضارع کا صیغہ جمع حاضر "چلو" اور امر حاضر "چلو" دیکھنے میں ایک جیسے ہیں لیکن دونوں میں فرق ہے۔ "چلو" سنسکرت چلتھ۔ پراکرت چلہا اور اپ بھرنش "چلہو" سے لیا گیا ہے اور امر حاضر کا چلو پالی "چلتھ" پراکرت چلہہ پر سے "ات" لگا کر بنا ہے۔

اردو مستقبل کے صیغے وہی ہیں جو مضارع کے ہیں۔ ان پر "گا" "گی" اور "گے" بڑھا دیئے گئے ہیں "گا" کا اشتقاق اوپر دیا جا چکا ہے۔ اس فن کے علماء کا خیال ہے کہ اردو مستقبل کے صیغے سنسکرت فعل مستقبل سے سخت صوتی کے زیر اثر بنے تھے۔ "چلشیتی" پراکرت میں "چلسِ ئی" ہوا اس سے اپ بھرنش "چلسی" یا "چلہی" اور پھر چلے۔ بعد میں مضارع سے تمیز دینے کے لئے "گا" علامت استقبال اس پر اور اضافہ کر دی گئی۔ دراصل مضارع کے صیغے، جن کی بابت میں نے ابھی ابھی بتایا کہ وہ سنسکرت فعل حال سے لئے گئے تھے۔ قریب قریب تمام جدید آریائی زبانوں میں ملتے ہیں اور افعال کے سلسلے میں بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ قدیم اردو میں ان صیغوں پر "ہے" اور اس کے دوسرے تغیرات لگا کر فعل حال کی گردان کی جاتی تھی۔

---

(۱) اردو ص صفحہ ۳۵۸

ہوسکتا ہے کہ یہ صیغے قدیم زمانے سے دلی اور میرٹھ کی بول چال میں رائج ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس زمانے میں جب برج بھاشا کو فروغ ہوا اور وہ آس پاس کی بولیوں پر چھاتی چلی گئی۔ یہ صیغے دبے پاؤں اُردو میں داخل ہو گئے اور کسی کو محسوس تک نہ ہوا۔ بہر حال ناسخ کی تحریک اصلاح سے پہلے یہ صیغے عام طور سے شستہ اور معیاری زبان میں رائج تھے۔ ناسخ نے اُن کو ٹکسال باہر قرار دیا۔ اور اُن کی جگہ اسم حالیہ پر "ہے" بڑھا کر فعل حال بنایا۔ اردوئے قدیم میں اسم حالیہ کے پہلو بہ پہلو تنہا فعل مضارع بھی حال کے معنی میں مستعمل تھا۔ قیاس چاہتا ہے کہ "ہے" اور "گا" قریب قریب ہم عمر ہوں۔ تنہا مضارع حال اور مستقبل دونوں کے معنی دیتا تھا۔ سیاق سے اس کے معنی متعین کیے جاتے تھے۔ بعد میں مزید تعین و تشخیص کے لیے "ہے" اور "گا" بڑھا دیئے گئے لیکن اس اضافے کی ٹھیک تاریخ بتانا دشوار ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اردو کے قدیم سرمایۂ ادب میں ہمیں یہ سب استعمالات ملتے ہیں۔ جب تک ہم سارے ادب کو نہ کھنگالیں قطعیت کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ ان میں سے کون زیادہ قدیم ہے۔ کبیر کا ایک دوہا ہے۔

غوطہ مار سندھ میں موتی لائے پیٹھ
وہ کیا موتی پائیں گے جو رہے کنارے بیٹھ

شیخ وجیہ الدین گجراتی (متوفی ۹۹۸ھ) کا ایک مقولہ صاحب اُردوئے قدیم نے نقل کیا ہے۔

"جب ترقی پکڑیں گے تو ابیں درس کہیں گے۔" (۱)

---

(۱) اُردوئے قدیم صفحہ ۲۷

اس کے علاوہ شیرانی نے ہندی کا ایک قدیم دوہا ذیل ہے۔(۱)

" سجن سکارے جائیں گے اور نین مریں گے روئے "

ان مثالوں میں مستقبل مضارع پر " گا " لگا کر بنایا گیا ہے۔

اس کے علاوہ قدیم اردو میں پراکرت کا تالیفی فعل مستقبل بھی تھا۔ لیکن لاحقہ استقبالی میں " گا " کی طرح کلمے سے الگ کر کے کسی قدر تحلیلی بنا لیا گیا تھا۔ سنسکرت، پراکرت اور اپ بھرنش زبانوں میں فاعلی لاحقہ " سی " " سس " یا " س " کے بعد جوڑے جاتے تھے۔ اور وہ بدستور ایک حالت پر قائم رہتا تھا۔ مگر اردو میں اصل مادے کو گردانا جاتا تھا۔ اور اس پر " س " اضافہ کر دیا جاتا تھا۔ لیکن یہ عام اور مطرد نہ تھا۔ اپ بھرنش کی طرح " س " کے بعد بھی فاعلی لاحقہ دیکھا گیا ہے۔ مثلاً دھرسوں (دھروں گا) جو اپ بھرنش " دکرسوں " یا " دھرسوں " کے مطابق ہے۔ لیکن " ملوں " اور " سو " سے مرکب ہے۔ محمود شیرانی نے جواہر اسرار اللہ شاہ علی جیو گام دھنی سے انتخاب کر کے فعل مستقبل کے حسب ذیل صیغے لکھے ہیں۔ واحد غائب۔

کریسو (کرے گا) جاسی (جائے گا) ملاسی (ملائے گا)

واحد حاضر۔ دیکھو سی توں۔ توں کری وغیرہ۔ واحد متکلم۔

جان نہ سیوں (جانے نہ دوں گا) یا دھرسوں۔ ملے سوں۔ ملوں سوں۔ کروں سوں۔ یہ " سی " دکنی اردو میں بھی تھا۔ احمد دکنی کا شعر ہے۔

کدھیں سیج سنگ بنگ ملسی نہ منجھ
کدھیں من کمل پھول کھل سی نہ منجھ

ولی نے کہا ہے

---

(۱) پنجاب میں اردو صفحہ ۱۱۴

کہا ہے دسہرکا تماشا اس میں ۔۔۔۔ نہ چلنا سی کچھ مرا تدبیر اس میں

لیکن شمالی اردو میں اس کی جگہ "گا" مستعمل تھا۔ اس لئے قیاس کیا جاتا ہے کہ یہ روپ دکنی اردو میں گجراتی سے آیا۔ اردو کا اپنا صیغہ نرالا ہے جس میں مضارع پر "گا" "گی" "گے" بڑھائے جاتے ہیں۔ سکھوں کے گرنتھ میں دو طرح کے مستقبل ملتے ہیں۔ ایک تو "گا" کے اضافے سے دوسرا "سا" "سہی" اور "سی" لگا کر جو پراکرت "سامی" (متکلم) "سسی" اور "سسدی" کے مطابق ہیں۔(۱)

اردو میں امر کے دو صیغے ہیں۔ ان کی تاریخ اوپر دی جا چکی ہے۔ بقیہ صیغے مضارع کے ہیں۔ جو امر کے معنی بھی دیتے ہیں۔ ان کے متعلق گریرسن کی رائے ہے کہ وہ سنسکرت فعل حال سے ماخوذ ہیں لیکن بیمز انہیں سنسکرت امر سے ڈھلا ہوا بتاتے ہیں۔ دھریندر ورما کا خیال ہے کہ ان پر حال و امر دونوں کا پرچھاواں پڑا ہے (۲) ذیل میں ان روپوں کے ساتھ ساتھ سنسکرت اور پراکرت کے امر کے صیغے بھی دیئے جا رہے ہیں۔

	سنسکرت	پراکرت	اردو
متکلم	چیلانی	چلمو	چلوں
	چلام	چلامو	چلیں
غائب	چلتو	چلدو و چلیتو	چلے
	چلنتو	چلنتو	چلیں

اردو کے متکلم صیغے پراکرت کی جگہ سنسکرت کے صیغے سے زیادہ قریب ہیں لیکن جیسا کہ بیمز کے حوالے سے اوپر عرض کیا گیا ان میں الٹ پھیر ہوئی ہے۔ واحد متکلم جمع سے لیا گیا تھا۔ اور جمع متکلم واحد سے۔ چلانی۔ چلامیں۔

---

(۱) ترمیب مقدمہ گرنتھ صفحہ ۷۷ (۲) ہندی کا اتہاس صفحہ ۲۸۲

چلیئں۔ چلیں۔ اسی طرح چلاؤں۔ چلاؤں۔ چلیوں۔ چلوں۔ غائب کے صیغے فعل حال سے ہیں۔ اس کی تفصیل اوپر آ چکی ہے۔

فعل حال کے اردو میں دو روپ ہیں۔ ایک سنسکرت فعل حال سے ڈھلا ہوا مضارع۔ دوسرا اسم حالیہ۔ یہ دونوں روپ قدیم ہیں اور قدیم زمانے سے برابر استعمال ہوتے چلے آئے ہیں۔ ان پر "ہے" فعل معاون کا اضافہ بعد میں ہوا۔ یہ اضافہ اول اول اسم حالیہ پر ہوا۔ بعد میں فعل مضارع پر بھی اسے بڑھا دیا گیا۔ آدی گرنتھ کے مصنفین عام طور سے فعل مضارع بغیر الحاق "ہے" استعمال کرتے ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

گرو ملیے ہری منی وسے سبھائی (۱) (گرو کے ملنے پر ہری خود بخود من میں سما جاتا ہے) ونوستی گرو بیر تیتی نہ آوے (بنا ست گرو ایمان نہیں آتا)۔ سپنے سکھ نہ پاوے (۲) (خواب میں سکھ نہیں پاتا) سُنئے۔ اُوسے اور ماوے سب فعل حال کے صیغے ہیں۔ اسم حالیہ بھی فعل معاون سے خالی ہے۔ کچھ نہ ہوت اُپائی (۳) (کچھ تدبیر نہیں ہوتی ہے) اردو مصنفین کے یہاں بھی مضارع اور اسم حالیہ بغیر اضافہ "ہے" ملتے ہیں۔ خسرو کہے

پاتاں غضب دل میں نہ لاوے کچھ عجب۔ (۴)

احمد دکنی کا شعر ہے۔

مجھے لوگ کہتے ہیں کر ست وے پرت
پرت چھوڑ دینی کیسے ہے سکت

لیکن "ہے" کا اضافہ بھی کچھ کم قدیم نہیں۔ خواجہ بندہ نواز گیسو دراز رحمتہ

---

(۱) آدی گرنتھ صفحہ ۲۲۲ (۲) ایضاً صفحہ ۹۰ (۳) ایضاً صفحہ ۶۰۸ (۴) پنجاب میں اردو صفحہ ۱۲۶

چودھویں صدی کے ایک بزرگ ہیں۔ ان کا ایک مقولہ ہے "بھوکوں موسے سوں خدا کچھ اپڑ بیتا ہے (۵)۔ امیر خسرو کا شعر ہے۔

یار نہیں دیکھتا ہے سوئے من   بے گنہ ہم ساتھ عجب روٹھا ہے

شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک کج مندرہ مشہور ہے۔ اس میں یہ جملہ آیا ہے (۱) "تمہیں ساکی وحدت ہوں" شیخ فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ بارہویں صدی میں تھے۔ ان کا یہ مقولہ شیرانی نے سیرالاولیاء سے نقل کیا ہے (۲) "پونوں کا چاند بالا ہوتا ہے"

ان مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ قدیم اردو میں حال کے لئے عام طور سے اسم حالیہ "ہے" اور اس کے تغیرات کے ساتھ استعمال ہوتا تھا۔ اور شاید اردو کا اصلی روپ یہی ہے۔ اس لئے ناسخ نے جائے ہے اور کھاتے ہے وغیرہ امثال کو غیر فصیح سمجھ کر چھوڑ دیا ہے۔

ماضی تمنائی یا شرطیہ اسم حالیہ سے مشتق ہے۔ اس میں حاضر غائب، اور متکلم کی جگہ مذکر مؤنث کا فرق کیا جاتا ہے۔

جمع	مفرد
اگر (یا) کاش آتے	مذکر اگر (یا)، کاش آتا
اگر (یا) کاش آتیں	مؤنث اگر (یا)، کاش آتی

ماضی استمراری بناتے وقت "تھا" اور اس کے صیغے فعل حال پر بڑھا دیئے جاتے ہیں۔

آتا تھا   آتے تھے   آتی تھی   آتی تھیں

---

(۵) اردوئے قدیم صفحہ ۲۲ (۱) پنجاب میں اردو صفحہ ۴۵ (۲) ایضاً صفحہ ۲۲۹

یہ گردانیں اور ان کے صیغے نوساختہ ہیں۔

سنسکرت میں جہاں متفرق صیغوں سے گزرا ہوا زمانہ ظاہر کیا جاتا تھا۔ وہاں اسم مفعول سے بھی یہ کام لیا جاتا تھا۔ پراکرت عہد میں متفرق صیغے مٹ مٹا گئے۔ اور ماضی کی گردان تمام تر اسم مفعول کی مدد سے کی جانے لگی۔ چیڑجی نے اشوک کے کتبوں اور تحریروں سے ثابت کیا ہے کہ پراکرت کے اولیں عہد میں اسم مفعول کا استعمال ماضی کے لئے ہونے لگا تھا۔ اردو میں ماضی کی گردان اسی نادر پر ہے۔

	معزو	جمع
مذکر	گیا	گئے
مؤنث	گئی	گئیں

اسم مفعول پر بحث کرتے ہوئے لکھا جا چکا ہے کہ سنسکرت میں لاحقات اسم مفعول "ات" "ت" اور "نا" ہیں۔ جن میں سے پہلے دو پراکرت میں بترتیب "اِءَ" اور "ا" ہو گئے۔ ان پر "ک" الحاقی اضافہ ہوا تو وہ اپنے پیچھے ایک "ے" اور چھوڑ گیا۔ اردو کا "ے ا" ان دونوں کے ادغام و ارتباط کا نتیجہ ہے۔ چلتک۔ چلتاہ۔ چلِ ے۔ ے۔ چلِ ے ا۔ چلیا۔ چلا۔ دکنی اردو میں "ا" سے پہلے "ی" ہر جگہ ملتی ہے۔ جیسے پڑھیا۔ چلیا۔ دھریا۔ سنیا۔ لکھیا وغیرہ۔ امینا یا غنی علی عادل شاہ ثانی (۱۰۶۷-۱۰۸۳) کے عہد کا ایک شاعر ہے۔ "نجات نامہ" کے عنوان سے اس نے ایک مثنوی لکھی تھی۔ اس میں کئی جگہ ماضی بغیر "ی" استعمال ہوئی ہے۔ مثلاً ذیل کے شعر میں۔ (۱)

---

(۱) بحوالہ ہندوستانی اپریل ۱۹۴۰ء صفحہ ۱۸۶

جو کوئین سنتا ہے محمدؐ کی بات
قیامت میں جائے گا حسرت کے ساتھ

گریرسن کی رائے میں "ی" سنسکرت تم کے عوض میں ہے۔ جو بعض صیغوں میں "ت" سے پہلے پائی گئی ہے۔ جیسے چلیتہ۔ مارتیہ وغیرہ۔ وہ کہتے ہیں سنسکرت اور پراکرت تم کا تہ سے تبادل تلفظ سے زیادہ رسمی کی چیز ہے۔(۱)

اس اعتبار سے یہ "ی" زیادہ قدیم ہے۔ اردو ماضی کے صیغے بھی کسی زمانے میں اس "ی" کے حامل تھے۔ لیکن اُردو کے قدیم ادبی سرمایہ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ شمالی ہند کی زبان میں اس "ی" کا وجود نہ تھا۔ محمد افضل کا ذکر شیرانی نے کیا ہے اور انہیں ضلع مظفر نگر کا باشندہ بتایا ہے۔ امیر خسرو کو چھوڑ کر شمالی ہند کے قدیم ترین شاعر یہی ہیں۔ انہوں نے ۱۶۲۶ء کے لگ بھگ ایک نظم بارہ ماسہ لکھی تھی۔ اس میں ماضی مطلق بغیر "ی" استعمال ہوئی ہے۔ حالانکہ ان کے ہم عصر دکنی اور گجراتی مصنف اور شاعر سب ماضی میں "ی" لگاتے تھے۔ "کیا" اور "گیا" مستثنیات میں سے ہیں۔ ان صیغوں میں "ی" کے وجود کی علت اوپر بیان کی جا چکی ہے۔

اُپ بھرنش میں بھی "ی" پائی جاتی تھی۔ لیکن اس زمانے میں یہ صیغے ماضی مجہول کے معنی دیتے تھے۔ ماریا (مارا گیا) ہیم چندر کی کتاب میں ملتا ہے۔(۲)

---

(۱) جائزہ جلد ۹ صفحہ ۴
(۲) بحوالہ شیام سندر صفحہ ۶۶

• بھلا ہوا جو ماریا بہنی کہارا کنت" (بہن ہمارا شوہر مارا گیا تو بھلا ہی ہوا) اس کے صحیح بات یہ ہے کہ "یہ" کا "مجہول لگی ہے اور قدیم اسم حالیہ مجہول" "پُرجھنیت" سے ماخوذ ہے۔ ۱۱

تمت بالخیر

[illegible]

---

۱۱ اردو کا ارتقا صفحہ ۲۵۲